ڈاکٹر علی شریعتی

ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا

حج!

☆

جسے سب جانتے ہیں،

اور کوئی نہیں جانتا!!

مترجم:
سیّد محمد موسیٰ رضوی

ناشر:
کتاب مرکز، شمالی ناظم آباد۔ کراچی

ڈاکٹر علی شریعتی

وللّٰہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا

حج ____ !

☆

جسے سب جانتے ہیں ،

اور کوئی نہیں جانتا !!

مترجم :
سیّد محمد موسیٰ رضوی

ناشر:
کتاب مرکز ، شمالی ناظم آباد۔ کراچی

جملہ حقوق محفوظ

حج

تحریر

ڈاکٹر علی شریعتی

تزئین ــــــــــــــ انور کمال

کتابت ــــــــــــــ سید جعفر صادق

☆

پچھلے صفحہ کا مرتب کردہ خاکہ روی جلد کے لیے
ڈاکٹر علی شریعتی کی
پیش کردہ تجویز ہے:

"طواف کے لیے سب کے قدم
غلط اٹھ رہے ہیں
اِلاّ وہی سُرخ علامت والا قدم کہ جو حسینؑ کا ہے۔
دعوتِ شہادت میں
وہی ایک قدم ہے
جو طواف کو ترک کرتا ہے۔"

☆

فہرست

عنوان	صفحہ
دیباچہ	۵
پڑھنے والوں سے کچھ باتیں	۱۰
اُلٹی پوستین	۱۱
تیئس سال تیئس دنوں میں	۲۰
ابراہیمؑ کے ساتھ میعاد	۲۵
مناسک	۲۵
حج	۳۷
حج	۳۸
موسم	۴۳
احرام در میقات	۴۹
نیت	۵۷
نماز در میقات	۵۹
محرمات	۶۲
کعبہ	۷۱
طواف	۸۲
حجر الاسود، بیعت	۸۷
مقامِ ابراہیمؑ	۹۷

عنوان	صفحہ
○ سعی	۱۰۲
○ تقصیر، اختتام عمرہ : چھوٹا حج	۱۱۷
حجِ اکبر	۱۱۹
○ حجِ اکبر	۱۲۰
○ عرفات	۱۲۳
○ مشعر	۱۳۸
○ منیٰ	۱۶۳
○ رمی جمرات	۱۸۱
○ قربانی	۱۸۴
○ تثلیث کے بُت	۲۲۲
○ عید	۲۳۶
○ عید کے بعد دو دن وقوف	۲۳۸
○ ایک کلی جائزہ	۲۴۶
○ عید کے بعد رمی	۲۴۷
○ وحی کا آخری پیغام	۲۵۴
○ نتیجہ	۳۰۰
○ بازگشت	۳۰۳
برتر از حج : شہادت	۳۰۹

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریف اس ابدیتِ مطلق اور کمالِ لاتناہی کے لیے جس نے "اذن فی الناس بالحج" کہہ کر نسلِ آدم کو حج کی دعوت دی اور جسمانی سفر میں اپنی سمت بُلا کر ہمیں تاریخ کے جادہ پر ڈال دیا۔

اور درود و سلام ہو ————

سلسلۂ ابراہیمؑ کے اس عبد پر کہ جو پہلی نبوتوں کو ختم کرنے والے، بند دلوں کے کھولنے والے، حق کے زور سے اعلانِ حق کرنے والے، باطل کی طغیانیوں کو دبانے والے اور ضلالت کے حملوں کو کچلنے والے تھے۔

اور سلام ہو ————

ابوطالبؑ اور ان کی برگزیدہ نسل پر کہ جنھوں نے محمدؐ اور ان کے دین کا حصار بن کر کعبہ کو بچایا اور آج یہ مسلمانوں کی شناخت کا مرکز بنا ہوا ہے اور اسی سے ہر مسلمان حاجی بن کر اپنی عزت بڑھاتا ہے۔

مگر اس حج کی صورت معنوی ہونی چاہیئے۔ ہر شخص کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ کیا کر رہا ہے اور کیوں کر رہا ہے ————؟

حج کے تمام اعمال اشارے ہیں۔ ان کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جس طرف اشارہ کیا جا رہا ہے ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ اعمال کی ظاہری صورت میں کوئی اپنے آپ کو نہ کھودے۔

حج، حج معانی ہو۔ حج مناسک نہیں۔

حج کے تمام مناسک، اشارے ہیں، علامتیں ہیں، رمز ہیں، انھیں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اور ان ہی باتوں کو ڈاکٹر علی شریعتی نے اس کتاب میں سمجھانے کی کوشش کی ہے اور کہا ہے:

"اگر تم عملِ حج کو جاننا چاہتے ہو، مناسکِ حج سے متعلق
فقہا کی کتابیں پڑھو اور اگر حج کے مفہوم کو سمجھنا چاہتے ہو
تو اسلام کو سمجھو اور اس میں انسان کو پہچانو۔
اور اگر تم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہو کہ میں نے حج کو کس طرح
سمجھا ہے تو میری یہ تحریر پڑھو، شاید یہ تمھیں حج کو سمجھنے پر
تھوڑا سا ابھارے۔
تھوڑا سا ـــــــ!"

علی شریعتی کی حج پر مبنی یہ کتاب اس موضوع پر اس کی اپنی تفسیر و تحلیل ہے۔ یہ کوئی فقہی رسالہ نہیں کہ اس کے مطابق لوگ حج کے رسوم کو ادا کریں بلکہ یہ ایک فکری رسالہ ہے اور اس میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ "مناسکِ حج" کی تفسیر ہو، وہ بھی ایک عام آدمی کی حیثیت سے، عالمِ دین اور اسلامی مرجع کی حیثیت سے نہیں۔

تاہم میں سمجھتا ہوں کہ روحِ حج، مکتبِ توحید اور پیغامِ اسلام کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے اس سے بہتر کوئی کتاب کم از کم میری نگاہ سے نہیں گزری۔

اس کو پڑھ کر حج ایک جوش مارتا ہوا زمزم بن جاتا ہے اور حاجی ایک ایسے نُور کا حامل ہوتا ہے کہ جو آخر عمر تک اس کے تاریک ماحول میں روشنی بکھیرتا ہے۔ ایک ابدی زندہ رہنے والی اکائی، ایک لا یتناہی حرکت بن جاتی ہے، ذہابِ مطلق ہو جاتی انسان دارِ عمل سے دارِ حساب کی طرف رحلت کرتا ہے، لاشئے سے شئے بن سکتا ہے۔

علی شریعتی کا منفرد انداز اس کتاب میں بھی ہمیشہ کی طرح ہر پڑھنے والے کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے اور اس پر محویت کی وہ کیفیت طاری کرتا ہے کہ جیسے وہ کسی اور عالم کا باسی ہو گیا ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ دل سے نکلی ہوئی بات، دلوں میں گھر کر لیتی ہے اور اسی لیے اس کے پڑھنے والوں کو اس کا انتظار رہتا ہے کہ اس کی کوئی تازہ کتاب منظرِ عام پر آئے اور وہ اس سے اپنی روح کی پیاس بجھائیں۔

ہم نے زیرِ نظر کتاب کو کہ جو غالباً پاکستان میں علی شریعتی کی شناخت کا پہلا ذریعہ ہے پہلی مرتبہ اُردو کے قالب میں اُردو پڑھنے والوں کے لیے مکمل صورت میں ترجمہ کی منزل سے گزارا ہے، مگر اسی اسلوب کے ساتھ اور اسی لہجہ کی گرفت میں، بالکل اسی انداز ــــــ اسی ٹھہراؤ ــــــ اسی روانی ــــــ اسی سلاست اور اسی ساحرانہ انداز کے ساتھ کہ جو ہر دل و دماغ کو اپنے سے جدا ہر چیز میں ناکارہ اور معطّل کر دیتی ہے۔

کتاب کے مختصر سے تعارف کے بعد میں حسبِ عادت مسلمانوں کے اس عظیم محسن کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے مالکِ حقیقی سے ان ذواتِ مقدّسہ کے توسّط کہ جو اللہ کے خزینے ہیں ــــــ علم و معرفت کے دروازے اور شریعت کی روشن راہیں ہیں، جو بہترینِ خلائق ہیں ــــــ

اشرفِ کائنات ہیں ، خمسۃ النجبا ہیں ..... چاہتا ہوں کہ حق کے اس متلاشی، منزلِ عشق کے اس راہ رَو ، سرمست بادۂ صاحبِ اُمّ الکتاب ، پیروکارِ حلیفِ محراب اور دل دادۂ خامس آل عبا کو "سراپردۂ ستر و عفاف و ملکوت" تک پہنچا ____________

اور اس تشنۂ معرفت کو اپنے کنۂ حقیقت سے سیراب فرما۔

سید محمد موسیٰ رضوی

———— ✻ ————

پڑھنے والوں سے کچھ باتیں

اُلٹی پوستین

ایک "دین شناس" کی حیثیت سے 'خاص طور پر اپنے علمی سبجیکٹ تاریخِ ادیان" کے اعتبار سے ـــــ یعنی (فرانسیس بیکن کی تعبیر میں)' میں دینی جذبہ اور" فرقہ وارانہ تعصّب کی اشک آلود آنکھوں سے" ـــــ نہیں بلکہ "خشک علمی آنکھوں" سے تاریخ کی دینی "تبلیغات" اور ہر دین میں "تاریخی تبدیلیوں کی کیفیت"[1] اور "جو کچھ تھا" ـــــ اور ـــــ "جو کچھ اب ہے" کے درمیان

---

[1] شاید یہ تبصرہ مفید ہو کہ میں یہاں "ادیان" کی اصطلاح کو ایک تاریخی اور اجتماعی اصطلاح کے عنوان سے اور اس زبان میں استعمال کر رہا ہوں کہ جو "علم الادیان" کی زبان ہے اور اس کا اطلاق ہر اس مکتب اور ہر اس دعوت پر ہوتا ہے جو علمی، فلسفی، سیاسی، ادبی اور فنی وغیرہ جیسے مکاتب اور دعوتوں کے مقابل دینی پہلو کا حامل ہو خواہ اس کی جڑیں ماورائی ہوں کہ نہ ہوں کیونکہ ادیان کے برحق ہونے یا نہ ہونے کی بحث (باقی اگلے صفحہ پر)

موازنے اور پھر اس فاصلے کے موازنے کے بعد کہ جو "حقیقت" و "واقعیتِ ادیان کے درمیان ہے، اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ: [۱]

اگر ہر دین کو اس ذمّہ داری کی نظر سے جانچا جائے جو انسان کی نجات کے لیے اس کے ذمّہ ہے تو ہمیں اجتماعی ترقی ـــــ خود آگاہی ـــــ ارتقا ـــــ فرض شناسی ـــــ انسانی خواہشات کی تکمیل ـــــ اجتماعی طرزِ فکر ـــــ روحِ عدالت خواہی اور عزّت طلبی ـــــ اور پھر مادّی قوّت کے ساتھ حالات کی بہتری ـــــ طبیعت نگری ـــــ حقیقت پسندی ـــــ علمی پیش رفت، تعمیر و ترقی ـــــ امورِ مدنیت ـــــ فکری کاوش ـــــ اور عمومی رجحانات کی مرکزیت میں کوئی مکتب، مکتبِ اسلام سے زیادہ بلند، زیادہ بیدار اور زیادہ مستحکم نہیں ملتا کہ جو رسالتِ محمدؐ میں ابراہیمی توحید کا آئینہ دار ہے۔

"لیکن اس کے باوجود مجھے کوئی ایسا دین نظر نہیں آتا کہ جو اسلام سے زیادہ انحطاط کا شکار ہو اور اس نے "جو کچھ تھا" ـــــ اور ـــــ "جو کچھ اب ہے" کے درمیان فاصلے کو حدِّ تناقض تک طے کیا ہو ـــــ!"

"اگر آپ آج کے موجودہ اسلام کا دنیا کے انحطاط یافتہ یا انحطاط شدہ دیگر ادیان سے موازنہ کریں تو شاید میرے اس فیصلے سے اختلاف کریں، لیکن اس طرح کا موازنہ درست نہیں ہے۔ ہر حقیقت سے روگردانی کے معیار کو خود اس حقیقت کی سرگزشت میں ناپنا چاہیئے اور اسے اس کے ابتدائی راہِ سیر

(بقیہ صفحہ گزشتہ) حکمتِ الٰہی اور علمِ کلام کا کام ہے۔ اور میں ابھی اس منزل میں نہیں ہوں۔

[۱] مہربانی فرماکر ہر جملہ پر توجہ سے کام لیجیے۔

اور اس نقطۂ آغاز سے سمجھنا چاہیئے جہاں سے اس نے اپنا پہلا قدم اُٹھایا۔"

"اور اگر ہم اس ڈھب سے اسلامی مذاہب کے درمیان تحقیق و تدقیق سے کام لیں اور انھیں پرکھیں تو ہم تشیع کو اسلام میں اسی طرح پائیں گے جس طرح کہ ادیان میں اسلام ـــــ!"

عجب ہے کہ دوسرے ادیان کے باب میں "حقیقت" اور "واقعیت" کے درمیان موازنہ میں "اختلاف" کا لفظ استعمال ہو سکتا ہے جب کہ یہ لفظ اسلام اور تشیع کی "سرشت" کے موازنے میں، اسلام اور تشیع کی تاریخی سرنوشت کو پوری طرح بیان نہیں کرتا۔ اس کے لیے صرف "تضاد" ـــــ یا ـــــ "تناقض" کا لفظ صائب ہے۔[1]

---

[1] اور اس سے بھی زیادہ صائب تعبیر، تاریخ میں سرف اور صرف اس شخص کی ہے کہ جو ہر اسلام شناس سے زیادہ اسلام کو جانتا ہے۔ ہر سماجی علوم کے ماہر سے زیادہ اسلام کی تاریخی سرنوشت کے بارے میں پیش بینی کر سکتا ہے۔ اور ہر سخن شناس سے بہتر تعبیر میں کمال رکھتا ہے۔ اور وہ ہے ـــــ علیؑ ـــــ کہ جن باتوں کو اسلام شناس حضرات اور سماجی علوم کے ماہرین تاریخ اسلام کے علمی تجزیے اور بڑی بڑی کانفرنسوں اور کتابوں کی مدد سے کہنا چاہتے ہیں اور اسلام کی ابتدائی حقیقت اور اس کی موجودہ صورتِ حال یا واقعیت کا ایک دوسرے کے ساتھ موازنہ کرنا چاہتے ہیں اور اس کے تعمیری کردار اور اس کے تباہ کن عمل کو دہرانا چاہتے ہیں، حتیٰ اسلام کے بارے میں حال اور گزشتہ کے بیدار مغز افراد اور فرض شناس روشن خیال لوگوں کے احساس و ادراک کو بیان کرنا اور آپس میں ان کا تقابل کرنا چاہتے ہیں اور اُس اسلام کی اچھائی اور جاذبیت اور اِس اسلام کی بدصورتی اور نفرت انگیزی کو واضح کرنا چاہتے ہیں یہاں تک کہ اسلام کی اس باقی اگلے صفحہ پر

اور عجیب تر یہ کہ،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام مادّی اور معنوی وسائل و عوامل سے لیس کسی طاقت نے کبھی درپردہ اور کبھی کھلّم کھلّا تاریخ کے ممتاز ترین فلسفیوں، سماجی علوم کے ماہروں ـــــ مردم شناسوں ـــــ منطقیوں ـــــ علوم انسانی کے ماہروں،

بقیہ صفحہ گزشتہ خصوصیت کا اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام ان تمام دیگر انحطاط یافتہ ـ یا ـــ انحطاط پذیر ادیان سے ہٹ کر ایک استثنائی دین ہے۔ اور یہ کہ اسلام تمام ادیان میں پہلا خوبصورت ترین اور پرکشش ترین دین تھا کہ جو تغیر و انحطاط کے عمل سے بدصورت ترین اور ناپسندیدہ ترین دین ہوگیا۔ اور وہی بات جو میں نے کہی کہ بلند پایہ ترین فکری مکتب اور ترقی یافتہ ترین انسانی پیغام، دنیا کے ناپسندیدہ ترین مکتب اور منفی ترین پیغام میں بدل گیا..... ان سب کو عامۃ الناس کی زندگی سے متعلق ایک عام سادہ سے استعارے کے ساتھ متین ٹھوس، خوبصورت اور کامل جملے میں بیان کیا ہے:

"لُبِسَ الاسلام لُبْسَ الفَرْوِ مقلوباً۔"

"اسلام کو اُلٹی پوستین کی طرح پہنا ہوا ہے!"

پوستین لباس ہے مگر دیگر لباسوں سے مختلف۔ جنس میں بھی، شکل میں بھی اور استعمال میں بھی۔ یہ وہ واحد لباس ہے کہ جس کا سیدھا حصّہ خوبصورت ترین، دل کش ترین، اور دیدہ زیب ترین۔ اور اُلٹا حصّہ، بدصورت ترین، سیاہ ترین، ناپسندیدہ ترین ہے۔ خوش نقش و نگار ترین پوستین کو جب کوئی اُلٹا پہن لے تو بھوت بن جاتا ہے اور بچوں کو اس سے ڈرایا جاتا ہے۔ (مگر آج کی دنیا میں نہیں۔ آج کی دنیا میں بچے اس اسلام سے بھاگتے ہیں؟) پر انسان اس پوستین کو اُس رخ سے پہنتا ہے اور بھیڑ اس رُخ سے۔

دین شناسوں ـــــ سماجی نفسیات کے ماہروں ـــــ سیاست مداروں ـــ مستشرقوں ـــــ اسلامی علوم کے ماہروں ـــــ قرآنی علوم پر دسترس رکھنے والوں ـــــ فقیہوں ـــــ حکمت، عرفان اور اسلامی ادبیات کے ماہروں ـــــ سماجی روایات اور مشرقِ وسطےٰ کے لوگوں کی فکری اور باطنی خصائص سے آگہی رکھنے والوں اور ان کی کمزوریوں ـــــ جذباتی پہلوؤں ـــ اور اجتماعی اور طبقاتی سلوک سے متعلق خاص رجحانوں کا پتہ لگانے والوں اور ان لوگوں اور ان نظاموں میں شخصیتوں، قابلِ رشک لوگوں، گماشتوں اور بااثر ہستیوں سے متعلق ایک ٹیم کو اس بات پر مامور کیا ہے کہ وہ گہری اور علمی سطح پر لوگوں کے حالات اور ان کے ماحول کا مطالعہ کریں اور اسلام کا گہرا کھوج لگا کر، اس دین کو حقیقی معنوں میں "اُلٹ" دیں۔

چنانچہ بالکل صاف ظاہر ہے کہ ـــــ

یہ مسئلہ کسی مذہب کے فطری تغیّر و انحطاط سے وابستہ نہیں ہے بلکہ اسلام میں جو چیز رونما ہوئی ہے وہ "اوندھانے کا عمل" ہے اور اتنا ٹھوس ہے کہ اسے اتفاقی، حادثاتی، تاریخ میں وقوع پذیر ہونے والے غیر ارادی عوامل یا دوسری ثقافتوں کے ملاپ کی پیداوار، اسلام میں داخل ہونے والی دوسری قوموں کے روایتی، طبقاتی اور قومی نظریات ـــــ یا ـــــ دوسروں کے ان سماجی، ثقافتی اور تاریخی اسباب و خصوصیات و مقتضیات کی اثر پذیری نہیں کہا جا سکتا کہ جو عام طور پر ایک مکتب فکری اور مذہبی ایمان پر اثر انداز ہو کر اسے بدل دیتی ہیں اور غلط راہ متعیّن کرتی ہیں۔

بلکہ بہت صاف انداز میں ظاہر ہوتا ہے کہ ـــــ

بڑی پختگی اور مہارت کے ساتھ عمداً اسلام میں "اَوندھانے کے اس عمل"

کو جاری کیا گیا ہے، اس طرح کہ اس کے انتہائی ترقی پسندانہ اعتقادی اور عملی پہلو بدترین غیر ترقی پسندانہ معکوس اجتماعی عوامل کی صورت میں بدل گئے ہیں۔

اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ــــــــ

یہاں بھی تشیّع خصوصی طور پر ایک ایسی ہی سرنوشت کا حامل ہے اور یہ بات واضح ہے کہ دو مشابہ سرنوشت یا دو مشابہ طینتیں، دو مشابہ سرنوشت بھی رکھتے ہوں گے۔

زیادہ بہتر تعبیر میں کہنا پڑے گا کہ ــــــــ

جس طرح تشیّع اسلام کے پیغام کی ترقی پسندانہ ترین تجلّی ہے اسی طرح اس اَوندھانے کے عمل میں اس کے موجودہ جلووں کی صورت ــــ مسلماً غیر ترقی پسندانہ ترین ہوگی۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں اسلام کے ترقی پسندانہ ترین ایمانی یا عملی پہلو، کہ جو اپنے پیروکاروں کو بیداری، آزادی اور حرکت و عزّت کی ضمانت دیتے ہیں اور سب سے زیادہ قوّت اور سماجی ذمّہ داری کو روبعمل لاتے ہیں "توحید" ــــ "جہاد" ــــ اور ــــ "حج" سے عبارت ہیں۔

اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ توحید کا درس اب درس گاہوں میں ختم ہو رہا ہے اور اگر کہیں اس کا ذکر ہے تو وہ صرف حکمائے الٰہی اور عرفائے ربّانی کی محفلوں میں، وہ بھی کلامی اور فلسفیانہ صورت میں، فردِ بشر سے بیگانہ اور زندگی سے نامانوس ذہنیّت کے ساتھ، اور پھر توحید سے زیادہ، اثباتِ وجودِ خدا کا اس میں دخل رہتا ہے اور عملاً توحید یعنی ہیچ!

یہ ایک حل شدہ مسئلہ ہے!

کہ جو دشمن کے حق میں زیادہ اور اس کے حق میں کم مفید ہے۔

اور جہاد ایک فراموش شدہ لفظ ہے کہ جسے تاریخ کے حوالے کر دیا گیا ہے اور امر بالمعروف اور نہی از منکر کہ جو فلسفۂ جہاد ہے ایک تکفیری تازیانہ ہے کہ جو دشمن کے سر پر نہیں بلکہ دوست کے سر پر برستا ہے۔

اور حج، وہ بدشکل ترین اور غیر معقول ترین عمل کہ جو مسلمانوں کے بیچ ہر سال تکرار ہوتا ہے۔

اور تشیع سے مخصوص ترقی پسندانہ ترین ایمانی اور عملی جہات میں کہ جو نوعِ بشر کی رہبری، روحِ حریت طلبی اور انقلابی ذمہ داری کو مسلمانانِ عالم کے درمیان علیؑ صفت القا کرتا ہے۔

امامت ـــــ عاشورا ـــــ اور ـــــ انتظار ہے۔

اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں پہلی جہت، تکلیف یا ذمہ داری کے مقابل آکر توسّل، دوسری مکتبِ "مصائب" اور تیسری فلسفۂ تسلیم بن گئی کہ جہاں ظلم و ستم اور جبر بدی کی توجیہ ہونے لگی اور اصلاحِ عمل اور عدالت کی راہ میں قیام پر اُٹھنے والے ہر قدم کو پہلے ہی سے روک دیا گیا!

اور ان سب چیزوں کو ایک سیاست سے حاصل کیا گیا۔ اور یہ وہ سیاست تھی کہ جو دعا کی کتاب کو قبرستان سے شہر لائی اور قرآن کو شہر سے اور عالمِ زیست سے قبرستان لے گئی اور اسے مُردوں کی رُوح پر وار دیا، اور دینی تعلیم کے مراکز میں "اصول" کو اسلامی علوم کے محصلین کے سامنے رکھ کر قرآن کو ان کے ہاتھوں سے لے لیا اور اسے اپنے کمرے کے طاقچہ پر رکھ دیا۔

اور ظاہر ہے کہ جب قرآن نے بھی ملتِ مسلمہ کی زندگی اور نیز اسلام کو ترک کر دیا اور اس کے غیاب میں سب کچھ کیا جا سکتا ہے ـــــ جیسا کہ کیا ـــــ!

ایک روشن خیال آدمی اپنے لوگوں کے سامنے ذمّہ داری کا احساس کرتا ہے۔ ایک مسلمان شخص اپنے ایمان کی بدحالی کے مقابل اور ایک روشن خیال مسلمان کہ جس کی دُگنی ذمّہ داری ہے اپنے ایمان کے بلند و بالا اقدار کے بگاڑ کے سامنے بھی ـــــ اور اپنے لوگوں کے انحطاط پر بھی رنجیدہ خاطر ہوتا ہے۔ اس سے بڑا رنج اور اس سے بڑا دکھ اسے یہ ہوتا ہے کہ وہ دیکھتا ہے کہ ـــــ

اس کا معاشرہ، اس روح و دمِ مسیحائی کے ساتھ کہ جو مُردہ جسموں میں جان ڈالتا ہے ـــــ اور ـــــ نابینا کو بینائی عطا کرتا ہے۔ اس طرح مُردہ اور اس طرح نابینا ہو جاتا ہے!

آخر اسلام اور تشیّع، مسلمان معاشرے، شیعہ نفوس اور خاص طور پر اسلام اور تشیّع کے ان، اعلیٰ تعمیری خوبیوں سے متصوّر تین نکاتی جہت کے مقابل اس کی ذمّہ داریاں کیا ہیں ـــــ؟ اس کی سوچ اور اس کے احساسات کیا ہیں ـــــ؟

کیا وہ خاموش رہ سکتا ہے ـــــ!

کیا ایک مغربی آئیڈیالوجی سے تمسّک اس درد کی دوا ہے، کیا یہی نجات کا راستہ ہے ـــــ؟

کیا یہی بہانہ کہ "اسلام اور تشیّع کی سرنوشت کے بارے میں علماء ذمّہ دار ہیں۔" ان سے سلبِ مسئولیت کر سکتا ہے؟ اور وہ یوں ہی لاحاصل انتظار میں صدیوں اور بیٹھ کر، روشن خیالانہ بڑبڑاہٹ کے ساتھ اظہارِ وجود کرتا رہے گا ـــــ؟

اگر اسلام، فلسفے یا سائنس کی کوئی ماسٹر ڈگری نہیں ـــــ بلکہ ـــــ خاص طور پر شیعی اعتبار سے، ایک "پیغام" ہے تو پھر اس کے مخاطب راست

طور پر "عوام الناس" ہیں اور بس۔ بیدار و آگاہ روشن فکر ہے کہ جو اس کے سامنے براہِ راست ذمّہ دار ہے۔

اور تم ——— اے میرے ہمدرد روشن خیال دوست اور اے میرے ہم مذہب مسلمان! خواہ اپنی توجّہ کو خلقِ خدا کے آگے اپنی ذمّہ داری جانو یا خدا کے آگے ——— عمل کی منزل میں ہمارا کام ایک، اور ہماری ذمّہ داری ایک ہے ———!

وُہ راستہ جو ہمارے دشمن نے ہماری ذلّت کے لیے منتخب کیا ہے ہمارے لیے بہترین رہنما ہے تاکہ ہم اسے اپنی عزّت کے لیے انتخاب کریں۔

"مراجعت" بالکل اسی راستے سے جس راستے سے وہ ہمیں لے گیا ہے۔

قرُآن کو قبرستان سے اُٹھا کر شہر لانا ——— اور ازیں پس اسے زندوں کے لیے تلاوت کرنا! اور طاقچہ سے اسے اُتار کر محلِّ درس میں لانا۔

وہ قرُآن کو مٹا نہیں سکے، انھوں نے اسے بند کر دیا۔ اور ایک "متبرّک شئے" بنا دیا۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اسے پھر "کتاب" بنائیں اور قرائت کی منزل میں لائیں۔ کیونکہ قرآن کے معنی ہیں "پڑھی جانے والی کتاب۔"

کیا وہ دن آئے گا ———

جب ہم یہ دیکھیں کہ ہمارے دینی مدارس میں، اسلامی تعلیمات کے لیے متعیّن کتابوں کے درمیان قرآن کو بھی ایک درسی کتاب کی صورت میں تسلیم کرلیا گیا ہے ———؟

کیا وہ دن آئے گا کہ ———

جب ہم یہ دیکھیں کہ اجتہاد کے درجے تک پہنچنے کے لیے قرآن کو بھی

ایک دینی کتاب کے عنوان سے پڑھنا ضروری ہوگا۔

اگر ہم قرآن کو اپنی زندگی اور اپنے مذہب میں واپس لوٹائیں تو وہ توحید کو ——— ایک جہاں بینی کی طرح ——— ہمیں واپس لوٹائے گا، اور توحید میں حج، جہاد، امامت، شہادت اور انتظار اپنی حیات آفریں روح کو پالیں گے اور ہم بھی اپنی روح اور اپنی زندگی کو!

اور اب ہم حج کی طرف آتے ہیں ———!

اُس حج کی طرف جو جہاں بینیٔ توحید ہے!

حج کے بارے میں میری گفتگو کا مجموعہ کہ جو میرے غور و فکر اور ان تجربات کا نچوڑ ہے جسے میں نے تین مرتبہ کے حج اور ایک مرتبہ کے سفر میں حاصل کیا، تین[۳] جلدوں میں مدوّن ہوا ہے:

(جلد اوّل)

تئیس[۲۳] سال تئیس[۲۳] دنوں میں

حج کے لیے وہ ۲۳ دن جسے ہر ایرانی جزیرہ نمائے عرب میں گزارتا ہے، میرے وہ افکار جنھیں میں برسوں مکمّل طور پر رسولِ خدا[ص] اور ان کی زندگی کے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔

ہماری مذہبی شخصیتوں میں جناب رسالتمآب[ص] کی ذاتِ گرامی شناخت کے اعتبار سے اس منزل پر نہیں ہے کہ جو دوسروں کی ہے[۱] اگر آپ[ص] کی زندگی کے

---

[۱] اس کی مثال ۲۸ صفر ہے کہ جو جناب رسالت مآب[ص] اور جناب امام حسن[ع] دونوں کی وفات کا دن ہے لیکن ہم نے نہیں دیکھا کہ امام حسن علیہ السلام کی عزاداری کے مراسم میں کسی کو جناب رسالتمآب[ص] کی یاد بھی آئی ہو! بن قرآن اور بن پیغمبر[ص] کے (باقی اگلے صفحہ پر)

بارے میں گا ہے کوئی بات آتی بھی ہے تو وہ فرقہ وارانہ مسائل اور کلامی اور تاریخی جھگڑوں اور شیعہ سنّی اختلافات کے ضمن میں ہوتی ہے اور نتیجتاً ہمیشہ ان کی حیرت انگیز اور سبق آموز شرح حال میں صرف خاص اور محدود باتیں ہی بار بار سامنے آتی ہیں اور وہ بھی تحقیقی نقطۂ نگاہ سے اور مستقل تحقیق سے نہیں بلکہ پہلے سے متعین شدہ، یک طرفہ اٹل فیصلوں اور کھینچا تانی کے ساتھ کہ جو تقلیدی اور زیادہ تر متعصّبانہ ہوتی ہیں ——— !

یہی وہ باتیں ہیں کہ ———

میں کئی سال سے جناب رسالتمآبؐ کے جذبۂ زندگی، عظمتِ رُوح اور حیرت انگیز شخصیّت کے بارے میں مسلسل سوچ رہا ہوں اور میں نے رسالتؐ کی ۲۳ سالہ زندگی کو ——— مکّہ میں ہر ہر سال اور مدینہ میں ہر ہر ماہ کے اعتبار سے، تدوین کیا ہے۔

اور جو کچھ میں نے تاریخ میں اس "عظیم امّی پیغمبرؐ" کی زندگی کے بارے میں پڑھا ہے اسے پیغمبرؐ کی سرزمین پر ان چار مسلسل اسفار کے دوران جغرافیہ میں پایا ہے، اور آپؐ کی سرگزشت کو آپؐ کی سرزمین پر اتارا ہے۔

اور اسی بنیاد پر میں نے جناب رسالتمآبؐ کے زمانے سے متعلق جزیرہ نمائے عرب کا ایک نقشہ مرتب کیا ہے اور اس نقشے میں، اس دور کے تمام قبائل کی نشان دہی کی ہے۔ میں نے مکّہ اور مدینہ کے شہر سے متعلق نقشے کو

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اسلام کو بلوغت تک پہنچانا واقعی شاہکار، اور لوگوں کے ذہنوں میں اتارنا واقعی اعجاز ہے!

(خیال رہے کہ یہ گفتگو ایران کی حد تک امکانِ صحت رکھتی ہے۔ اردو مترجم)

جناب رسالتمآبؐ کے زمانے کے اعتبار سے مرتب کیا ہے اور جہاں کہیں بھی آپؐ کے اور آپؐ کے ساتھیوں کے نقش قدم ملے ہیں کہ جن کا تعلق آپؐ سے رشتے، دوستی یا دشمنی کی بنیاد پر رہا ہے، ان کی میں نے مکّہ، مدینہ، طائف اور ان کے اطراف کے علاقوں میں نشان دہی کی ہے اور آپؐ سے متعلق سفر کے تمام راستوں، تمام جنگ کے میدانوں، اور زندگی کے تمام آثار کو ــــ جہاں کہیں بھی آپؐ گئے اور جہاں کہیں سے آپؐ گزرے ــــ کھوج لگایا ہے اور ان تمام علاقوں، ان تمام شہروں اور ان تمام پہاڑوں اور صحراؤں کا پتہ لگایا ہے کہ جن سے آپؐ کی نسبت رہی ہے ــــ اور ــــ بدر و احد و خندق و بنی قریظہ و خیبر و فتح حنین و طائف وغیرہ اور پھر مکّہ اور مدینہ میں محلّہ بنی ہاشم کے ہر ہر گھر کا پتہ یہاں تک کہ اس کا مکمّل خاکہ ــــ علاوہ ازیں مسجدِ نبویؐ اور آپؐ کی ازواج کے تمام گھر، مدینۂ منوّرہ میں جناب سیدہؑ کا خانۂ اطہر، جناب خدیجہ اور جناب ابوطالب کی رہائش گاہیں، جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کا مولد، ائمہ اور اصحاب کے گھروں کا مکمل پتہ ــــ مکّہ میں آپؐ کے بڑے دشمنوں کے ٹھکانے ..... ان سب چیزوں کو اس انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ آج کے مکّہ، مدینہ اور طائف کی بدلی ہوئی صورت میں ان کی شناخت آسانی سے ہو سکے اور جناب رسالتمآبؐ کے گھرانے، آپؐ کی اجتماعی زندگی اور شہر کی کیفیت کا مکمل نقشہ ذہن میں مرتب ہو سکے اور آپ تاریخ کو زندہ دیکھ سکیں اور اپنے آپ کو اس زمان و مکان اور اس اوضاع و احوال میں محسوس کریں کہ جس کا تعلق ہماری روح سے ہے۔

اور اس طرح تم، اے حج سے مشرف ہونے والے ایرانی حاجی! ان ۲۳ دنوں میں ہر جگہ جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ رہ سکتے ہو۔

۱۳ دن مکّہ میں گزارو ــــ ان ۱۳ سالوں کی علامت کے طور

پر جو آپؐ نے مکہ میں گزارے ـــــ اور پھر طائف کا سفر اختیار کرو وہیں جہاں کہ آپؐ تشریف لے گئے ـــــ

ایک سفر دعوت کا اور ایک جنگ کا۔

اور پھر مہاجروں کے ساتھ مکہ سے مدینہ ہجرت کرو اور راستے میں ربذہ اور بدر کو بھی دیکھو اور پھر "قبا" میں آؤ اور از آں پس مدینہ پہنچو اور وہاں کی ہر اس سڑک، ہر اس گلی اور ہر اس جگہ کو ڈھونڈو کہ جو آپؐ کا' آپؐ کے گھرانے کا، اور آپؐ کے دوستوں کا پتہ دیتی ہو۔

اور پھر خیبر کا سفر اختیار کرو ـــــ

اس خاموش اور اُجاڑ قلعے کا جو اسی طرح سے باقی ہے جس طرح چودہ صدی پہلے تھا اور اس کے مرطوب نخلستانوں کی انتہائی پُراسرار خاموشی میں تم پیراماؤنٹ کے بلند پہاڑوں کی اونچائی پر یہودیوں کے قلعوں کا مشاہدہ کر سکتے ہو اور ایک ایک کو پہچان سکتے ہو اور ـــــ علیؑ کی اس گرجدار آواز کو "سُن سکتے ہو کہ جو اب بھی اس درّے کی گزشتہ یادوں کے سکوت میں گونج رہی ہے۔

اور آپ کے آثار کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو:

چشمۂ علیؑ کو ـــــ مسجدِ علیؑ کو ـــــ کہ جو آپؐ کا فوجی اڈہ رہا ہے' پہاڑ کی تیز ڈھلان میں مرحب کے قلعے اور دوسرے حصاروں کو کہ جو ابھی تک باقی ہیں ـــــ اُن گھروں کو کہ جو خالی ہیں ـــــ اور خیبر کے ان نخلستانوں کو جن میں سکوت اور سناٹے نے گھر کر رکھا ہے......

اور جنگ کے میدانوں، محاذوں اور صف آرائیوں کے مکمل نقشے کو کہ جو ان سرگزشتوں میں' بدر و احد و خیبر و حنین و مکہ کی سرزمینوں میں وقوع پذیر ہوئے ہیں.....

اور کچھ مدینہ میں دس دن جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ گزارو، جہاں آپؐ گئے ہیں وہاں جاؤ اور ہر جگہ علیؑ کو بھی دیکھو، انھیں آپؐ کے ساتھ پاؤ اور تمام اصحاب کو بھی، یہاں تک کہ اصحاب کے گھروں اور ہر جگہ کو۔

موجودہ مدینہ میں گزشتہ مدینہ کو۔

اور اس طرح تم اسلام کے ولولہ انگیز، عشق آمیز اور تحریک و جہاد بھری تاریخ میں اُتر جاؤ اور اپنے آپ کو تاریخ آدمی کے ان بابرکت ۲۳ برسوں میں مہاجر و انصار کے درمیان پاؤ اور اس طرح حج کے ضمن میں تاریخ اسلام اور پیغمبرؐ کی سیرت کا بھی مشاہدہ کرو۔ اور ایک مکمل، زندہ اور اسلام میں تبدیلی لانے والے دور سے حج کے ساتھ ساتھ گہوارۂ اسلام، محترم ترین زمین و زمان، مناسب ترین حالات اور عمر کے آزاد ترین حصے میں ——— کہ جس میں زیادہ تر وقت بے ہودہ باتوں، بے ہودہ انتظاروں، خرید، تماشائے خرید اور خریداروں سے متعلق گفتگو میں ضائع ہو جاتا ہے ——— کچھ حاصل کرو۔[1]

---

[1] یہ جو حج کے ساتھ ساتھ مدینہ کی زیارت کی تاکید عمل میں آئی ہے اور پیغمبر اکرمؐ سے یہ روایت ہے کہ: "جو کوئی حج کے لیے آئے اور مدینہ میں میری زیارت نہ کرے اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔" میرے خیال میں اس لیے ہے کہ تم جو حج میں توحید کو سیکھتے ہو، ابراہیمؑ کو سمجھتے ہو، مدینہ میں اسلام کو سیکھو اور پیغمبرؐ کو پہچانو کہ جو مداوم تاریخِ ابراہیمؑ اور متمم پیغامِ توحید ہیں اور تم مدینہ میں درسِ حج کی آخری کڑی کی تأسی اور مکتبِ حج کی تکمیل کرو۔ وگرنہ جناب رسالتمآبؐ ان باتوں سے کہیں بلند و بے نیاز ہیں کہ وہ ہماری یا تمھاری زیارت کے منتظر ہوں اور ان کا اسلام اس بات سے کہیں زیادہ بلند اور کہیں زیادہ اصولی ہے کہ "جو چیز زندگی میں فضول و بے ثمر اور اذہان پر بے اثر ہو۔" (باقی اگلے صفحہ پر)

(جلد دوم)
ابراہیمؑ کے ساتھ میعاد

آدمؑ، ابراہیمؑ، توحید، فلسفہ تاریخ اسلام کے بشری پیغام اور اس کے فکری، تاریخی، اجتماعی، اخلاقی یا علم الانسان میں "توحید و شرک سے متعلق قاعدۂ عمل اور حج اور فلسفۂ حج کا اصلی خطوط پر مبنی خاکہ۔

(جلد سوم)
مناسک

مناسک "نسک" کی جمع ہے۔ یہ نسک اپنے اندر کتنے مفہوم رکھتا ہے؟ پرستش، پارسائی، ریاضت، خدا اور اس چیز کے آگے خشوع جو انسان کو خدا سے نزدیک کرتی ہے۔ اور جو عمل آدمی اس کے لیے کرتا ہے، پہناوے کو دھونا اور پاک کرنا، گھر پہنچنا، صحیح راہ اور خوبصورت روش پر چلنا اور اس پر قائم رہنا، ہر وہ حق کہ جس کا تعلق خدا سے ہے، ہر وہ چیز جو خدا کے حضور پیش کی جائے، خون اور خوں بہا۔

انسان ناسک: یعنی وہ عبادت گزار انسان کہ جو پارسا ہو۔

ارضِ ناسک: وہ سرسبز و شاداب زمین کہ جس پر ابھی ابھی بارش برسی ہو۔

منسک: مانوس اور جانی پہچانی سرزمین، وہ دیار کہ جس سے دل کو کوئی الفت یا وابستگی ہو اور وہ راستہ کہ جسے خداوند عالم نے ہر امت کے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) وہ آخرت میں اس کا صلہ دے اور اس کام یا اس عمل میں کہ جس میں نہ خود کے لیے اور نہ خلق خدا کے لیے اصلاح کا پہلو ہو، اس میں ثواب کو رکھے۔

سامنے رکھا ہے تاکہ وہ نجات اور حق کی جستجو میں اس راہ پر چلیں !

اور ــــــــــ

"مناسک" نہ تو حج کے آداب و اعمال میں ایک پورا فقہی رسالہ ہے اور نہ ہی اس آداب کے فلسفے اور ان اعمال کی تفسیر و تحلیل میں ایک مکمل فکری رسالہ ہے بلکہ حج میں اس کے آداب و اعمال کا خصوصی نام "مناسک" ہے اور یہ وہ نام ہے جسے اسلام نے خود اسے دیا ہے۔

اور یہ بات بتاتی ہے کہ حج کے بارے میں میری تعبیر ــــــــــ کہ حج "حرکتوں" کے مجموعے کا نام ہے۔ "وہ حرکات کہ جن میں انضباط ہو" اور جن کی "وقت" سے وابستگی ہو اور وہ اجتماعی صورت لیے ہوئے ہوں ــــــ اس تسمیہ کے ساتھ سازگار ہے۔

ان آداب و احکام کے بارے میں یہ تحریر اللہ کے ایک حقیر بندے کی تفسیر و تحلیل ہے اور کسی مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے مطابق حج کے رسوم کو ادا کرے۔ اس لیے کہ یہ مناسک ایک فکری رسالہ ہے فقہی نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ــــــــــ

میں نے صرف اس بات کی کوشش کی ہے کہ "مناسک حج" کی تفسیر کروں وہ بھی ایک "عالم دین" اور "اسلامی مرجع" کی حیثیت سے نہیں ایک عام حاجی کی حیثیت سے کہ جس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ واپسی پر حج کے بارے میں اور ان باتوں کے بارے میں جنھیں اس نے وہاں اخذ کیا ہے گفتگو کرے، اور کرتا ہے۔ اور دوسروں کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کی گفتگو کو سنیں، اور وہ سنتے ہیں۔

اور یہ صرف ایک "حق" نہیں ہے اور شاید یہ رسم کہ جو حج سے

واپسی میں ـــــ اس رسم سفر کی طرح نہیں کہ جس میں لوگ مسافر کو دیکھنے جاتے ہیں ـــــ حج کا زائر خود اپنے رشتہ داروں، محلے والوں اور دوست احباب کی دعوت کرتا ہے ـــــ اس لیے ہو کہ اس طرح ہر سال حج کا مسئلہ لوگوں کے ذہنوں میں راسخ ہو اور اس سے متعلق باتیں گفتگو کا موضوع بنیں اور ہر شخص خدا اور خلقِ خدا کے ساتھ اپنے میعاد میں حاصل شدہ چیزوں کو اپنی سرزمین پر لبطور سوغات لائے اور اسے اپنے مجمع میں تقسیم کرے۔

اور یہ " حج کا ایک بڑا سبق " ہے کہ جس میں ہر سال وہ اقلیت کہ جو "صلاحیت کی حامل ہے" عملاً اور وہ اکثریت کہ جو "صلاحیت کی حامل نہیں ہے" نظراً شرکت کرتی ہے۔

اور اگر وہاں جس قدر سونے، کھانے، حفظانِ صحت، تحفے تحائف، بدنما آمرانہ تظاہر اور مزاجِ حج کے برخلاف تجمل نمائیوں پر توجہ دی جاتی ہے، ان لوگوں کی تفہیم و تلقین پر توجہ دی جاتی کہ جو دنیا کے کونے کونے سے، دور دراز کی بستیوں سے اور پسماندہ ترین قبائل میں سے حج کے لیے آتے ہیں اور تعصب، تکیہ، موشگافی اور وسواس کو اپنے ساتھ لاتے ہیں اور اگر حج کے معنی اور معنویت کی تفہیم کا ایک ہزاروں حصہ بھی عمل میں آتا تو ـــــ

حج، ہر سال تدریس کا ایک ایسا دَور ہوتا کہ ـــــ

جو ایک ماہ کی عملی اور نظری، اسلام شناسی کے عمل میں لاکھوں آزاد اور مشتاق نمائندوں کو روحِ حج، پیغامِ اسلام، مکتبِ توحید اور مسلمان قوموں کی سرنوشت سے آگاہ کرتا اور پھر وہ :

بھری جھولیوں کے ساتھ ـــــ

اپنے ملکوں، اپنے شہروں، اپنے دیہاتوں، اپنے کام کاج اور دینی

مرکزوں میں واپس آتے اور جو کچھ انھوں نے حاصل کیا ہے اسے اپنے لوگوں کو سکھاتے۔
اور اس طرح ـــــــــ

حج، ایک جوش مارتا ہوا زمزم ہوتا کہ جو ہر سال مسلم اُمّہ کو اپنے نکھرے ہوئے ایمان و اندیشے سے سیراب کرتا اور ایک حاجی اپنے اس عہد کے ساتھ جسے اس نے حجرِ اسود کو چُوم کر کیا ہے، لوگوں کے درمیان ایک ایسے نور کا حامل ہوتا کہ جو اس کی عمر کے آخری حصّے تک اس کے تاریک ماحول میں روشنی بکھیرتا رہتا۔

اس طرح اگر ہر کوئی اپنی سطحِ ادراک کے مطابق لوگوں کو کم از کم ایسے موقع پر جب وہ بیٹھا ہے اور تین چار سو کی تعداد میں اس کے رشتے دار، دوست احباب اور دفتر یا کاروبار کے ساتھی اسے دیکھنے کی غرض سے اس کے گرد جمع ہیں، سفر سے متعلق عام سی دہرائی جانے والی پست و پوچ سی باتوں کے ساتھ، مکتبِ حج سے آشنا کرے تو ہر سال ساری دنیا کے مسلمان، ایک ملین پانچ لاکھ مدرسینِ حج کے ذریعے تعلیم پائیں گے اور یہ سنّتِ اسلامی کہ مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود لوگوں کو اپنی ملاقات کے لیے دعوت دے۔ دو موارد میں ہے:

ایک: حج، اور دوسرے وفات!

حج پر سوچنے یا ذہن کو منتقل کرنے کے لیے، سال میں ایک بار،
ایک خاص موقع پر وفات یا موت پر سوچنے کے لیے!

ظاہر ہے موت کا کوئی وقت نہیں ہوتا، موت اپنی قربانی کی اطلاع نہیں دیتی ـــــــ!

مگر موت کی قربانی تمھیں اطلاع دیتی ہے۔

خبردار ـــــ!

وقت ـــــ! وقت ـــــ!

حج کو تمام مذہبی یا غیر مذہبی احکام و اعمال میں امتیاز حاصل ہے۔

نماز، "کشش روح ہے، دنیا کے معنوی مرکز کی طرف"۔ عالمِ وجود کے سب سے بڑے معبود و مطلوب کی طرف۔ اور بقول "ڈیکیرٹھوگو":

" (نماز) ایک "انتہائی حقیر ہستی" کی ایک "انتہائی اعلیٰ ذات" کے مقابل ایستادگی ہے۔"

یہ ایک "مشخص ثابت مفہوم" ہے، البتہ درجات میں متفاوت ہے۔

جہاد، ایک "اعتقادی جنگ" ہے۔ البتہ اس کے فہم کا درجہ مجاہد کی سوچ کی گہرائی سے وابستہ ہے۔

اور یہی صورت روزے اور زکوٰۃ کی بھی ہے......

لیکن حج ——

کون، ایک مشخص عبارت سے اس کی تعریف کرسکتا ہے؟

حج کیا ہے ——؟

اس سوال کا جواب شاید ان تمام حاجیوں کی تعداد کے برابر ہو کہ جو اپنی فکر سے کام لیتے ہیں،

حج —— جس مفہوم میں بھی لیا جائے —— ایک حرکت ہے۔ "خلق" سے "ہمگام" —— "خود" سے "خدا" کی طرف۔

حج، ایک متشابہ آیت کی طرح، ایک متشابہ حکم ہے۔!

قرآن میں دو طرح کی آیتیں ہیں: محکم اور متشابہ۔

محکمات ایک پہلو یا ایک مفہوم رکھنے والی آیتیں ہیں اور ایک ایسی گفتگو ہے کہ جس کا مطلب بالکل صاف اور واضح ہے اور متشابہات کئی پہلو رکھنے والی آیتیں ہیں کہ جو ذہن کو کئی راستوں پر لے جاتی ہیں اور اس سے کئی

مفہوم لیے جا سکتے ہیں۔

مگر شاداب ترین اور اساسی ترین مفہوم ان ہی "متشابہات" کے ظروف میں پنہاں ہیں اور یہی وہ آیتیں ہیں کہ جو ہر دَور میں ہر انکشاف کے ساتھ اپنے بے شمار بطون میں سے کسی نہ کسی بطن کو ظاہر کرتی ہیں اور افکار و احساسات کے تغیر و تکامل کے ساتھ اسرارِ بیان کی تہ بہ تہ پیچیدہ بافت بھی کھلتی اور روشن ہوتی رہتی ہے۔

ان متشابہ آیتوں سے متعلق پُراسرار صدف کے سینے ہیں، وہ کچھ کہ جسے آئندہ صدیوں کے غوطہ زن افکار کو شکار کر کے نکالنا ہے آج کے اور گزشتہ کے لغزاں افکار اور محدود نگاہوں سے چھپا دیا گیا ہے۔

اور یہ کئی رنگوں کی حامل، سو پہلو والے منشور سے وابستہ متشابہ آیتیں ہی ہیں کہ جنھوں نے ایک طرف قرآن کی گفتگو کو ایک ایسے سادہ پیام کی صورت دی ہے کہ جسے ایک صحرا گرد بدوی بھی آسانی سے سمجھ لیتا ہے اور اپنے آپ کو اس کا مخاطب پاتا ہے اور دوسری طرف ایک متمدن فلسفی اس کے فنی اعجاز اور اس کی معنوی شادابی اور فکری پیچیدگی کی گہرائی سے انگشت بدنداں رہ جاتا ہے اور اس کی متجسس فکر اور اس کا معنی یاب دل کبھی اس کی انتہا کو نہیں پاتا اور اس تک نہیں پہنچ سکتا۔

اور یہی متشابہ آیتیں ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کی دائمی تازگی، اس کی اثر پذیری، جاودانیت اور سبق آموزی کو گزرتے ہوئے وقت میں ـــــ کہ جو ہر چیز کو کہنہ و فرسودہ کر دیتا ہے، مارتا ہے اور نئی تخلیق کو سامنے لاتا ہے ـــــ اس زمین پر ـــــ کہ جو محلِ "کون و فساد" اور "موت و حیات" ہے ـــــ قائم رکھا ہے ـــــ!

میری نظر میں احکام بھی آیات کی طرح محکم اور متشابہ میں تقسیم ہوتے ہیں ——— جہاد، ایک "محکم حکم" ہے اور حج "متشابہ"!

اور جس چیز نے اس "متشابہ حکم" کے فہم کو زیادہ مشکل کر دیا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے بیان کے لیے جس زبان کا انتخاب عمل میں آیا ہے وہ ایک "اشاریہ زبان" ہے جسے آج کی اصطلاح میں "سمبولیک" کہتے ہیں۔

اور جس چیز نے اس کی دشواری کو اور زیادہ بڑھایا ہے وہ یہ ہے کہ یہ "اشاریہ زبان" — "لفظ" — نہیں، — "حرکت" ہے۔

اور وہ بھی صامت حرکت!

"ایک ایسا متشابہ حکم" — کہ جو — "اشاریہ حرکات" سے بیان ہوا ہو!

حج میں صرف "زبان" نہیں کہ جس نے اسے متشابہ کیا ہے بلکہ اس کی معنویت متشابہ ہے۔

مگر کیوں ———؟

اس لیے کہ حج اتنا عام اور سادہ نہیں ہے کہ وہ اپنے اندر کی ہر بات کو ایک نسل اور ایک عصر کے لوگوں کے سامنے اُگل دے اور اپنے باطن کو ایک "فہم" کی ضرورت اور ایک "احساس" کی تقویت کے لیے دسترخوان بنائے اور پھر وہ دوسرے اعصار کے لیے ایک تکراری قاعدہ اور دوسری نسلوں کے لیے صرف ایک عبادی حکم، یکساں طور کا ظاہری ضابطہ، بےکار، بےروح، بےنقش، بےثمر، بےمغز، کہنہ و فرسودہ اور ایک تاریخی چیز بن جائے۔

اور پھر حج نہیں چاہتا کہ وہ ایک عقیدے، ایک دستور، یا ایک "اہمیت" کو اُجاگر کرے۔ حج ایک پورا اسلام ہے۔ اسلام "الفاظ" کے ساتھ "قرآن" اور "انسانوں" کے ساتھ، امام ہے۔

اور حج کے "حرکات" کے ساتھ!

اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ خدا نے جو کچھ بھی آدمی سے کہنا چاہا ہے اسے یکجا طور پر حج میں ڈال دیا ہے ـــــ!

فلسفۂ وجود اور جہاں بینی سے لے کر خلقتِ انسان، سیرِ تاریخ، مراحلِ تکاملِ بشر ـــــ زمین پر اس کی پیدائش کے آغاز سے منزلِ کمال کی آخری چوٹی تک ـــــ اور پھر وہ سب کچھ جسے اس کو سیکھنا ہے، بندگی کے وہ مراحل جن کو اسے طے کرنا ہے تاکہ وہ اس کے الٰہی معراج کی بلندی کو حاصل کرے۔

اور آخر کار نظامِ تکوینِ "نوعِ بشر" ـــــ "مثالی بشری امت" کی تشکیل، تکاملِ "فردِ بشر" ـــــ "دائمی تغیر" کی اساس ـــــ "مستحکم نظام" اور زمانے سے اس کی پوری ہم آہنگی ـــــ "بلندی اجتماع" اور کلی طور پر: خدا جیسی ابدیتِ مطلق اور کمالِ لایتناہی کی سمت ایک گروہ کی اپنے انتخاب اور اپنے ارادے سے حرکت ......

اور پھر ہدایت کا مسئلہ ـــــ

اخلاقی اقدار ـــــ امامت ـــــ امت ـــــ مکتب ـــــ تاریخی "اتصال" ـــــ بشری "اجتماع" ـــــ ثقافتی "اشتراک" ـــــ سیاسی "اتحاد" ـــــ طبقاتی اتحاد ـــــ نسلی اتحاد ـــــ اعتقادی اتحاد ـــــ راستہ ـــــ حرکت ـــــ جہت ـــــ رہبری ـــــ ہدف ـــــ ذمہ داری ـــــ آئیڈیالوجی ـــــ ایثار ـــــ تقویٰ ـــــ بیداری، خود آگاہی ـــــ تشکیل لشکر ـــــ صف آرائی ـــــ آمادگی ـــــ اسلحہ ـــــ اسٹریٹیجی ـــــ جہاد ـــــ شہادت ـــــ عشق ـــــ خون ـــــ کامیابی ـــــ آزادی ..... نیز توحیدی جہاں بینی اور فلسفۂ وجود

سے لے کر لڑائی ـــــ امتیازی سلوک اور بھوک سے جنگ تک ـــــ سبھی کچھ اس میں موجود ہے۔

علاوہ ازیں،

خدا بھی اور روٹی بھی

بندگی بھی اور نجات بھی

اصلاحِ نفس بھی اور امت میں فرد کا الحاق بھی

پھر مخلوقِ خدا کے لیے ایثار

لیکن، اپنی خاطر نہیں

خلقِ خدا کی خاطر بھی نہیں

خدا کی خاطر ـــــ!

ان تمام باتوں کو خدا نے حج میں ڈال دیا ہے!

میں نے حج سے کیا سیکھا ہے؟

لیکن اس سے پہلے اس سوال کا جواب ضروری ہے کہ:

بُنیادی طور پر حج کیا ہے؟

کلّی طور پر دیکھا جائے تو حج اللہ کی سمت، انسان کا جسمانی سفر ہے۔ بنی نوع انسان کے خلقت کے فلسفے کی ایک اشاریاتی تمثیل ہے اور جو کچھ اس فلسفے میں محلِ نظر ہے اس کا عینی تجسّم ہے۔ اور ایک جملے میں، حج تمثیلِ آفرینش ہے اور ساتھ ہی ـــــ "تمثیلِ تاریخ" ـــــ "تمثیلِ توحید" ـــــ تمثیلِ مکتب" اور "تمثیلِ امت" ہے۔ (ایک ایسا اعتقادی اور مثالی معاشرہ کہ جسے اسلام، بنی نوع انسان کے لیے قائم کرنا چاہتا ہے)

اور..... بالآخر، حج انسان کی تخلیق کی اور نیز "مکتبِ اسلام"

کی وہ اشاریاتی تمثیل ہے کہ جس میں، ہدایت کار : خدا ــــ
تمثیل کی زبان : حرکت ــــ
اصلی شخصیتیں : آدمؑ ، ابراہیمؑ ، ہاجرہ ــــ اور ــــ ابلیس۔
مناظر : حرم اور مسجد الحرام کے مقامات، مسعی ، عرفات اور مشعر و منیٰ ،
تماثیل : کعبہ ، صفا ، مروہ ، روز و شب ، طلوع و غروب ، بُت ، قربانی ــــ اور ؛
لباس و حجامت : احرام و حلق و تقصیر ہے۔
اور اداکار ــــ ؟

یہ عجیب تر ہے ــــ

صرف ایک شخص ، تم ــــ ! جو بھی ہو ، مرد ہو کہ عورت ، بوڑھے ہو کہ جوان ، کالے ہو کہ گورے ، جونہی تم نے اس منظر میں شرکت کی ، پہلا کردار تم ہو گے۔ آدمؑ کی شخصیت میں بھی ، ابراہیمؑ کی شخصیت میں بھی ،ـ اور۔ ہاجرہ کی شخصیت میں بھی ــــ یہ سمجھتے ہوئے کہ اللہ کی نقضا د ابلیس ہے! اس لیے کہ یہاں تشخص درمیان میں نہیں ہے۔ یہاں تک کہ جنسیت بھی پیش نظر نہیں ہے۔ فقط ایک "ہیرو" ہے اور وہ انسان !

یہ وہ تھیٹر ہے کہ جس میں ایک شخص تمام کرداروں کو ادا کرتا ہے۔ اور یہی داستان کا "ہیرو" ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ اسٹیج سب کے لیے کھلا ہے۔ ہر سال روئے زمین کے تمام ابراہیمی انسان اس حیرت انگیز تمثیل میں شرکت کے لیے بلائے جاتے ہیں ! دنیا کے جس کونے سے جو کوئی بھی اپنے آپ کو اس "موسم"

میں پہنچائے گا۔ اس اسٹیج پر قدم رکھے گا ـــــ کردار میں پہل اسی کی ہو گی اور وہی اسٹیج کا "ہیرو" ہو گا۔ اور کرداروں کو خود کھیلے گا۔

یہاں تجزیہ نہیں، تشخص نہیں، درجہ بندی نہیں ـــــ! سب ایک ہیں ـــــ اور ـــــ وہ ایک سب،

اسلام، انسان کو اس نظر سے دیکھتا ہے:

"مَنْ قَتَلَ نَفْسًا ...... فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ط

وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ط۔"

کیا ایسا نہیں ہے کہ ایک انسان، "انسان" ہے ـــــ تم اس مذہب میں انسان کی قیمت اور اس کی منزلت کو دیکھو کہ جس پر دشمن یہ تہمت باندھتا ہے کہ یہ انسان کو نظروں سے گراتا اور ذلیل کرتا ہے ـــــ!

یہ جھوٹ ہے۔

اور دوست اسے اپنا آلۂ کار بناتا ہے تا اس سے انسان کو خوار کرے ـــــ! اور یہ سچ ہے!

کیا ہماری تاریخ میں ـــــ کہ جو حق تلفی اور ظلم و زیادتی سے بھرپور ہے ـــــ اسلام سے زیادہ مظلوم شئے اور اسلام میں حج سے زیادہ مظلوم اور کوئی شئے ہے؟ کہ جو ـــــ کعبہ کے فرزند ـــــ علیؑ کی خوبصورت تعبیر میں اس طرح ہے کہ:

"حج کی پوستین کو نیز اُلٹا پہن لیا ہے!"

انسان کا یہ ظالمانہ سلوک ـــــ

انسانیت نہیں،

"حیوانیت ہے ـــــ!"

میں نے حج سے کیا سمجھا ہے ــــــ؟

دامنِ معنی بہت وسیع ہے ، لاتیناہی ــــــ "بے انتہا عظیم۔"

اور ایک فرد ، یہ "بے انتہا چھوٹا فرد۔" اسے کس طرح سمجھ سکتا ہے ــــــ؟

اس میں کس طرح نگاہ دوڑا سکتا ہے ــــــ؟ کس طرح ــــــ؟ کہاں تک ؟

بہرحال میرے عزیز پڑھنے والے ، صورتِ حال یہ ہے۔

اور میرا دعویٰ یہ ــــــ!

اگر تم عملِ حج کو جاننا چاہتے ہو تو مناسکِ حج سے متعلق فقہا کی کتابیں پڑھو۔

اور اگر حج کے مفہوم کو سمجھنا چاہتے ہو تو اسلام کو سمجھو اور اس میں انسان کو پہچانو۔

اور اگر تم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہو کہ میں نے حج کو کس طرح سمجھا ہے؟ تو میری یہ تحریر پڑھو۔

شاید کہ یہ تمھیں حج کو سمجھنے پر یا کم از کم اس کے بارے میں سوچنے پر تھوڑا سا اُبھارے ،

تھوڑا سا ــــــ ،

بس یہی : اس سے زیادہ نہیں ــــــ!

حج

حج

حج : ارادہ ، قصد ، یعنی حرکت اور جہتِ حرکت بھی۔ سب کچھ اپنے آپ سے ، اپنی زندگی سے اور اپنے علائق سے اپنا رشتہ توڑنے کے بعد شروع ہوتا ہے ——!

کیا تم اپنے شہر میں ساکن نہیں ہو ؟ کیا تمھارے سکون کی سکونت نہیں ہے ؟ مگر حج ، نفیِ سکون ہے۔

زندگی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کا ہدف وہ خود ہے۔ یعنی موت ، ایک ایسی موت جو سانس لیتی ہے ، ایک جاندار موت ، مُردہ صفت جینا ، مردہ صفت رہنا۔

حج : رواں ہو ، چل نکل ، بہاؤ میں آ ——!

زندگی ؛ ایک ہی بے کار و بے اثر گھیرے میں گھومنے والی حرکت ، ایک بے ہودہ تکراری ایاب و ذہاب۔

اصلی کام ؟ : بڑھاپے کی طرف قدم بڑھانا۔

واقعی نتیجہ؟: سڑنا، ایک یکساں نوعیت کی ابلہانہ جنبش، غیبت، چغلی اور نمامی کا عذاب، دن، رات کا ایک مقدمہ، رات، دن کا ایک مقدمہ کہ جہاں یہ دو سیاہ و سفید چوہے مسلسل اپنے دلچسپ کھیل میں مگن ہیں اور موت کی سرحد تک عمر کی رسّی کو کاٹ کاٹ کر چھوٹا کر رہے ہیں۔

زندگی؟: ایک تماشا ہے، ایک لاحاصل صبح و شام کا تماشا، ایک بے مزہ اور بے انجام کھیل، تمھارے پاس وقت نہیں ہے، سارا وقت تم نے تکلیفوں، کوششوں اور انتظار میں گزار دیا۔ اب جب تمھیں ہوش آیا اور تم نے اپنا جائزہ لیا تو تمھارے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ سب کچھ لغو، بےہودہ، عبث ——— اور نیہیلیسم (Nihilisisum) تھا۔

اور حج تمھیں اس بے خردانہ جبر، اس غیبت، چغلی اور نمامی کے عذاب سے باہر نکالتا ہے۔ تمھاری بے مقصد دوڑ کو روکتا ہے، تمھارے تردّد کو دُور کرتا ہے اور پیداوار برائے مصرف اور مصرف برائے پیداوار کے گرد گھومنے والی زندگی کو حیاتِ نو بخشتا ہے۔

حج، تمھیں اس زندگی سے باہر نکالتا ہے کہ جو اپنی ذات میں گُم کوّے کی طرح ہے۔ یہ بند دائرہ ایک "انقلابی نیّت" سے کھل کر اُفقی ہو جاتا ہے اور چل پڑتا ہے ایک سیدھی اور مستقیم راہ پر، ابدیت کی طرف، دوسری طرف، "اس کی" طرف ———!

اور یہ ہجرت ہے،

اپنے گھر سے "خانۂ خدا" کی طرف ——— "خانۂ بشر" کی طرف ———!

اور تم کہ جو کوئی بھی ہو"۔ کون ہو؟ ——— انسان ہو، فرزندِ آدمؑ ہو، لیکن تمھیں تاریخ، زندگی اور انسان دشمن اجتماعی نظام نے مسخ کر دیا ہے، تم کو

تم سے پھیر دیا ہے، تمھیں تمھارے فطری جوہر سے الگ کر دیا ہے، تمھیں اجنبی بنا دیا ہے ـــــــ

تم عالمِ ذر میں انسان تھے، خلیفۂ خدا تھے، خدا سے ہم سخن تھے، خدا کے خاص امانت دار تھے، خدائے فطرت تھے، آل اللہ تھے، خدا کی روح تم میں پھُنکی تھی۔ تم اللہ کے خاص دانش آموز تھے۔ تمام "ناموں" کو اللہ نے تمھیں سکھایا تھا[۱]

اللہ نے قلم کے ذریعے تمھیں سکھایا ـــــــ

اللہ نے اپنی صورت پر تمھیں بنایا[۲] اور اپنی تخلیق پر آفرین کہا ـــــــ تم کو بنا کر کھڑا کیا اور تمام فرشتوں کو، دُور اور نزدیک کے تمام ملائکہ کو تمھارے قدموں میں ڈال دیا۔ سب کو تمھارا تابع فرمان بنایا۔ زمین و آسمان کی ہر شئے کو تمھارے توانا ہاتھوں کے سپرد کیا۔ تمھارے قریب آیا، اپنی خاص امانت کو تمھارے کاندھوں پر رکھا۔ تمھارے ساتھ عہد کیا، تمھیں زمین پر اُتارا اور خود تمھاری فطرت میں آبیٹھا اور تمھارا ہم خانہ بن گیا[۳] اور تمھارے انتظار میں بیٹھ گیا کہ تم کیا کرتے ہو؟[۴]

۱؎ علامہ طباطبائی کا عقیدہ ہے کہ خلافت اور اسمار کی تعلیم آدمؑ سے مختص نہیں بلکہ اس کے فرزند بھی اس میں حصّہ دار ہیں۔ (المیزان - جلد ۱)

۲؎ ان اللہ خلق آدم علی صورتہ (پیغمبر اسلام) اسرار الحکم صفحہ ۲۲۵

یا پھر: خلق الآدم علیٰ صورۃ الرحمٰن۔ اور نیز "عہدین" کی ایک آیت بھی اسی مفہوم میں ہے۔ حکیم اسرار نے صورت کو صفت کے معنوں میں تفسیر کیا ہے" صفحہ ۱۱۶"

۳؎ قلب المومن عرش اللہ او عرش الرحمٰن۔" اسرار الحکم صفحہ ۲۲۶" (باقی اگلے صفحہ پر)

اور تم تاریخ کے جادے پر چل پڑے۔

اب تمھارے کاندھوں پر اللہ کی امانت کا بوجھ ، ہاتھوں میں پیمانِ الٰہی ، دل میں وہ نام جنھیں اللہ نے تمھیں سکھایا تھا ، قالبِ وجود میں اللہ رُوح اور ـــــ کل سرمائے میں "عصر" ہے۔

اور تم کر کیا رہے ہو ـــــ؟

دولت سمیٹ رہے ہو ! تم نے اپنی زندگی میں کس چیز کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے ـــــ؟ گھاٹے کو ـــــ نفع میں نہیں ، سرمائے میں گھاٹے کو : "خسران" کو ـــــ!

اور عصر کی قسم انسان ہر آن گھاٹے میں ہے اور اسی کا نام زندگی رکھا ہے ! تم نے اب تک کیا کیا ہے ؟ زندگی کی ہے !

تم نے کیا حاصل کیا ـــــ؟

برسوں کھو کر کیا پایا ـــــ؟

تم کیا بنے ؟ اے خدا کے ہم شبیہ ! اے اس کی امانت کی ذمہ داری اٹھانے والے ، اے اس کے ملائکہ کے مسجود ، اے زمین پر اللہ کے جانشین ! تم

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ؎ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ۔ (سورہ عنکبوت ۳)

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ (سورہ الحدید ۲۵)

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ (کہف ۷)

الَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ (ملک ۲)

نے اپنی زندگی کا خلاصہ کس چیز کو بنایا ــــــ ؟

پیسے کو ، شہوت کو ، پیٹ کو ، جھوٹ کو ، درندگی کو !

تم بودے اور اندر سے کھوکھلے ہو ــــــ ! سر سے پیر تک غلیظ اور سڑے کیچڑ میں لدے ہو اور بس !

کیونکہ آغاز میں تم ایک مُردار جسم تھے ، کیچڑ تھے ، "حمأ مسنون" تھے ۔ ایک بدبودار اور سڑی ہوئی غلیظ مٹی تھے ــــــ ! خداوندِ عالم نے اس "تم" میں اپنی رُوح پھونکی !

کہاں ہے وہ رُوح ــــــ ؟ کہاں ہے وہ حیات بخش روح ، جانِ خداوند ــــــ !

اے کیچڑ خور کیڑے ! اپنی ہستی کے اس دلدل سے باہر آ اور اپنے آپ کو اپنے وجود کے اس سڑے کیچڑ سے ساحل پر پھینک دے ۔

اے غلیظ سڑے بدن ، اے جنازہ لجن ! (بدبودار کیچڑ) اس "شہر و باغ و آبادی" سے کہ جو فضیحت و رسوائی و ذلت سے ہم آغوش ہے ۔ جزیرہ نمائے عرب کے صحرائے آفتاب کی طرف نکل ــــــ اس خشک تپتے ہوئے ریگستانی صحرا کی طرف کہ جس کے آسمان سے وحی برستی ہے ــــــ اور اپنا رُخ اللہ کی طرف کر ــــــ

اے خشک زرد اور کھوکھلے نرسل !

گریہ وزاری کر ، اپنی غربت پر ، اپنی جلاوطنی پر ــــــ اپنی بے گانگی پر ۔ اے دشمنوں اور غیروں کے جوشِ وجذبے کے آلۂ کار ، اے دوسروں کے لبوں پر بکھرنے والے ترانۂ ساز ــــــ

اپنے نیستان کا قصد کر !

موسم

اب وقت آگیا ہے ، دیدار کی گھڑی آپہنچی ہے
یہ ذی الحجہ ہے ـــــ حج کا مہینہ ، حرمت کا مہینہ ، تلواروں نے دم سادھ لیا ہے۔ جنگجو انسان کی صدائے یلغار ، صف شکن لوگوں کے نعرے، صحرا میں جنگی کارروائیاں۔ سب پر خاموشی چھائی ہے۔
جنگ ، عداوت ، دشمنی اور خوف نے زمین کو ـــــ امن و امان، عبادت اور صلح کی مہلت دی ہے ـــــ خلق کا خدا سے وعدۂ دیدار ہے ـــ "موسم" میں اُترنے کی ضرورت ہے ، خدا کی سمت ، خلق کے ساتھ جانا ہے۔
کیا تم ابراہیمؑ کی آواز کو زمین کی پشت پر نہیں سُن رہے ہو ؟
" وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۔" [۱]

---

[۱] لوگوں میں اعلانِ حج کرو اور حج کی آواز بلند کرو، پیدل ، اس لاغر اونٹ کی پشت پر جو تمھیں لینے آئے گا۔ دور و دراز کے عمیق صحراؤں سے تمھاری سمت رواں ہوگا ، تمھارا قصد کرے گا (تم دیکھو گے کہ حج کا منظر ـــ اس انداز کے برخلاف کہ جو آج عمل میں آرہا ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں ـــــ عوامی ہے ، رئیسانہ نہیں ! اس دعوت پر لبیک کہنے والے پہلے درجے میں پیدل آنے والے لوگ ہیں اور دوسرے درجے میں، سوار ، لیکن نہ وہ اسوار کہ جو رئیسانہ زرین افسار کے حامل ، بڑے تن و توش والے تُند رو جنگی اونٹوں والے ہیں۔ بلکہ وہ زائر کہ جن کے مرکبوں کی کمزوری اور لاغری راکبوں کے طبقے کا پتہ دیتی ہے !) کیا یہ بات ظاہر نہیں کرتی کہ آج کل جو سمجھا جا رہا ہے اس کے برخلاف حج سرمایہ دارانہ چہرے کا حامل نہیں ، یہ پیسے والوں کی مذہبی ملکیت نہیں۔ اور استطاعت ایک طبقاتی اور اقتصادی (باقی اگلے صفحہ پر)

اور تم اے بدبودار سڑی ہوئی مٹی!

روحِ خدا کو تلاش کرو ـــــــ واپس پلٹو اور اس سے اس کا پتہ لو اپنے گھر سے اس کے گھر کا عزم کرو۔ وہ اپنے گھر میں تمھارا منتظر ہے۔ وہ تمھیں بلند آواز سے پکار رہا ہے۔ تم اس کی دعوت پر لبیک کہو!

اور تم ـــــــ کہ جو کچھ نہیں ہو، صرف اس کا عزم کر کے اپنے اندر، دائمی حرکت و تغیر پیدا کرو اور یہی اس کا موسم اور یہی اس کا وقت ہے۔ اپنی گھٹی ہوئی حقیر، باعثِ ننگ اور پست زندگی ـــــــ دنیا ـــــــ سے، اپنی فردیت کے تنگ و بستہ حصار ـــــــ نفس ـــــــ سے اپنے آپ کو نجات دو، اس کا عزم کرو، انسان کی ابدی ہجرت کی طرف دوڑو اور لامتناہیت سے رشتہ جوڑنے کے لیے اللہ کی سمت حج کرو ـــــــ!

(بقیہ صفحۂ گزشتہ) مسئلہ نہیں بلکہ منطقی اور عام ہے۔ حج کے لیے اس رئیسانہ چہرے کو صرف ایران نے پیش کیا ہے وگرنہ قرآن نے ہمیشہ حج، حج کرنے والے اور خانہ کعبہ کے سلسلے میں اس لہجہ سے گفتگو کی ہے کہ جو اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ حج نہ صرف یہ کہ طبقاتی نہیں بلکہ مکمل طور پر عوامی ہے۔ حتیٰ کہ طبقاتیت کی نقیض اور علی الخصوص ثروت مندانہ بزرگی کے خلاف ہے، یہاں تک کہ "وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ....." کی آیت میں ان لوگوں کے طبقے کو بھی بتایا ہے کہ جو اس دعوت کے جواب میں حج پر آئیں گے۔ اور پھر دیگر اسلامی ممالک کے حجاج کے چہروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ حج پر آنے کو ایک عام مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں اور اس فریضے کو مادی عزت و وقار کا سبب نہیں گردانتے۔ بلکہ استطاعت کو حج پر آنے کے لیے مادی تمکن سمجھتے ہیں۔ ہماری قدیم ادبیات میں بھی حاجی، آج کی طرح معتبر دنیائی چہرے کا نہیں بلکہ ایک پرکشش دینی وجاہت کا مدعی ہوتا تھا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ "دولت مند" اور حاجی کی ان دو صفتوں کا ترادف پھر اسی (باقی اگلے صفحہ پر)

یہ سفر، قرضوں کی ادائیگی، دل کے غبار اور کدورتوں کی دُوری ناراضگیوں کی برطرفی، حسابوں کی بے باقی، سب سے معافی تلافی، اپنی جمع پونجی، اپنی دولت، اپنے رابطوں اور اپنی زندگی کے حالات اور ماحول کی درستی سے شروع ہوتا ہے ——

یعنی یہاں تم مرجاتے ہو اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم ایک ایسے سفر پر جارہے ہو جس کی بازگشت نہیں۔ یہ زندگی کے آخری لمحوں کی وداع اور آدمی کی سرنوشت کے لیے ایک اشاریہ ہے۔ ایک تمثیل ہے ہر چیز سے کٹ کر ابدیت سے رشتہ جوڑنے کے لیے، لہٰذا اس میں "وصیت" بھی آتی ہے ——

یعنی کہ مَوت —— مَوت کی مشق، وہ مَوت کہ جو ایک دن

(بقیہ صفحہ گزشتہ) مسخ شدہ صفوی تشیع کا شاہکار ہے۔ چونکہ اسی تشیّع میں ایسا ہوا کہ "مشہدی" اور "کربلائی" جیسے القاب کو "حاجی" کے مقابل وضع کیا گیا اور امام رضا علیہ السلام کی ضریح کے طواف کو کعبہ کے طواف سے ہزاروں اور لاکھوں گنا برتر جانا گیا۔ ؎

یک طواف مرقد سلطان علی موسی الرضا
ہفت ہزار و ہفت صد و ہفتاد حج اکبر است

(قبر کے لیے طواف کی اصطلاح کا استعمال بھی بڑا معنی خیز ہے اور اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ کس طرح روح و رفتار و ثقافت و زبانِ توحید کو امامت کے نام پر درہم برہم کیا گیا ہے تاکہ طبقاتی اور سیاسی شرک کی راہ کھل جائے) بلکہ ان دونوں طوافوں کے طبقاتی ہونے کی تلقین بھی کی گئی ہے کہ:

اغنیا مکہ روند و فقرا پیش تو آیند
جان بقربانِ تو آقا کہ تو حج فقرائی

جبر سے تمھارا انتخاب کرے گی۔

اس سمے تم حج کرو، ابدیت کا عزم کرو۔ خدا سے ملاقات کرو روزِ حساب کا تدارک کرو۔

وہاں پہنچ کر تو عمل سے تمھارا رشتہ کٹ جائے گا۔ وہاں کا محکمہ تمھارے گوشت، تمھاری آنکھوں اور تمھارے قلب سے بازپُرس کرے گا اور ہر ایک کو معرضِ سوال میں قرار دے گا!

" اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا۔"

تم، یہ جسم، تمھارا بدن سب معرضِ سوال میں ہوں گے۔ یہ سب مسئول ہیں۔ ان سب سے پوچھا جائے گا۔ اور تم اپنے بے پناہ ترحم ناپذیر اعمال کے ہجوم تلے ایک عاجز بھینٹ بنے کھڑے ہو گے۔

پس اب جبکہ تم "دارِ عمل" میں ہو۔ اپنے آپ کو "دارِ حساب" کی طرف رحلت کے لیے تیار کرو ـــــــ مرنے کی مشق کرو۔ موت آنے سے پہلے مر جاؤ ـــــــ! موت کو، اس وقت موت کی علامت کے طور پر انتخاب کرو، مرنے کی نیّت کرو ـــــــ مرنے کا قصد کرو۔

حج کرو ـــــــ!

حج علامت ہے اس رجعت کی جو اس کی سمت عمل میں آنے والی ہے۔ اس کی سمت کہ جو ابدیت مطلق ہے، جو لامتناہی ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں، کوئی حد نہیں، "تک" نہیں۔

"اس کی طرف" بازگشت یعنی کمالِ مطلق، خیرِ مطلق، حُسنِ مطلق، قدرت، علم، اور منزلت وحقیقتِ مطلق کی طرف حرکت۔ یعنی حرکت بجانبِ مطلق،

حرکتِ مطلق بجانب کمالِ مطلق، یعنی ایک ابدی حرکت۔ یعنی تم ایک ابدی زندہ رہنے والی اکائی، ایک لامتناہی حرکت بن جاؤ کہ جس کی "سرمنزل" خدا نہیں تمھارا مقصد ہے۔ وہ مقصد جو ہمیشہ مقصد رہتا ہے۔ خدا تمھاری راہِ سفر کا آخری نقطہ نہیں ہے۔ تمھارا سفر، تمھاری ابدی ہجرت، ایک ایسی راہ پر اور ایک ایسے صراط پر ہے کہ جس کا کوئی نقطۂ آخر نہیں ہے ______

یہ وہ راستہ ہے کہ جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ جو ذھابِ مطلق ہے۔ اس دائمی ہجرت اور ابدی حرکت میں جو تم اپنی اور دنیا کی ہستی کے بیچ کر رہے ہو۔ خداوندِ عالم "منزل" کی نہیں "جہت" کی نشاندہی کرنے والا ہے۔

اسلام، تصوف نہیں: ___ "خدا میں" مرنا اور ___ "خدا میں" جینا نہیں ______

اسلام ! : "اللہ کی سمت" جانا ہے۔

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ" ___ "اَلَآ اِلَی اللّٰہِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ"۔

"فنا" نہیں، ____ "حرکت"،

"فیہ" نہیں، ____ "الیہ" !

خدا تم سے دُور نہیں کہ تم اس تک پہنچو ______

کس سے ____ ؟ تم سے ____ !

اور ہر اس چیز سے دُور تر ہے جس تک پہنچا جا سکے۔

یعنی کیا ___ ؟ یعنی جو بھی ہو، اور جہاں بھی ہو ____ !

"موسم" نے انگڑائی لی ہے، وقت آگیا ہے، وعدۂ دیدار قریب ہے۔ میعاد جاؤ، میقات جاؤ! اے اللہ کے طلب کردہ مہمان! یہ دیدار کی گھڑی ہے! موسمِ حج ہے، میقات ہے۔

اے متعفن مٹی سے بنے ہوئے انسان!

اللہ سے ملاقات کرو ـــــ!

اے "آل اللہ" اے مسجودِ ملائکہ، اے انسان، اے انیسِ خدا، اے اللہ کی عظیم تنہائی کے جلیس[1]!

تاریخ نے تمھیں مسخ کر دیا ہے، زندگی نے تمھیں ایک جانور کی صورت دی ہے۔ اے وہ کہ جس نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ صرف اس کا پرستار ہوگا اور ہر اس سے منہ پھیرے گا جو اس کا غیر ہوگا۔ آج تُو طاغوتی کا پرستار ہے بندۂ بُت ہے "جس کو تو نے خود تراشا ہے۔"

تُو زمین کے خداؤں کا پجاری ہے، عَالَم کے خدا، ناس کے خدا اور اپنے خدا کا پرستار نہیں، اے ظلوم! اے جہول! اے سودائے عمر کے "زیاں کار" ـــــ اے جور و جہل و خسرانِ بندگی اور ذلّت و احتیاج کے مارے انسان، اے خوف اور لالچ کے اسیر!

اے وہ کہ جس کو زندگی، معاشرے اور تاریخ نے "بھیڑیا" بنایا ہے یا پھر "لومڑی" ـــــ "چوہا" ـ یا ـ "بھیڑ"

"موسم" آگیا ہے، حج کرو! میقات جاؤ، انسان کے عظیم دوست کے ساتھ تمھارا وعدۂ دیدار ہے، اس کے ساتھ کہ جس نے تمھیں انسان خلق کیا۔

طاقت کی چھاپ والے محلوں سے، گنجینہ ہائے ثروت سے، ضرار و ذلّت کی عبادت گاہوں سے اور ان چوپایوں کے ریوڑ سے فرار اختیار کرو کہ جن کا چرواہا بھیڑیا ہے اور اللہ کے گھر اور افرادِ بشر کے گھر کے طواف کو نکلو، حج کرو۔

---

[1] فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ (سورہ قمر کی آخری آیت)

احرامِ درمیقات[1]

تمثیلی نظارہ کی پشت پر لمحۂ آغاز تمثیل، اور تم کو کہ جس نے خدا کا قصد کیا ہے اور اس سمے میقات میں آئے ہو، چاہئیے کہ اپنا لباس تبدیل کرو ——— !

لباس ! جس نے تمھارے آدمی ہونے کی حقیقت کو اپنے اندر چھپا لیا ہے، کیونکہ لباس، آدمی کو پہنتا ہے اور یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے کہ آدمی لباس کو پہنتا ہے ——— !

آدمی کا آدمی ہونا چھپ جاتا ہے۔

وہ بھیڑیے، بھیڑ، چوہے اور لومڑی کے لباس میں اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔

لباس ایک فریب ہے، ایک کُفر ہے ——— کفر حقیقت کو چھپانا ہے ——— ؛

لباس کا لفظ اپنے اندر ایک پُرمعنی مفہوم بھی رکھتا ہے کہ جسے بابِ " افتعال " میں سمجھا جا سکتا ہے :

التباس، یعنی اشتباہ ! دھوکہ کھانا !

لباس علامت ہے، حجاب ہے، نمود ہے، اشاریہ ہے، درجہ ہے، عنوان ہے، امتیاز ہے۔ اس کا رنگ، اس کا ڈھنگ، اس کی جنس،

---

[1] اہلِ مدینہ کی میقات ——— کہ جہاں سے خود رسولِ خدا نے حج کیا ہے۔ ذوالحلیفہ ہے کہ جو مدینے کے جنوب میں ۱۲ کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے " آبارِ علیؑ " کے قریب۔ جہاں بلند مرتبوں والے علیؑ نے خود اپنے ہاتھ سے پانی کے کنوئیں کھودے ہیں۔

اس کی ہر شئے یعنی : ـــــــ "مَیں" !

اور "مَیں" یعنی : ـــ "تم" نہیں ـــ "آپ" نہیں ـــ

"ہم" نہیں ! ـــــ یعنی تشخص ۔

اور بنابرایں "امتیاز" یعنی "سرحد" اور پھر اس بنیاد پر "تفرقہ"

اور کہ یہ "مَیں"، نسل ہے، قوم ہے، طبقہ ہے، گروہ ہے ـــ

خاندان ہے، درجہ ہے، وضعیت ہے، اہمیت ہے، فرد ہے ـــ مگر

"انسان" نہیں ۔

سرحدیں ملکِ انسان میں بہت ہیں۔ بنی قابیل کی سہ رخی تاریخ کے جلادوں کی تلواریں، بنی آدم کی جان کو آگئی ہیں اور انھوں نے توحیدِ بشری کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں، مالک ـــ نوکر، حاکم ـــ محکوم، سیر ـــ بھوکا، غنی ـــ فقیر، آقا ـــ غلام، ظالم ـــ مظلوم، استعمارگر ـــ استعمار شدہ، استحصال گر ـــ استحصال شدہ، زورمند ـــ ضعیف، زرمند ـــ کارمند، فریب کار ـــ فریب خوردہ، شریف ـــ رذیل، روحانی ـــ جسمانی، خواص ـــ عوام، مالک ـــ مملوک، حاکم ـــ مزدور، سعید ـــ شقی، سفید ـــ سیاہ، شرقی ـــ غربی، متمدن ـــ پسماندہ، ـــــ عرب ـــ عجم ......

انسانیت، نسلوں میں، نسلیں، قوموں میں، قومیں طبقوں میں، اور طبقے، قبیلوں، گروہوں اور خاندانوں میں تقسیم ہو گئے اور ان میں پھر مراتب، درجے، حیثیت اور القاب کے اعتبار سے ٹکڑیاں بنیں اور آخر میں ریزہ ریزہ ہو کر ایک "فرد"، ـــــ ایک "مَیں" ہو گئے۔

اور کہ اس پر یہ غرور، یہ لباس، یہ دکھاوے!

انھیں میقات میں اپنے سے دور کر دو ،
کفن پہنو ؛
تمام رنگوں کو دھو دو ——
سفید پہنو —— اُجلے بن جاؤ ، وہی رنگ اختیار کرو جو سب
کا ہے —— سب بن جاؤ۔

اس سانپ کی طرح جو اپنا چھلکا اتار لیتا ہے۔ تم بھی اپنی "مِنیّت" سے ، اپنے " مَیں " ہونے سے باہر آؤ —— لوگ بن جاؤ ، ذرّہ بن جاؤ ، ذرّوں میں مل جاؤ ۔ دریا میں قطرے کی طرح گُم ہو جاؤ۔

شخصیت بن کر نہیں ؛
خس بن کر میقات میں آؤ ——

وہ وجود بنو کہ جو عدم کا احساس کرتا ہے یا پھر وہ عدم بنو جو اپنے وجود کا احساس کرتا ہے۔

" مر جاؤ قبل ازیں کہ موت آئے ۔"[1]
زندگی کے لباس کو اُتار پھینکو ،
موت کا لباس زیب تن کرو ،
یہاں میقات ہے۔

تم جو کوئی بھی ہو —— اپنی شان و شوکت ، اپنی شخصیت اور ان تمام رنگوں اور صورتوں کو ، جنھوں نے تمھارے دستِ زندگی کو تمھارے بدن سے باندھ دیا ہے —— اور تمھیں :

---

[1] "موتوا قبل ان تموتوا ۔" (حدیث)

بھیڑیا ـــــــــــ

لومڑی ـــــــــــ

چوہا ـــــــــــ

یا پھر بھیڑ بنا دیا ہے ۔ ان سب کو میقات میں اپنے سے دُور

کر دو ـــــــــــ !

انسان بنو ـــــــــــ

اس طرح جس طرح کہ تم آغاز میں تھے ؛

ایک مکمّل :

آدم ـــــــــــ !

اور جس طرح کہ تم انجام میں ہو گے ؛

ایک مکمّل : موت ـــــــــــ !

ایک لباس پہنو ، دو ٹکڑوں میں : ایک ٹکڑا کاندھوں پر اور دوسرا کمر پر ۔ اَن سِلا ، سفید ، یک رنگ ، بلا ڈیزائن ، بلا رنگ ، بلا کسی علامت کے ، بلا کسی تشخص کے کہ جو اس بات کی نشاندہی کرے کہ یہ "تم" ہو اور بلا اس علامت کے کہ جو اس بات کو ظاہر کرے کہ تم "اور" نہیں ہو ۔

ایک ایسا لباس پہنو کہ جو سب کا پہناوا ہے ۔ جو میقات میں تمھیں سب کے لباسوں سے ہم آہنگ کرتا ہے اور سب کی پہچان مٹ جاتی ہے ۔

جو لباس تم نے اللہ کی سمت اپنے آغازِ سفر میں پہنا تھا اب خانۂ خدا کی طرف اپنے آغازِ سفر میں پہنو ۔

یہاں میقات ہے ،

زمین کے مختلف حصّوں سے خانۂ خدا کا قصد کرنے والے کاروانوں کی

راہ پر معیّن شُدہ نقطوں کا نام میقات ہے۔

عجیب ہے ——! اسمِ زماں، بر مکاں ——!

یعنی کیا ——؟ مکاں نیز حرکت ——؟

یعنی کہ ہر چیز گویا زماں ——؟

یعنی کہ مکاں بھی زماں ——؟

یعنی کہ سکون کہیں نہیں ——؟

کیا ایسا نہیں ہے کہ انسان بھی ایک رہنے والی شئے نہیں، "روانہ" ہونے والی شئے ہے، اللہ کی سمت روانہ ہونے والی۔

"والی اللہ المصیر"

تعجّب ہے! حرکت، کمال، موت وحیات، حیات وموت، تضاد، تغیّر، جہت ہر شئے کو فنا ہونا ہے

"کل شئ ھالك الا وجھہ"

ہر شئے فنا ہونے والی ہے مگر وہ کہ جس کا رخ اس کی طرف ہے۔

اور خدا وجودِ مطلق، کمالِ مطلق، خلودِ مطلق —— اور مطلقِ مطلق بھی ہے!

"کل یوم ھو فی شأن"

ہر رُوز وہ ایک نئے عمل میں ہے۔

اور حج: حرکت، مقصدیت کا عزم کرنا۔

اللہ کی سمت انسان کے رجعت کی علامت۔

اپنی تمام "منیت" (میں ہونے کو) کو ذوالحلیفہ میں گاڑ دو۔ خود کو اس میں دفن کردو۔ اپنی موت کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرو۔ اپنی قبر

کے زائر بنو، اپنی حیات کی فیصلہ کن تقدیر کو خود اپنے ہاتھوں سے معرضِ وجود میں لاؤ۔ میقات میں مر جاؤ اور میقات و میعاد کے درمیانی صحرا میں مبعوث ہو کہ یہ صحرائے محشر ہے، اُفق سے اُفق تک کفن پوش ہی کفن پوش، لوگوں کا ایک "سفید" موجیں مارتا ہوا سیلاب! سب رنگت میں ایک، سب کا ایک ہی انداز، کوئی کسی کو نہیں پہچانتا اور اس بنا پر ہر کوئی اپنے آپ سے بیگانہ ہے۔ "میں" میقات میں مر چکا ہے اور اب یہ ارواح ہیں جو اٹھائے گئے ہیں نہ کسی کا نام نہ نسب، نہ خاندان نہ نسل، نہ ذات نہ طبقہ، ان بے نام و نشان لوگوں نے جسد پکڑا ہے۔

ایک بھیڑ ہے، ایک محشر ہے، وحدتِ الٰہی کا ایک انسانی تجسّم ہے قیامت ہے، ہر طرف ہراس و حیرت و شوق و ولولہ و جذب و اشتیاق کا عالم ہے۔ ہر کوئی ایک طاقت ور مقناطیسی کشش کے دائرۂ عمل میں ذرۂ بے مقدار بنا ہوا ہے۔

خدا قبلہ میں ہے، سب کچھ ہیچ ہے اور بس ایک انسان ہے کہ جس کی کوئی شناخت ہے۔ تمام جہتیں ہیچ ہو گئی ہیں اور بس ایک جہت اس کی ہے۔ تمام قوموں، تمام گروہوں، ساری بشریت اور صحرا میں تنہا ایک "قبیلہ" کی بشریت کا اپنے حیات اور اپنے وجود میں ایک "قبلہ" ہے۔

اپنا لباس تن سے اُتار پھینکو۔ ان تمام علامتوں کو اپنے سے دور کر دو کہ جو تمھاری نشاندہی کرتی ہیں اور خلقت کے محشر میں گم ہو جاؤ، جو کچھ بھی زندگی نے تم سے وابستہ کر رکھا ہے اور تمھاری نشاندہی کرتا ہے، اور تمھارے نظام کو اجاگر کرتا ہے ان سب کو خلقت کے غوغائے قیامت میں بھلا دو۔ سب کو اپنے اوپر حرام کرو۔

احرام پہنو ـــــــ!

احـــرام ؟ "حرام کرلینا" ، مصدر ہے اور یہاں اسم ، وہ بھی ایک طرح کے لباس کا نام۔

تمام "میں" میقات میں مرجاتے ہیں اور سب "ہم" ہو جاتے ہیں ـــــــ! ہر کوئی اپنی کینچلی بدل کر "انسان" ہو جاتا ہے۔

اور تم بھی اپنی انفرادیت اور شخصیت کو دفن کر کے "لوگ" بن جاتے ہو ، "اُمّت" بن جاتے ہو تاکہ جب تم منیٰ سے باہر آؤ تو اپنی نفی کرو "ہم" میں حلول کرو۔ ہر کوئی ایک معاشرہ ہو جاتا ہے۔ فرد خود ایک "اُمّت" بن جاتا ہے ، جس طرح کہ ابراہیمؑ ایک امت بن گئے تھے[1] اب تم جا رہے ہو تاکہ "ابراہیم" بنو۔

سب آپس میں ایک ہو جاتے ہیں۔ ایک سب ہو جاتا ہے اور سب ایک ، اور معاشرۂ شرک ، توحید سے ہمکنار ہوتا ہے اور اُمّت بن جاتا ہے۔ اُمّت ایک ایسا معاشرہ ہے جو حالتِ راہ میں ہے۔ ام یعنی عزم ، قصد ، کسی مقصد کی سمت حرکت ، ایک قبلے کی طرف عزیمت ، اجتماعی صورت میں۔

"رہنے" کے لیے نہیں ـــــــ "آگے بڑھنے کے لیے" ـــــــ سعادت کے لیے نہیں ، کمال تک پہنچنے کے لیے۔ راحت نہیں ، حرکت۔

اور نتیجتاً : "ریاست" نہیں ، "رہبری" اور پھر "حکومت" نہیں ، "امامت" !

---

[1] اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ (نحل-۱۲۰)

اور اب تم اور تم جیسے بے شمار لوگ ، ... مجھ جیسے اور لوگ ،

میں کیا کہہ رہا ہوں ؟ دیگر خارج از طلب (ہیچ و پوچ) لوگ ، چارسوئے عالم سے اپنے جیسوں سے رُخ موڑے ، اللہ سے رشتہ جوڑے ، سڑیل مٹی کی طرف پُشت کیے ، رُوحِ خدا کو مرکزِ نگاہ بنائے ، دنیا کے دور و دراز کے علاقوں سے توجہ موڑے ، آخرت کا قصد کیے ، نسبتوں اور مصلحتوں کو پسِ پشت ڈالے ، مطلقوں اور حقیقتوں کو گلے لگائے ، جہل و جور سے منہ موڑے ، آگاہی و عدل کی سمت قدم بڑھائے اور انجامِ کارِ شرک کو اپنے پیچھے چھوڑے ، توحید کی طرف قدم بڑھائے میقات پہنچ گئے ہیں ، احرام کا جامہ پہن لیا ہے۔

اب ایک دوسرے کو پہچاننے میں دھوکہ ہو رہا ہے ، ایک محشر ہے ، ایک قیامت ہے ! ہر کوئی دوست کے دھوکے میں کسی اجنبی کو اور رشتہ دار کے عوض کسی انجانے کو مخاطب کر رہا ہے ۔ ہر کوئی دوسرے کے جوتے میں پاؤں دھر رہا ہے اور ہر احرام پوش تمھارا احرامی ہو سکتا ہے۔

یہ سب لوگ کہ جنھوں نے برسوں سے اپنے انسان ہونے کو بھلا دیا تھا اور ایک جناتی طاقت بن گئے تھے ۔ زور میں یا زر میں یا کرسی میں یا نام میں ، یا خاک میں ، یا خون میں ...... اور اپنی ان بظاہر عظمتوں کو اپنا وجود اور اپنی ہستی سمجھتے تھے اور اپنے مناصب اور اپنے القاب کو اپنی شناخت جانتے تھے ، اب وہ سب جیسے ہو گئے ہیں ، بس ایک اِنسان کی صورت میں ،

سب ایک ——— انسان اور کچھ نہیں ۔

سب ایک صفت کے حامل :

حاجی ——— !

قصد کنندہ ——— اور بس ۔

نیّت

اب آستانۂ ورودی میں، آغاز پیشِ نظر ہے۔ سب سے پہلے تمھیں چاہیئے کہ نیت کرو۔

نیت ــــــ؟

اس بنیاد سے کتنے مفہوم نکلتے ہیں؟

کسی چیز کا قصد کرنا ــــــ کہیں جانے کا عزم کرنا "نواک اللّٰہ" خدا تمھارا ہمسفر ہو اور نگہبان ــــــ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ــــــ ایک حالت سے دوسری حالت میں آنا۔ مسافر: دوریوں تک جانا ــــــ ناقہ: پرورده ہونا ــــــ نیاز: پورا کرنا ــــــ کھجور یا خرما: گُٹھلی پکڑنا (قابلِ غور!) منزل: ٹھہرنا ــــــ دوری: وہ جہت کہ جو مسافر کے سامنے ہے۔

نیت: قصد، عزمِ قلب، قلب کا وہ میلان کہ جو اسے اس کے ارادے سے ہم آہنگ کرے، نیاز، امر،

جہاز راں: وہ کہ جو اپنے آپ کو تبدیلی کے لیے آمادہ کرے، جو ایک قوم اور ایک اجتماع کی سرنوشت کے عقیدے کو تھامے رہے......!

اس وقت تم میقات میں ہو، ایک بڑی تبدیلی لانے والی سرحد پر، ایک انقلابی تغیّر و تحول والی حدِ فاصل پر، ایک "انتقال"! اپنے گھر سے عامۃ الناس کے گھر کی طرف، زندگی کی آسودگی سے، عشق کی طرف، خود سے خدا کی طرف، غلامی سے آزادی کی طرف، نفاق، رنگ و ریا، درجہ و نشان اور نسل و طبقہ وغیرہ سے، صدق و صمیمیت کی طرف، پہناوے سے عریانی کی طرف، ہر دن کی

موت سے ابدی حیات تک ، خود پرستی ، لاابالی پن اور بے باکی کے لباس سے ایثار و وفاشعاری و "احرام" کی ردا کی طرف !

نیّت کرو اس کھجور کی طرح جو گٹھلی پکڑتی ہے ـــــ اے پولے' اے پھوک ! اس خود آگاہی کے بیج کو اپنے ضمیر میں دابو، اپنے درونِ خالی کو اس سے پُر کرو، خود پرور نہ بنو دانہ پرور بنو ! اپنی ہستی کو اپنے ایمان کی گٹھلی کے گرد بکلّی بناؤ، ہستی بنو، ہست ہو جاؤ، سرتاپا حباب نہ بنو، اپنے تاریک دل میں شعلہ کو فروزاں کرو، چمکو، اپنے درون کو روشن کرو اتنا کہ وہ لبریز ہو جائے اور پھر تم جگمگاؤ اور تمھارے پرتوِ ذات کی کرنیں تمھیں بے خود کر دیں اور تم آپے میں آؤ۔

اے سرتاپا "جہل" اور غفلتِ مدام ! خداشناس بنو خلق شناس بنو، خود شناس بنو۔

اے وہ کہ جو ہمیشہ آلۂ کار رہے ہو، اے وہ کہ جس کے ساتھ ہمیشہ لاچاری رہی ہے اور کام تمھیں انتخاب کرتا رہا ہے، تم کام کرتے رہے ہو مگر بطریقِ عادت، بطریقِ رسم، بحالتِ جبر..... اب تم آزادانہ طور، علم و ادراک اور خود آگاہی کے ساتھ نیت کرو اور انتخاب کرو :

ایک نئے راستے کو
ایک نئی سمت کو
ایک نئے کام کو
ایک نئی زندگی کو
اور .... ایک نئے خود کو !

نماز در میقات

میقات میں ، نیت کر کے حج کا آغاز کرو گے ، یعنی جس کا تم نے آغاز کیا ہے اس کا تمھیں احساس بھی ہے۔ اس نظامت اور بندوبست سے تم اس بات کو سمجھو گے کہ تم کیا کر رہے ہو اور کیوں کر رہے ہو۔ تم اپنا لباس اپنے تن سے اُتارتے ہو ، اپنے آپ کو جھاڑتے ہو ، عریانی اختیار کرتے ہو ، احرام پہنتے ہو اور پھر نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہو ، نمازِ احرام۔ اپنی ہستی کو نئے لباس میں اللہ کے حضور پیش کرتے ہو ، گویا کہ :

اس وقت میں اے خدا ! نہ بردہ نمرود ، نہ بندۂ طاغوت ، بلکہ صورتِ ابراہیمؑ میں ، نہ زور آور بھیڑیے ، نہ فریب کار لومڑی ، نہ سکہ پرست چوہے اور نہ ذلت و تسلیم والے بھیڑ کے جامہ میں بلکہ صورتِ انسان میں ، اس جامہ میں کہ جس میں کل مجھے بسترِ خاک سے تیرے دیدار کے لیے اُٹھنا ہے پیش ہو رہا ہوں۔

یعنی میں اپنی سرنوشت سے آگاہ ہوں کہ سب کچھ رکھتے ہوئے ہیچ ہوں۔ اب میں اطاعت پر تیری بندگی میں آگیا ہوں اور تیرے ماسویٰ سے آزاد ہو گیا ہوں اور ہر بُرائی سے میں نے کنارہ کر لیا ہے۔ یعنی میں نے اپنی زندگی کی اختتامی سرنوشت کے بارے میں یہاں تک آگاہی حاصل کر لی ہے۔ تقدیر نے انسان کے لیے جو کچھ لکھا ہے میں خود اب اس کو اپنے لیے انتخاب کر رہا ہوں اور اس کی مشق کر رہا ہے۔

اور تعجب خیز بات یہ ہے کہ احرام کے سفید کفن میں آستانۂ میعاد پر منزلِ میقات میں نماز کچھ اور مفہوم رکھتی ہے ! گویا ہم نئی بات سُن

رہے ہیں؟ ایک فریضے کی تکرار نہیں ہے۔ ہم "اس" سے بات کر رہے ہیں، اپنے اوپر اس کی حضوری کے وزن کو محسوس کر رہے ہیں۔

اے وہ رحمٰن! کہ جو اپنے دوست کو نوازتا ہے!
اے وہ رحیم کہ جس کا آفتابِ رحمت ہمارے کفر و ایمان، اہلیت و نااہلیت، پاکی و ناپاکی حتیٰ کہ دوستی اور دشمنی کی سرحدوں تک سے گزرتا ہے۔ بے شک میں تیرے سوا کسی کی تحمید نہیں کرتا اس لیے کہ حمد صرف اور صرف تیرے ہی لیے سزاوار ہے۔ میں تیرے سوا کسی کو اپنا آقا قرار نہیں دوں گا اس لیے کہ تُو سب کا رب ہے، ملک و مالک یوم دین تُو ہے، میں اپنے تمام بُتوں کو توڑتا ہوں اور سوا تیرے کسی کے آگے سجدہ ریز نہیں ہوں گا۔ سوا تیرے کسی طاقت سے مدد کا طالب نہیں ہوں گا، اے میرے تنہا اور خالصتاً معبود، اے میرے تنہا اور خالصتاً مستعان ہم سب کو کہ جو اس طرح جہل کی گمراہیوں میں پڑے ہیں، اپنے ظلم و جور کی جن بے راہ رویوں میں ہمیں ڈال دیا گیا ہے، اپنی کمزوری کی بنیاد پر ہم جن ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں اور تیرے اور اپنے غیر کے ہاتھوں کا کھلونا بنے ہوئے ہیں ہمیں راہ پر لا، اور ہم سب کو سچائی، آگاہی، حقیقت، کمال، عشق و زیبائی اور خیر کی پاک راہ پر گامزن فرما، ہمیں ان کے ساتھ کر کہ جنھیں تُو دوست رکھتا ہے اور نعمتوں سے نوازا ہے، ان کے

ساتھ نہیں کہ جن پر تو غضبناک ہے اور نہ ان کے ساتھ
کہ جو گمراہ ہیں۔

میقات کی منزل پر، قیامت کے سفید لباس، احرام میں ملبوس ہر رکوع، ہر اُس سر کا احرام ہے کہ جسے ہم نے کسی خوف، کسی لالچ یا کسی تقدس کے آگے جھکایا ہے۔ اور ہر سجدہ، ہر اُس پیشانی کا انکار ہے جسے ہم نے ذلت کی چوکھٹ پر کسی زور آور کے آگے زمین پر رکھا ہے۔

نمازِ میقات! اس کا ہر قیام اور ہر قعود ایک پیغام ہے اور یہ پیمان بھی کہ اے خدائے توحید! اب کوئی قیام اور کوئی قعود سوائے تیرے لیے اور سوائے تیری سمت اور کہیں نہیں ہوگا۔

سلام ہو تم پر اے محمدؐ، اس کے بندے اور اس کے بھیجے ہوئے، اللہ کی رحمت اور برکت ہو تم پر کہ تم نے اس زندگی کے اندر اور اس زمین کے اوپر اس طرح کی رحمت اور برکت کو انسان کے لیے عام کیا۔

سلام ہو ہم پر اور اللہ کے پاک اور پاک کردار بندوں پر،
سلام ہو تم پر........

یہ جملے وہاں (میقات میں) جان پکڑتے ہیں۔
یہ ضمیر تمام کے تمام اپنے مرجع کی سمت واپس لوٹتے ہیں۔
یہ اشارے تمام نزدیک ہیں،
وہاں سب حاضر ہیں،

کوئی بھی میقات میں، غائب نہیں، خدا، ابراہیمؑ، محمدؐ، لوگ، روح، قیامت، جنت، نجات، آزادی اور عشق وغیرہ......

اور تم اب آدم کے لباس میں، عوام کے لباس میں، وحدت کے

لباس میں ، بے رنگی کے لباس میں ، سادہ سفید اور تقویٰ کے لباس میں، موت کے لباس میں ، ایک دوسری پیدائش کے لباس میں اور بالآخر روزِ حشر کے لباس "احـرام" میں ہو۔

اور اب تم اے آدم ! خدا کے دھتکارے ہوئے ، بازیچۂ ابلیس، زمین کی جلاوطنی اختیار کرنے والے ، غربت وتنہائی کے محکوم ، خاک کی اذیتیں جھیلنے والے ، اس کی سمت اپنی طلب میں پھر پشیمان اور معـذرت خواہ لوٹ آئے ہو۔

اس وقت تم لاابالی نہیں ، ایک "قید" میں آزاد ہو ، اس قید میں جسے تم نے خود اپنی آزادی اور آگاہی کی بلندی پر اپنے لیے انتخاب کیا۔ وہ جبر کہ جسے تم نے خود اپنے لیے چُنا ، اور اب تم مقیّد ہو مسئول ہو ، ایک "احرام" میں ہو، ایک حریم میں ہو ، راہیٔ حرم ہو ، ایک مکانِ حرام کے عازم ہو ، ایک حرام وقت میں ، ایک احرامی لباس میں ! اور محرمات کے ایک حریم میں......

احـرام ؟ حرام کرنا ! ممنوع کرنا......

احرام کن چیزوں سے تم کو روکتا ہے ؟ کن چیـزوں کو تم پر حرام کرتا ہے ؟

محرمات

ہر وہ چیز کہ جس کی تمھیں یاد آتی ہو ، ہر وہ چیز جو دوسروں کو تم سے جدا کرتی ہو ، اور ہر وہ چیز کہ جو یہ ظاہر کرتی ہو کہ تم اپنی زندگی میں کون ہو؟ کیا ہو اور بالآخـر ہر وہ چیز جس سے تمھاری شناخت ہوتی ہو جو تمھاری

زندگی اور تمھارے معاشرے کے نظام کو ظاہر کرتی ہو، ہر وہ چیز کہ جو یادگار "دنیا" ہے۔ ہر وہ چیز جس کے بارے میں تم یہ سمجھتے ہو اپنی زندگی میں تم اسے نہیں چھوڑ سکتے۔ ہر وہ چیز جو انسانی نہیں ہے۔ ہر وہ چیز جو بجز، انسان کے یاد آتی ہو، ہر وہ چیز جو روزمرہ کی چیزوں کی یاد دلاتی ہو، ہر وہ چیز جو میقات سے پہلے کی زندگی سے معمولی سا تعلق بھی رکھتی ہو اور ہر وہ چیز جو تمھیں اپنے مدفون ماضی کی طرف لوٹا دے!

(۱) ———— آئینہ نہ دیکھو تاکہ تمھاری نظر تم پر نہ پڑے، اسے بھلا دو، اپنے ماضی کو یاد سے ہٹا دو۔

(۲) ———— عطر نہ سونگھو، خوشبو کی مہک نہ لو تاکہ تمھارے دل میں زندگی کی یاد نہ آئے۔ تمھارے دل میں میلانات سر نہ اٹھائیں، ہوس کی بُو تمھارے سر میں نہ سمائے اور لذتوں کو دعوت نہ دے کیونکہ یہاں فضا کسی اور ہی عطر سے سرشار ہے، اللہ کی مہک کو استشمام کرو، اپنی مستی کے بوئے عشق کو سونگھنے دو۔

(۳) ———— کسی کو حکم نہ دو، بھائی چارگی کو زندہ کرو، برابری کی مشق کرو۔

(۴) ———— کسی جانور کو تکلیف نہ دو، یہاں تک کہ حقیر شئے ———— حشرات الارض کو بھی نہ مارو۔ انھیں آزار نہ پہنچاؤ، حتیٰ کہ ان کے ساتھ زبردستی نہ کرو۔ اس نظامِ قیصری ہیں، کچھ دن مسیحانہ طرزِ زندگی اختیار کرو۔

(۵) ———— حرم کی زمین سے گھاس کا تنکا بھی نہ توڑو، صلح کو اپنی

طبیعت میں بسانے کی مشق کرو، تخریب وجارحیت کی عادت کو اپنے اندر کچل دو۔

(۶) ——— شکار نہ کرو، قساوت کو اپنے باطن میں مار دو۔

(۷) ——— مقاربت ممنوع ہے، ہوس کے پاس بھی نہ پھٹکو تاکہ عشق تمھاری پوری ہستی پر خیمہ زن ہو۔

(۸) ——— نہ خود سامان ازدواج مہیا کرو اور نہ کسی دوسرے کے نکاح اور شادی میں شرکت کرو۔

(۹) ——— بناؤ سنگھار سے دور رہو تاکہ اپنے آپ کو اس طرح دیکھو جس طرح کہ ہو۔

(۱۰) ——— بدزبانی، جنگ وجدال، جھوٹ اور ڈینگیں مارنا مطلقاً نہیں!

(۱۱) ——— سِلا ہوا کپڑا یا اس کی شبیہ کو نہ پہنو، تمھارے احرام پر دھاگے کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی نہ ہو تاکہ ہر طرح کے تشخص اور نمود کی راہ مسدود ہو جائے۔

(۱۲) ——— اسلحہ ہرگز ساتھ نہ لو اور اگر اس کی کوئی اشد ضرورت ہو تو ضروری ہے کہ وہ دکھائی نہ دے۔

(۱۳) ——— دھوپ سے بچنے کے لیے اپنے سر پر سایہ نہ کرو۔ چھتری، کجاوہ اور ڈھکی چھت والی سواری ...... ممنوع!

(۱۴) ——— اپنے پیروں کے اوپری حصّے کو جُراب یا جوتے سے نہ ڈھانپو۔

(۱۵) ——— زیب وزینت سے بچو اور زیورات کا استعمال نہ کرو۔

(۱۶) ——— اپنے سر کو نہ ڈھانپو۔

(۱۷) ——— بالوں کو نہ مونڈو۔

(۱۸) ——— سایہ کے نیچے نہ جاؤ۔

(۱۹) ——— ناخن نہ کاٹو۔

(۲۰) ——— کریم نہ لگاؤ۔

(۲۱) ——— اپنے یا دوسرے کے بدن کو زخمی نہ کرو، خون نہ نکلواؤ۔

(۲۲) ——— دانت نہ نکالو۔

(۲۳) ——— قسم نہ کھاؤ۔

(۲۴) ——— اور تم اے عورت ذات! اپنا چہرہ نہ ڈھانکو!

حج کا آغاز ہوگیا ہے، محرمات کے ایک حریم میں، لبّیک لبّیک کی صداؤں کے ساتھ جامۂ احرام کے اندر اللہ کی سمت تیزی سے قدم آگے بڑھ رہے ہیں۔ کعبہ کا سفر درپیش ہے۔

یعنی اللہ نے تم کو دعوت دی ہے، تمھیں آواز دی ہے کہ آؤ، اور اب تم آگئے ہو اور لبّیک کہہ کر اس کو جواب دے رہے ہو۔

لبيك اللّٰهم لبيك، ان الحمد والنعمة
لك والملك، لاشريك لك لبيك۔

ہاں خداوندا، ہاں تحمید و نعمت صرف تیرے لیے ہے اور سلطنت بھی! تیرا کوئی شریک نہیں ہے، ہاں۔

حمد، نعمت اور ملک! پھر وہی تین حاکم قوتوں کی نفی سرمایہ داری استحصال اور استبداد۔ تاریخ پر حاکم تثلیث۔ لومڑی، چوہا اور بھیڑیا...... ان مخلوقات پر مسلّط کہ جو سب بھیڑ ہیں اور اغنام اللہ!

خدا کی آواز صحرا میں کانوں تک پہنچ رہی ہے، ہر ذرہ سے یہ آواز

آرہی ہے ، زمین و آسمان کے درمیان کی تمام فضا اس آواز سے معمور ہے۔ ہر کوئی اسے سُن رہا ہے ، ہر کوئی اسے اپنے سے خطاب سُن رہا ہے ، سُن رہا ہے کہ خدا اسے آواز دے رہا ہے اور وہ تہِ دل سے چیخ رہا ہے :

"لبيك اللهم لبيك!"

اور تم لوہے کے بُرادے کے ذرۂ حقیر کی طرح ایک طاقتور مقناطیس کی طرف کھنچ رہے ہو۔ تمھیں ایسا لگ رہا ہے کہ تمھارے یہ پیر تمھیں نہیں لے جا رہے ہیں بلکہ تمھیں لے جایا جا رہا ہے اور تمھارے پیر تمھارے عقب میں کھنچے چلے جا رہے ہیں۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ تمھارے دونوں بازو دو بھاری شہپروں میں بدل گئے ہیں اور تم سفید پرندوں کے کسی دَل کے ساتھ فضائے بسیط میں اُڑ رہے ہو ، تمھیں معراج ہو رہی ہے اور تم سیمرغ کی طرف جا رہے ہو ......

کعبہ نزدیک آرہا ہے اور زیادہ نزدیک ، تمھارے جوش و جذبے میں اُبال آرہا ہے اور زیادہ اُبال۔ تم اپنے دل کی دھڑکن کو صاف سُن رہے ہو ، ایسا لگتا ہے جیسے کوئی وحشی زخمی جانور اندر سے ، اپنا سر ، تمھارے سینے کی دیوار سے ٹکرا رہا ہے اور چاہتا ہے کہ اسے توڑ کر نکل بھاگے!

تمھیں محسوس ہو رہا ہے کہ تم اپنے سے زیادہ بڑے ہو رہے ہو۔ تمھیں لگ رہا ہے کہ تم لبریز ہو رہے ہو اور اپنے وجود میں نہیں سما رہے ہو۔ جوتے تمھیں تنگ محسوس ہو رہے ہیں ، تمھارے بدنِ ہستی پر لباس کو تنگی ہو رہی ہے ، اشک آنکھوں میں تھم نہیں رہے ہیں۔ گویا تم آہستہ آہستہ خدا کے نور سے مملو فضا میں سمائے جا رہے ہو۔ اس کے وجود کو اپنی کھال پر ، اپنے قلب پر ، اپنی عقل پر ، اپنی فطرت کی گہرائی میں ، ہر سنگریزہ کی چمک میں ، ہر چٹان

کی پیشانی پر، ہر پہاڑ کی کمر پر، ہر افق کے ابہامی فاصلے میں اور صحرا کی گہرائیوں میں محسوس کر رہے ہو، تمھاری آنکھیں دیکھ رہی ہیں مگر صرف اُس کو، بس وہی وہ ہے جسے تم پا رہے ہو، اُس کے سوا ہر چیز موج ہے، کف ہے، جھوٹ ہے۔

"صحرا میں عشق برسا ہے اور زمین تر بہ تر ہو گئی ہے۔
اگر کسی شخص کا پاؤں گلزار میں دھنس رہا ہے تو تمھارا
پاؤں عشق میں دھنسے گا۔"[1]

تم جا رہے ہو اور تمھیں محسوس ہو رہا ہے کہ تم نیست ہو رہے ہو، اپنے آپ سے دُور ہو رہے ہو اور اُس سے قریب۔ ہر شئے "وہ" ہو رہی ہے اور تم بھی سرتاپا وہ اور خود کچھ نہیں۔ ایک بھولی ہوئی یاد کہ جسے تم نے میقات میں اپنے کندھے سے اُتار کر اپنے آپ کو ہلکا کر لیا ہے۔ اور اب میعاد کو جا رہے ہو۔

تمھیں محسوس ہو رہا ہے کہ اب تم نہیں ہو، ذوق و شوق کا ایک پارہ ہو اور بس صرف ایک "حرکت" ہو، صرف ایک "جہت" ہو۔ تم آگے بڑھ رہے ہو اور تمھیں حق نہیں کہ ایک قدم پیچھے ہٹو۔ تمھارا رُخ اُس کی طرف ہے، تم اُس میں محو ہو رہے ہو صحرا کے اس ابر کی طرح کہ جسے دھوپ چوس لیتی ہے۔

قلبِ ہستی دھڑک رہا ہے، فضا نورِ الٰہی سے معمور ہو چلی ہے اور تمھارا دل اُس کے عشق سے لبریز ہو چکا ہے۔

---

[1] مالک دینار

"صحرا میں عشق برسا ہے اور زمین تر بتر ہو گئی ہے۔
اگر کسی شخص کا پاؤں گلزار میں دھنس رہا ہے تو تمھارا
پاؤں عشق میں دھنسے گا۔" [1]

اب تم مکّہ کی حدود میں قدم رکھتے ہو، شہر قریب ہے، یہاں تم ایک نشانی پر پہنچتے ہو۔ یہ نشانی اس بات کی ہے کہ اب تم حرم کے حدود میں داخل ہو رہے ہو۔

مکّہ، علاقۂ حرم ہے۔

اس علاقے میں جنگ اور جارحیت حرام ہے۔ جو بھی دشمن کے ہاتھ سے بھاگ کر اپنے آپ کو "حرم" میں پہنچائے اسے امان حاصل ہے۔ اس علاقے میں شکار، جنگلی جانور کا قتل، یہاں تک کہ گھاس کا ایک تنکا بھی زمین سے توڑنا حرام ہے۔

کعبہ کو بُت پرستی سے آزاد کرانے کے لیے پیغمبر اسلامؐ نے مکّہ پر جو حملہ کیا تھا اس کے بعد خود آپؐ نے اپنے ہاتھ سے اس علاقے کے حدود کی تجدید کی اور اس علاقے میں جنگ و خونریزی کے حرام ہونے اور حرم کے تقدّس کی قدیم روایت کو مستحکم کیا۔

تم اس سرحد کو پار کر کے حرم کے علاقے میں داخل ہوتے ہو، اچانک لبّیک، لبّیک کے وہ ولولہ انگیز نعرے کہ جو فضا کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھے، تھم جاتے ہیں۔

سکوت ــــــ!

---

[1] مالک دینار

گویا کہ : تم پہنچ گئے ہو۔
محضرِ الٰہی میں ، حدودِ امن میں ، حرمِ خدا میں ایک سکوت !
تمھارے قدم رکتے نہیں ہیں ، کعبہ کا شوق تمھیں تڑپا رہا ہے ،
اور اب شہر ،
بالکل پیالہ نما ـــــــــ ایک بڑا پیالہ کہ جس کے اطراف کی دیواریں پہاڑ ہی پہاڑ ۔ ہر شاہراہ ، ہر سڑک ، ہر گلی یا کوئی درہ ہے یا کسی پہاڑ کا شگاف ہے یا گھاٹی ہے جو ہر طرف سے اپنے آپ کو اس عظیم کوہستانی نشیمن کی سطح سے ملاتی ہے ، یہ مسجد الحرام ہے ، اور اس کے بیچ کعبہ !

شہر کے کوہستانی پیچ وخم سے گزر کر تم قدم بہ قدم کعبہ سے قریب تر ہوتے ہو نشیب میں اُترتے ہو اور ایک بے رنگ اور بے نام ونشان جمِ غفیر میں کھو جاتے ہو بالکل اس سیلاب کی طرح جو درہ کی بالائی سطح پر واقع شاہراہ کے راستے درہ کی گہرائی میں مسجد الحرام سے گزر رہا ہے اور تم ایک قطرہ ہو !

قدم بہ قدم نیچے اُتر رہے ہو اور عظمت قدم بہ قدم تم سے نزدیک ہو رہی ہے ۔ بقول ، میرے ایک ذی فہم صاحبِ ادراک ہمنوا کے :

ہمیں ہمیشہ اس بات کی عادت ہوگئی ہے کہ ہم اونچائی کی سمت صعود میں ، بالائی اور بلندی کی طرف حرکت میں عظمت پائیں ۔ خاص طور پر اُس وقت جب عظمت ، الٰہی ہو ۔ جب بات ملکوتِ الٰہی سے ہو ـــــ مگر یہاں ، اس کے برعکس تم جتنا نیچے اترو گے ، بلندی سے جتنا نیچے آؤ گے ، خدا سے نزدیک تر ہوگے ۔

• یعنی فروتنی اور خشوع میں یہ سب کچھ ہے کہ تم شکوہ وجلال تک پہنچو ، یعنی بندگی سے بلندی تک ۔ یعنی تم خدا کو آسمانوں اور اس سے پرے نہ ڈھونڈو ، اسی خاک میں ، اسی زمینِ پست میں ، سنگ وسخت مادیت کے عمق میں

اسے ڈھونڈا اور دیکھا جا سکتا ہے ، بس صرف صحیح راستہ تلاش کرنا ہوگا، صحیح نظر پیدا کرنی ہوگی ...... اور شاید آدمی کی سرنوشت ، مٹی تلے اس کا دبنا اور پھر اللہ کے سامنے اس کے سر اُٹھانے کا اشاریہ بھی اس سلسلے میں مددگار ثابت ہو۔

کعبہ قریب ہے ،

سکوت ، سوچ ، عشق !

ہر قدم شیفتہ تر ، ہر نفس ہراساں تر ، اس کے حضور کا وزن لمحہ بہ لمحہ سنگین تر ، جرأت نہیں کرتے کہ پلک تک جھپکو ، کھینچی ہوئی سانس باہر نہیں نکلتی ، تم اپنے مرکب پر ، اپنی گاڑی کی سیٹ پر جمے کے جمے رہ گئے ہو ، منہ سے کچھ بولا نہیں جاتا۔ سکوت ، حیرت ، شوق ، اور کسی قدر اگلی منزل کی طرف متمایل ، سراپا محوِ تماشا ، آگے کی سمت آنکھیں جمی ہوئیں اور سامنے قبلہ !

دیدار کا صبر اور اس وقت کا جھیلنا کتنا بھاری ہے ۔ اتنی بلند عظمت کا دیدار کتنا دشوار ہے ۔ تمھارے احساس کے یہ نازک کندھے ، تمھارے قلب کے یہ کم جرأت یا کم ہمّت والے پردے بھلا کس طرح اس کی تاب لا سکتے ہیں ؟

تم درّوں کے پیچ و خم سے گزرتے ہوئے نیچے آرہے ہو ، راہ میں آنے والے ہر موڑ پر دل بلّیوں اُچھلتا ہے کہ :

لو وہ رہا کعبہ !

یہ کعبہ ہمارے وجود ، ہمارے ایمان ، ہمارے عشق ، ہماری عمر ، اور ہماری روز و شب کی نمازوں کا قبلہ ہے ۔ ہر صبح ، ہر دوپہر ، ہر شام ، ہر مغرب اور ہر عشا ہم اسی کی سمت نماز ادا کرتے ہیں ، اسی کی سمت چلتے ہیں ، اسی رخ پر دفن ہوتے ہیں ۔ ہماری موت اور ہماری حیات اسی کے رخ پر ہوتی ہے ،

ہمارے گھر اور ہمارے گور کی سمت بھی وہی ہوتی ہے۔ اور اب چند قدم اور، چند لمحے اور، میں اس کے سامنے اور وہ میرے پیشِ نگاہ ہوگا۔

کعبہ

اب تم مسجد الحرام کے آستانے پر ہو، اس وقت کعبہ تمھارے سامنے ہے! کشادہ صحن اور اس کے بیچ میں ایک خالی مکعب اور بس!

اچانک تم پر ایک لرزہ طاری ہوتا ہے! حیرت اور استعجاب تمھیں اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے!

یہاں ...... کوئی نہیں، یہاں ..... کچھ بھی نہیں ..... حتیٰ کہ بعنوانِ نظارہ بھی کوئی چیز نہیں!

ایک خالی کمرہ! اور بس!

تمھارا احساس ایک ایسے باریک پُل پر آجاتا ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہوتا ہے! ہمارے ایمان، ہمارے عشق، ہماری نمازوں، ہماری حیات اور ہماری موت کا قبلہ یہی ہے؟ کھردرے سیاہ رنگ کے ایک دوسرے پر چُنے ہوئے پتھر کہ جن کی جھریوں کو اناڑی پن کے ساتھ ناہموار طور پر چونے سے بھر دیا گیا ہے اور بس!

اچانک اس کی توڑ میں ایک تردید تمھارے دل میں لپکتی ہے۔

یہ کہاں ہے؟ ہم کہاں آگئے ہیں؟ قصر ہماری سمجھ میں آتا ہے: ایک ہنرمندانہ تعمیراتی زیبائی! معبد کی سمجھ بھی یہیں آتی ہے: سراپا حسن و زیبائی کی حامل پرجلال اونچی چھتوں کے نیچے ایک روحانی سکوت اور پاکیزہ متبرک

شان والی عمارت اور آرام گاہ بھی ہمارے کاسۂ فہم میں ہے : کسی بڑی شخصیت کا مدفن ، کسی بڑے رہنما، پیغمبر یا امام کا مقبرہ ...... !

لیکن یہ ..... ؟ کھلے میدان کے وسط میں ، ایک خالی کمرہ ــــ !

نہ اعلیٰ تعمیر ، نہ کوئی خوبصورتی نہ زیبائی ، نہ پتھر پر کوئی نقش ، نہ کاشی نہ گچکاری، حتیٰ کہ کسی پیغمبر یا کسی امام کی ضریح ، کوئی مرقدِ مطہر ، کوئی عظمتوں والا مرقد...... کہ جس کی زیارت کی جاسکے اور ذہن میں اس کا نقشہ مرتب کیا جاسکے اور یہ کہا جاسکے کہ ہم اس کے لیے آئے ہیں اور وہ کسی نقطے ، کسی چہرے ، کسی واقعیت، کسی عینیت کا احساس دلائے اور بالآخر کسی چیز اور کسی جگہ سے تعلق پیدا کرے ، اس سے مناسبت رکھے یا رشتہ قائم کرے۔ ایسا کچھ بھی نہیں !

یہاں اس طرح کی کوئی چیز نہیں ، کوئی نہیں ،

اچانک تمھارے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ واہ کیا بات ہے ! کیا خوب کہ کوئی نہیں ، کچھ بھی نہیں ، کوئی چیز تمھارے احساس کو اپنی لپیٹ میں نہیں لیتی ۔ اور پھر ناگہانی طور پر تم یہ محسوس کرتے ہو کہ کعبہ ایک بام (چھت) ہے ، بامِ پرواز ، اور پھر تمھارا جوہرِ احساس کعبہ کو چھوڑ کر فضا میں پَر کھول دیتا ہے اور تم "مطلق" کو محسوس کرتے ہو ۔

ابدیت کو درک کرتے ہو ۔

وہ جو اس زندگی میں پھانک پھانک ہے ، اس دنیا میں نسبی ہے اسے تم نہیں پا سکتے ، محسوس نہیں کر سکتے ، فقط فلسفہ جھاڑ سکتے ہو ــــ یہاں تم اسے دیکھ سکتے ہو ، مطلق کو ، ابدیت کو ، بے سوئی کو ،

"اُس" کو ۔

اور کیا خوب کہ یہاں کوئی نہیں ، کیا خوب کہ کعبہ خالی ہے !

آہستہ آہستہ تمھاری سمجھ میں یہ بات آنے لگتی ہے کہ تم "زیارت" کو نہیں آئے، تم نے حج کیا ہے۔ یہ تمھاری منزل نہیں ہے۔ کعبہ وہ نشانِ راہ ہے وہ علامتی پتھر ہے کہ راستہ کھو نہ جائے۔

یہ صرف ایک نشان تھا، ایک علامت تھی، ایک "فلش" تھا کہ جو صرف تمھیں "جہت" کی نشاندہی کرتا تھا۔

تم نے حج کیا، قصد کیا، مطلق کا عزم کیا، ابدیت کی سمت چلے، حرکتِ ابدی کو اپنایا، اس کی سمت بڑھے، کعبہ تک نہیں! کعبہ آخرِ راہ نہیں آغازِ راہ ہے۔

یہاں "انتہا" تمھارا عذر، تمھاری موت اور تمھارا توقف ہے۔ وگرنہ یہ منزل حرکت اور جہت کی ہے اور بس!

یہ جگہ میعادگاہ ہے، خدا، ابراہیمؑ، محمدؐ اور اولادِ آدم! کی میعادگاہ۔ اور تم اس وقت تک جب تک کہ "تم" ہو یہاں غائب ہو، جیسے سب ہیں ویسے ہو جاؤ، خلق بنو، "لوگ" بنو۔ اے وہ کہ جس نے لوگوں کا یکساں لباس پہن رکھا ہے، اس لیے کہ لوگ ناموسِ خدا ہیں، خانوادۂ خدا ہیں (الناس عیال اللہ) وہ اپنے خانوادہ کی نسبت ہر کسی سے زیادہ غیرت مند ہے ——!

اور یہاں اس کا حرم ہے، اندرونِ حرم اس کا گھر ہے! یہ "لوگوں کا گھر" ہے۔

"اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ۔"

اور تم جب تک "تم" ہو۔ حرم میں تمھارا داخلہ بند ہے۔ (عام انسان بنو)

یہ "بیتِ عتیق" ہے۔ عتیق ، "عتق" سے ، بندے کو آزاد کرنا ہے ،

عتیق : آزاد ــــــ !!

وہ گھر کہ جو ذاتی مالکیت اور جابر حکمرانوں کے تسلّط سے آزاد ہے ، کسی کا اس پر تصرّف نہیں ، گھر کا مالک خدا ہے اور گھر والے ، لوگ ۔

اور یہی وجہ ہے کہ جب تم اپنے شہر ، اپنے دیہات اور اپنے گھر سے چار فرسخ[۱] کا راستہ طے کرتے ہو تو مسافر بن جاتے ہو اور تمھاری نماز قصر ہو جاتی ہے ، آدھی ، مسافر کی نماز ! اور یہاں دنیا کے جس کونے سے بھی آئے ہو ، پوری پڑھوگے ، اس لیے کہ اپنے گھر آئے ہو ، مسافر نہیں ہو ، اپنے وطن ، اپنے دیار ، اپنی حریم امنیت اور اپنے گھر میں " لوٹے ہو " اپنے ملک میں تم اجنبی تھے ، مسافر تھے ۔ یہاں تم ، اے بُڈارے گئے کٹے نرسل ، اے پردیسی زمین کے جلاوطن انسان ! اپنی نیستان میں واپس آئے ہو ، اپنی حقیقی زادگاہ کی طرف واپس لوٹے ہو ۔

خدا اور اس کا گھرانہ : بنی نوع انسان ! دنیا کا یہ عزیز القدر کنبہ اس وقت اپنے گھر میں ہے اور تم جب تک " تم " ہو ، بے گانے ہو ، بے جوڑ ہو ، بے سہارا انقطاع یافتہ ہو ، بے ٹھکانے کے خراب وخستہ اور بے خانمانِ وجود ہو ! تم اپنے " تم پن " سے باہر نکلو اور اسے چھوڑ کر گھر میں آؤ اور اس گھر کے فردِ بنو ۔

اگر تم نے میقات میں خود کو دفن کر دیا ہوتا تو " انسان " بن گئے ہوتے

---

[۱] فرسخ یا فرسنگ ایک کوس یا تین میل کی مسافت کو کہتے ہیں (اہل فارس کے حساب سے ان کے ہاں کا میل چار ہزار گز کا ہوتا ہے اور زمانۂ حال میں انگریزی میل ۱۷۶۰ گز کا مانا گیا ہے) اردو مترجم

اور یہاں ، ایک دوست ، ایک آشنا اور خاندانِ خدا کے ایک قریبی عزیز کی طرح گھر میں تمھارا داخلہ ہوتا۔

تم ابراہیمؑ کو آستانے پر کھڑے دیکھتے ، تاریخ کے اس مفخر سن رسیدہ انسان کو کہ جو زمین کے تمام خداؤں سے برگشتہ تھا ، اس اعلیٰ مراتب پر فائز عاشق کو کہ جو خدائے توحید کا بندۂ ناچیز تھا!

اُسی نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس گھر کو بنایا۔

زمین پر کعبہ ، اس عالمِ ہست و بود میں اللہ کا ایک اشاریہ ہے ایک رمز ہے۔

اس کا مٹی گارا ، اس کی زینت ، اس کا زیور ؟ (کیا ہے)

مکّہ کے قریب واقع کوہِ "عجون" کے سیاہ پتھروں کے ٹکڑوں کو کاٹ کر بڑی سادگی کے ساتھ بغیر کسی ٹیکنیک ، بغیر کسی نقش و نگار اور بغیر کسی خوبصورتی کے ایک دوسرے پر چنا گیا ہے اور بس!

اس کا نام ؟ اس کے اوصاف ؟ اور اس کے القاب ؟

(کچھ نہیں بس.....)

"کعبہ"!

ایک "مکعب"! اور بس!

مگر کیوں "مکعب"؟ کیوں اتنا سادہ ؟ کیوں اتنا بے تشخص اور بے تزئین ــــــــ ؟

(اس لیے کہ) خدا بے "شکل" ہے ، بے "رنگ" ہے ــــــ بے "شبیہ" ہے اور انسان جو بھی اسکیچ تیار کرے ، جو بھی صورت سامنے لائے جس تصور کو بھی حقیقت کا رنگ دے ، خدا نہیں ہے۔

خدا "مطلق" ہے۔

بے "جہت" ہے۔

یہ تم ہو کہ جو اس کے سامنے "جہت" پکڑتے ہو۔

یہی سبب ہے کہ تم کعبہ کی جہت میں ہو اور کعبہ کی خود کوئی

جہت نہیں۔

اور انسان کا ذہن "بے جہتی" کو نہیں سمجھ سکتا۔

جس چیز کو بھی تم اس کے وجود ——— مطلق بے سوئی ———

کا اشاریہ بناؤ گے وہ خواہ ناخواہ جہت پکڑے گا اور خدا کا اشاریہ نہیں ہوگا۔

کس طرح زمین پر اس کی "بے جہتی" کو دیکھا جا سکتا ہے؟

صرف اس طرح کہ:

"تمام متناقض جہات" کو ایک ساتھ جمع کر دیا جائے،

تاکہ ہر جہت، اپنے نقیض جہت کی نفی کرے اور تب ذہن اس

سے، "بے جہتی" کو سمجھے۔

کل جہات کتنی ہیں ———؟

چھ،

اور وہ تنہا صورت جو اِن چھ جہتوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے،

کیا ہے ———؟

مکعب!

اور مکعب، یعنی ساری جہات،

اور ساری جہات یعنی بے جہتی!

اور اس کا عینی اشاریہ:

کعبہ ـــــ!

"فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ۔"

جس طرف بھی رُخ کرو، اب اسی کی جہت اور اسی کی سمت میں ہوگی اور یہی وجہ ہے کہ کعبہ کے اندر تم جس جہت سے بھی نماز پڑھو اسی کی سمت ہوگی۔ اور بیرونِ کعبہ جس سمت کو اختیار کرو تمھارا رخ اس کی طرف ہوگا۔

کیونکہ ہر شکل ـــــ بجز کعبہ ـــــ یا شمال کے رخ پر ہے یا جنوب کے رخ پر یا مشرق کی سمت یا مغرب کی سمت، یا زمین کی طرف مایل ہے یا آسمان کی طرف۔

اور کعبہ سب کے رخ پر ہے اور کسی کے رخ پر نہیں، ہر جگہ ہے اور کہیں نہیں،

"ہمہ رخی" یا "بے رخی"، خدا!

اور اس کا اشاریہ : کعبہ!

لیکن......

حیرت ہے! کعبہ، اپنے مغربی حصّے میں ایک افزودگی یا ضمیمہ رکھتا ہے کہ جس نے اس کی شکل میں تبدیلی پیدا کی ہے اور اسے "جہت" دی ہے۔

یہ کیا ہے؟

کعبہ کے رُخ پر، ہلالی شکل کی ایک ناٹی دیوار۔

نام ـــــ؟

"حِجرِ اسمٰعیلؑ"

"حِجْر" یعنی کیا؟

یعنی : دامن!

اور سچ مچ یہ ایک "دامن" کی طرح ہے ، دامنِ پیراہن ، ایک
عورت کا پیراہن !

ہاں ،
ایک حبشی عورت کا
ایک کنیز کا !
ایک سیاہ رنگت والی باندی کا ،
ایک عورت کی لونڈی کا دامن ،
ایک ایسی بے قدر لونڈی کا کہ جسے ایک عورت نے اپنے شوہر کی
ہمبستری کے لیے منتخب کیا ہے۔
یعنی اسے اتنی بھی اہمیت حاصل نہیں کہ وہ اس کی سوکن کہلائے۔
اور اس کا شوہر صرف بچّے کی خاطر اس سے قربت حاصل کرتا ہے ،
ایک ایسی عورت کہ جو انسانی نظام میں ہر افتخار سے عاری رہی ہے۔
اور اب خدا نے اس کے دامانِ پیراہن کے اشاریہ کو اپنے وجود کے اشاریہ
کے ساتھ ملا دیا ہے۔
یہ ہاجر کے پیرہن کا داماں ہے !
وہ داماں کہ جس نے اسماعیلؑ کی پرورش کی ہے ،
یہ "ہاجر کا گھر" ہے ،
ہاجر ، یہیں ، کعبہ کے تیسرے پائے کے قریب دفن ہے ،
حیرت ہے ، کسی کو بھی ——— حتیٰ کہ پیغمبروں کو بھی ——— مسجد
میں دفن نہیں کرنا چاہیئے۔
اور یہاں ، خانۂ خدا ، دیوار بہ دیوار ایک کنیز کے گھر سے متصل ؟

اور خانہ، ایک ماں کا مدفن ؟

میں کیا کہہ رہا ہوں ــــــــ ؟

اللہ کی بے جہتی نے، صرف اس کے دامن میں "جہت" اختیار کی ہے

کعبہ نے اس کی سمت دامن بچھایا ہے۔

اس ہلالی دائرہ اور خانۂ خدا کے درمیان آج بہت کم فاصلہ ہے۔

اور خانۂ خدا کے گرد گھومتے ہوئے اس فاصلہ سے گزرا جا سکتا ہے۔

مگر ہاجرہ کے دامن بنا ــــــــ کعبہ ــــــــ اشارۂ توحید! کے گرد گھومنا طواف نہیں، یہ طواف قبول نہیں!

حج نہیں!

حکم ہے، فرمان خدا ہے،

ان سب لوگوں پر کہ جن کا توحید پر ایمان ہے، ان سب افراد پر کہ جو اللہ کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں، ان تمام صاحبانِ روح ونفس پر، کہ جو دائرۂ بشریت میں آتے ہیں لازم ہے، خدا کے گرد طوافِ عشق میں، کعبہ کے گرد گھومنے میں اس کے دامانِ پیرہن کو بھی اپنے طواف میں شامل کریں۔

کیونکہ اس کا گھر، اس کا مدفن اور اس کا دامن بھی مطاف ہے۔

یہ بھی کعبہ کا ایک حصّہ ہے۔

اس لیے کہ کعبہ یہ "مطلق بے جہتی"، صرف اس دامن کی جہت سے جہت کا حامل ہوا ہے۔

ایک افریقی کنیز اور ایک اعلیٰ اوصاف کی حامل ماں کے دامانِ پیراہن کی جہت میں، دامانِ کعبہ عالمِ بشریت کے لیے ابدی مطاف بن گیا ہے۔

خدائے توحید اپنے کبریائی جلال کے عرش پر تنہا بیٹھا ہے۔ اس نے

ساری کائنات کو اپنے ماسوئ کی طرف ہنکایا ہے ، وہ جس ماوریٰ میں بھی ہے تنہا ہے اور اپنی خدائی ملکوت میں ، یکتا ہے۔

لیکن ...... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی اس خلقت کے لامتناہی سلسلے میں تمام مخلوقات کے درمیان سے ایک مخلوق کو چُنا ہے ، اپنی اعلیٰ ترین مخلوق ، انسان کو۔

اور اس میں ، عورت کو :

اور عورت میں بھی ———

سیاہ فام عورت کو ،

اور اس میں بھی ———

سیاہ فام کنیز خاتون کو ،

اور اس کے اندر بھی ———

ایک عورت کی سیاہ فام کنیز کو ———!

اپنی حقیر ترین مخلوق کو ———!

اور یہی نہیں اسے اپنے پہلو میں بٹھایا ہے ،

اپنے گھر میں جگہ دی ہے ——— یا پھر

خدا خود اس کے گھر آیا ہے ،

اس کا ہمسایہ بنا ہے ،

اس کا ہم خانہ بنا ہے ،

اور اب اس "گھر" کی چھت کے نیچے دو ہستیاں ہیں !

ایک خدا ،

اور دوسری ہاجرہ !

ملتِ توحید میں گمنام جانباز کو اس طرح انتخاب کیا ہے !
پورا حج ، جناب ہاجرہ کی خاطر قائم ہے ،
اور ہجرت ، عظیم ترین عمل ، عظیم ترین حکم ، "ہاجرہ" کے نام سے مشتق ہے۔
اور مہاجر ، عظیم ترین الٰہی انسان ، ایک ہاجر صفت آدمی ہے۔
" المهاجر، من صار کهاجر " !!
مہاجر ایک ہاجر صفت انسان ہے !
پس : "ہجرت" ؟ (کیا ہے)

ہاجر صفت کام ! اور اسلام میں ، وحشی پن سے تمدّن کی طرف جانا ہے ! اور یہ سیر یا یہ سفر کفر سے اسلام کی طرف آنے کے مفہوم میں ہے ، چونکہ "تعرب بعد الهجره" بشر کی زبان میں توحّش بعد از تمدّن اور اسلام کی زبان میں ، ایمان کے بعد کفر کی طرف واپس لوٹنے کو کہتے ہیں ! پس کفر یعنی توحّش اور دین یعنی تمدّن !

اور "ہجر" ــــــ زبان ہاجرہ کا ــــــ ایک حبشی لفظ - یعنی "شہر" یعنی "مدینہ" اور ہاجرہ ، ایک سیاہ فام حبشی کنیز ، ایک افریقی عورت ، وحشی انسان کی مظہر ، یہاں ، اساس مدنیت !

ہاجر صفت انسان ، یعنی ایک متمدّن انسان ! اور ہاجر صفت حرکت ، یعنی مدنیت کی طرف انسان کی حرکت !

اور اب ، خدا کے گرد انسان کی حرکت میں بھی ، پھر ہاجر !
اور اے خدا کا عزم کرنے والے مہاجر تمھارا مطاف کعبۃ اللہ ہے اور " دامانِ ہاجر" !

ہم کیا دیکھ رہے ہیں ؟

ہماری "سمجھ میں" نہیں سماتا ۔

ہیومینیزم اور عصرِ آزادی کے انسان کا احساس اس مفہوم کو پانے کی تاب نہیں رکھتا !

خدا ایک افریقی سیاہ فام کنیز کے گھر ہیں ۔

* * *

طواف

اس وقت کعبہ ایک گرداب کے بیچ ہے ، ایک پرجوش و خروش گرداب کہ جو چکّر کاٹ رہا ہے اور کعبہ کے طواف میں مصروف ہے ۔ ایک نقطۂ ثابت درمیان میں اور اس کے گرداگرد دائرہ در دائرہ ہر کوئی متحرک ،

ابدی ثبوت یا ابدی استقلال اور ابدی حرکت !

ایک آفتاب بیچ میں اور اس کے گرد ہر کوئی اپنے فلک میں ایک ستارہ کہ جو آفتاب کے گرد ، دائرہ در دائرہ گھوم رہا ہے ۔

ثبات ، حرکت و نظم ! = طواف

یعنی کہ ایک ذرہ سے متعلق اشاریہ ؟ ایک منظومہ کا تجسم ، یا جہاں بینی توحید میں سارا عالم ؟

خدا قلبِ عالم ہے ، محورِ وجود ہے ، مرکزِ کائنات ہے کہ جس کے گرد تمام عالم طواف کر رہا ہے ۔ اور تم اس منظومہ میں ، خواہ کعبہ میں ہو کہ عالم میں ایک ذرہ ہو ، اور ایسا ذرہ کہ جو عالمِ حرکت میں ہے ، ابھی یہاں تو ابھی وہاں ، ایک دائمی حرکت ہے کہ جس میں تم سفر کر رہے ہو ، ایک کیفیت کے ساتھ مگر

ہر دم ایک نئی صورت میں ، ہمیشہ تغیّر کے عالم میں ، ہمیشہ " ہوتے رہنے" کے عمل میں ، طواف میں مگر ہمیشہ اور ہر جا ، " اس" سے اور "کعبہ" سے تمھارا فاصلہ ثابت ۔ تمھاری دُوری اور نزدیکی کا انحصار اس بات پر ہے کہ تم اس گھومنے والے دائرہ میں کس پٹی کو انتخاب کرتے ہو ، دُور والی کو یا نزدیک والی کو ۔ لیکن تم ہرگز اپنے آپ کو کعبہ سے نہیں چپکاؤ گے ، ہرگز اس کے پاس کھڑے نہیں ہو گے ۔ اس لیے کہ اس سمے توقف نہیں ، تمھارے لیے رکنا نہیں کیونکہ وحدت ، وجود نہیں ، توحید ہے ۔

انسانوں کا گرداب ، کعبہ کے گرد چکّر لگا رہا ہے اور جہاں تک نظر جاتی ہے انسان ہی انسان نظر آ رہے ہیں ۔ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں تم ، لوگوں کو دیکھ سکتے ہو ، مرد و زن کو نہیں ——— اِس کو ، اُس کو نہیں ، مجھے اور اُسے نہیں ، اور تمھیں اور ان کو بھی نہیں ۔

کُل کو دیکھ سکتے ہو جزُ کو نہیں ———

فرد ، کُل میں مل گیا ہے ۔ فنا ———

فرد ہے مگر خدا میں نہیں ——— ہم میں نہیں ——— انسان میں نہیں ——— لوگوں میں نہیں ، بہتر ہے کہہ دوں : " امّت" میں !

لیکن وہ فنا کہ جو جہتِ خدا میں ہو ، خدا کے لیے ہو اور خدا کے طواف میں ہو !

یعنی فرد کی فنا مخلوقِ خدا میں اور فرد کی بقا مخلوق خدا میں ، کیونکہ خدا اور مخلوقِ خدا ایک جہت میں ہیں ، ایک صف میں ہیں ، یعنی کہ یہاں اللہ کی طرف راہ مخلوقِ خدا سے ہو کر گزرتی ہے ۔ فردیت سے تنہائی کی راہ اُدھر نہیں جاتی ،

تمھاری رہبانیت "خانقاہ" میں نہیں " اجتماع" میں ہے ،

"میدانِ عمل" یں ہے کہ تم ایثار میں، اخلاص میں، اپنی نفی میں، تکلیفوں، محرومیوں، اسارتوں اور تشددوں کے عذاب کو جھیل کر، خطروں کا مقابلہ کرکے جدوجہد کے میدان میں، خلقِ خدا کو ملحوظِ خاطر رکھ کر خدا تک پہنچتے ہو۔ کیونکہ:

"ہر مذہب میں ایک رہبانیت ہے اور میرے مذہب کی رہبانیت جہاد ہے۔" (رسولِ اکرمؐ)

یہی وجہ ہے کہ طواف میں تمھیں کعبے کے اندر نہیں جانا ہے، اس میں جا کر اٹھنا بیٹھنا نہیں ہے، مجمع میں قدم رکھنا ہے اور طواف کرنے والوں کے اندر گُم ہو جانا ہے، انسانوں کے اس گرداب میں غرق ہونا ہے، اپنے آپ کو طواف کرنے والی خلقت کے سپرد کرنا ہے اور خود سے گزر کر مجمع سے متصل ہونا ہے

اور اسی کا نام حج ہے۔

اور یہی عمل تمھیں حاجی بناتا ہے اور اسی کو پیشِ نظر رکھ کر تم اللہ کی دعوت کو لبّیک کہتے ہو اور اس کے حرم کی راہ پاتے ہو۔

تم کیا دیکھ رہے ہو؟

کعبہ ایک جگہ ساکت ہے اور اس کے گرد؟ ایک سفید ریلا یکساں، یک رنگ، یک صورت انداز میں، بلا تشخص، بلا شناخت، بلا کسی ایسی علامت کے کہ جو کسی کو کسی سے ممتاز کرے، بہ رہا ہے، یہاں کسی کی شناخت نہیں ہو سکتی۔

صرف یہی وہ جگہ ہے جہاں تم "کُل ہونے" کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو۔ بیرونِ کعبہ فرد، واقعیت کا حامل ہے، ایک دکھائی دینے والا جُز ہے، "کُلّیت" ایک ذہنی مفہوم ہے، "انسان" ایک معنی، ایک تصوّر،

ایک عقلی، ذہنی اور منطقی مفہوم ہے،

باہر کی دنیا میں صرف "انسان" ہے۔ وہ جو بھی ہو، حسن ہو کہ حسین، مرد ہو کہ عورت، مشرقی ہو کہ مغربی۔ لیکن یہاں حقیقتیں سب مٹ چکی ہیں، کلّی مفہوم، عقلی یا ذہنی حقیقت، بیرونی عینی واقعیت بن گئی ہے۔ اس وقت کعبے کے گرد صرف "انسان" ہے جو طواف کر رہا ہے، عامۃ الناس اور بس ——— !

اور تم جب تک "تم" ہو، طواف سے باہر ہو، تماشائی ہو۔ اور "انسانوں" کے اس گرداب کے "ساحل" پر ایستادہ ہو اور "ایستادہ رہو گے"! پس تم نیست ہو، بے گانے ہو، ایک فرد ہو، کچھ نہیں ہو، منظومہ کا وہ ذرہ ہو کہ جسے فضائے بسیط میں پھینک دیا گیا ہو اور اس کا کہیں پتہ نہ ہو۔

لازم ہے کہ ہست بنو۔

یہاں تمھیں یہ سکھایا جاتا ہے کہ تم صرف اپنی "نفی" میں اثبات کو پہنچو گے۔ "اپنے آپ کو ذرہ ذرہ، اندک اندک دوسروں پر قربان کر کے، امّت پر اپنے آپ کو وار کے" ذرہ ذرہ، اندک اندک "اپنے آپ" کو پاؤ گے، خود کو دریافت کرو گے اور تمھیں اپنی صحیح حقیقت معلوم ہو گی۔

اور پھر "اچانک انقلابی طور پر اپنے آپ کو موت کے حوالے کرنے اور سرخ موت میں فنا ہونے کی بات" تمھیں شہادت کی طرف کھینچ لائے گی اور تم شہید ہو جاؤ گے اور شہادت کے معنے ہیں حضور، یعنی حیات یعنی وہ کہ جو ہمیشہ پیشِ نظر ہے، محسوس ہے۔ اور شہید یعنی ہمیشہ حی، ہمیشہ حاضر و ناظر اور زندۂ جاوید کا مرئی اور عینی نمونہ!

"وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ۔"

سبیل اللہ یعنی سبیل الناس ۔ دونوں ایک ہیں ۔ فردیت سے اللہ کی طرف کوئی راہ نہیں ہے ۔ اگر یہاں تم یہ سوال کرو کہ پھر فرادیٰ عبادتیں کیوں ؟ تو میں کہوں گا اس لیے کہ تم اپنی تعمیر کرو ، اپنے آپ کو پروان چڑھاؤ تاکہ تم ایثار کے آستانے تک پہنچ سکو ، اپنے اندر اجتماع کے لیے جی سے گزرنے کی شائستگی پیدا کرو ، انسان بنو ، اس لیے کہ فرد ، فانی ہے اور انسان باقی ۔ انسان اس دنیا میں اللہ کا خلیفہ ہے اور جب تک خدا ، خدا ہے ، اس کا خلیفہ ہے ، اس کا سایہ ہے ، اس کی آیت ہے ، یعنی آدم ہے ۔ اور تم اس جاوید میں اپنے آپ کو مار کر ، زندہ و جاوید رہو گے ۔ اس لیے کہ دریا یا سمندر سے جدا قطرہ ، شبنم ہے اور رات کی حد تک ہے ، اس کی عمر ایک شب کی ہے ۔ وہ ساکن ہے اور نور کی پہلی مسکراہٹ اسے محو کر دیتی ہے ۔

دریا میں سما جاؤ تاکہ زندہ رہو اور بڑھتے بڑھتے سمندر تک پہنچو ۔

اس خوش رفتار موجیں مارتے ہوئے گرداب کے کنارے کہ جو نظامِ خلقت کو سمجھا رہا ہے ۔ تم کھڑے کیا کر رہے ہو اے شبنم صفت انسان ؟ اپنے آپ کو اس گرداب میں ڈال دو اور آگے بڑھو !

اب جب کہ تم نے لوگوں کے ساتھ رشتہ جوڑنے کا قصد کیا ہے تو پہلے "نیت" کرو تاکہ خود آگاہ بنو ۔ تاکہ تمھیں یہ معلوم ہو کہ تم کیا کر رہے ہو ؟ اور کیوں کر رہے ہو ؟ خدا کے لیے کر رہے ہو ، اپنے لیے نہیں ، حقیقت کے پیش نظر کر رہے ہو ، سیاست کے پیش نظر نہیں ۔

ہر کام کا یہاں ایک طریقہ ہے ۔ اس دائمی حرکت میں ایک باقاعدہ نظام کارفرما ہے ، اور یہی دستورِ عالم ہے ۔

حجر الاسود، بیعت

"رکن حجر الاسود" وہ مقام ہے کہ جہاں سے تمھیں داخلِ طواف ہونا پڑے گا۔ یہیں سے تم منظومۂ عالم میں قدم رکھو گے اور لوگوں کے ہجوم میں اُترو گے اور گردابِ خلقت میں مثل ایک قطرے کے کھو جاؤ گے اور کسی قدر تامل کے بعد اپنے فلکِ سیر کو ڈھونڈ لو گے اور پھر اپنی حرکت کا آغاز کرو گے اور اپنے مدار پر قائم رہو گے، تمھارا یہ سفر مدارِ خدا میں ہوگا لیکن اس کا راستہ خلق کی طرف سے کھلے گا ــــــــ!

آغاز میں تمھیں حجر الاسود کو چھونا ہوگا، اور اس کے لیے سیدھا ہاتھ استعمال کر کے فوراً اپنے آپ کو گرداب کے حوالے کرنا ہوگا۔

یہ پتھر ایک اشارہ ہے "ہاتھ" کا، سیدھے ہاتھ کا، مگر کس کا؟ اللہ کے سیدھے ہاتھ کا۔

"الحجر الاسود یمین اللہ فی ارضہ!"

ایک تنہا شخص اس لیے کہ اکیلا زندگی گزار سکے، ایک تنہا قبیلہ اس لیے کہ صحرا میں کوئی اس کا حمایتی ہو، کسی قبیلہ کے سردار یا کئی قبیلوں کے ساتھ معاہدہ کرتا تھا اور اس طرح وہ اس کا یا ان کا حلیف بن جاتا تھا۔ اور اس طرح یہ سب ایک دوسرے کے اچھے معاھد اور اچھے حمایتی بن جاتے تھے، لوگ کسی کام یا کسی بڑی بات کے سلسلے میں کسی بڑی شخصیت کے ساتھ معاہدہ کرتے تھے اور اس معاہدہ کا نام بیعت تھا۔ اور اس کی شکل؟

تم جب کسی قبیلے کے سردار یا کسی رہبر و رہنما کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے تو اپنا سیدھا ہاتھ آگے لاتے تھے اور وہ اپنے سیدھے ہاتھ (یمین) کو تمھارے

سیدھے ہاتھ پر رکھتا تھا اور اس طرح تم اس کی بیعت میں آجاتے تھے اور اس کے حلیف بن جاتے تھے۔

اور رواج تھا کہ جب تمہارا ہاتھ بیعت کے لیے کسی اور کے ہاتھ میں جاتا تھا تو وہ پچھلی بیعتوں سے آزاد ہو جاتا تھا۔

اور اب اس عظیم انتخاب کی گھڑی میں کہ جو تمہارے ہدف اور تمہاری سرنوشت کو متعین کرتی ہے اور اس سمے جب کہ تم اپنے اقربا کو چھوڑ کر دوسروں میں ڈوب جانے، لوگوں میں اپنے آپ کو ملانے اور مجمع سے ہم آہنگ ہونے کا عزم کر رہے ہو تو آغاز میں یہ ضروری ہے کہ تم اللہ کے ساتھ بیعت کرو۔

خُدا نے اپنے سیدھے ہاتھ کو تمہارے سامنے کھول دیا ہے۔ اب تم بھی اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے ساتھ بیعت کر لو اور اس کے معاہد بن جاؤ۔ اپنے تمام پچھلے عہد و پیمان کو توڑ دو، ان سب کو منسوخ کر دو، اپنا ہاتھ زر، زور، مکر و فریب، زمین کے خداؤں، قبائلی سرداروں، اشرافِ قریش، "مالکانِ بیوت"! اور ان سب کی بیعت سے اٹھا لو اور آزاد ہو جاؤ!

یداللہ فوق ایدیھم!

اللہ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ پر محسوس کرو، اسے مَس کرو، یہ ہاتھ ان ہاتھوں پر ہے جنھوں نے تمہارے ہاتھ کو اپنی بیعت پر باندھ لیا ہے!

اب جب تم نے دوسروں کی بیعت سے آزادی حاصل کر لی، خدا کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا، اپنے میثاقِ فطرت کی تجدید کی، "مسئول" بنے اور خدا کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو گیا تو اپنے آپ کو خلقت میں سمو دو، رکو نہیں، چل دو اور اپنے مدار کو ڈھونڈو، اس کا انتخاب کرو اور مجمع میں کود پڑو اور طواف کی منزل میں آؤ۔

اس چھوٹی سی نہر کی طرح کہ جو ایک عظیم اور طاقتور ندی سے ملتی ہے تم بھی قدم بہ قدم اپنے ٹھہرے ہوئے وجود اور الگ رہ جانے والی ذات سے دُور ہونے لگو گے اور مجمع میں شمولیت اختیار کرو گے، تمھارا طواف شروع ہو گا اور تم یہ کوشش کرو گے کہ اپنے دائرۂ طواف کے مدار کو "گھر" سے قریب تر کر لو، تمھیں محسوس ہو گا کہ تم "اکیلے نہیں جا رہے ہو"، "پورا مجمع تمھارے ساتھ جا رہا ہے۔" اور پھر آہستہ آہستہ تم پر ظاہر ہو گا کہ "تم خود نہیں جا رہے ہو۔"، "مجمع تمھیں لے جا رہا ہے۔" جن پاؤں نے تمھیں فردیت پر قائم رکھا تھا انھوں نے تمھارا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور وہ بیکار ہو گئے ہیں۔ مجمع کی قوت، مجمع کی حرکت، مجمع کے عزم، مجمع کے کھچا کھچ اور قانونِ عالم نے تمھیں سختی سے اپنی آغوش میں جکڑ رکھا ہے۔ اب تم اپنے پیر پر نہیں ہو، غیر کے ہاتھ میں نہیں ہو۔ سرے سے ہو ہی نہیں! فقط مجمع ہے۔ جس قدر اندر آنے کی کوشش کرو گے لوگوں کا دباؤ تم پر زیادہ ہوتا چلا جائے گا اور تم کستے چلے جاؤ گے۔

مجمع تمھیں، جو ابھی تک اپنی "میں" پر قائم ہو، برداشت نہیں کر سکتا، وہ تمھیں ختم کرے گا، جذب کرے گا، ہضم کرے گا اور پھر تم اس کے متحرک اور زندہ و جاوید پیکر میں خون کا قطرہ بن کر دوڑو گے۔

لیکن اب تمھارا یہ سفر "اپنے میں" نہیں ہو گا، "مجمع" میں ہو گا۔

تم مجمع میں شمولیت اختیار کرو گے،

لیکن "سیاست" کی بنیاد پر نہیں، "عشق" کی اساس پر!

اور پھر خدائے ابراہیمؑ کو دیکھو کہ اس نے اپنی ذات سے بندے کے ملاپ کو، اجتماع سے فرد کے ملاپ کے ساتھ کس طرح متصل کیا ہے، کس خوبصورتی اور کتنے لطیف اور عمیق انداز کے ساتھ وہ تمھیں اپنے عشق کی کشش پر، اجتماع کی

طرف کھینچ رہا ہے۔

تم اس کے دیدار کے لیے آئے ہو اور اپنے آپ کو لوگوں کے مجمع میں پا رہے ہو۔ اس نے تمھیں اپنے گھر دعوت دی اور تم اس کی خلوت دیدار کے عشق میں اتنی دور سے یہاں آئے ہو۔

اور وہ کہہ رہا ہے کہ:

مجمع میں اُتر جاؤ، مجمع کے ساتھ چلو، "گھر" میں داخل نہ ہو، "گھر" کے پاس کھڑے نہ ہو، یہاں تک کہ "گھر" کا رخ اختیار نہ کرو، "گھر" کے رو در رو طواف نہ کرو، مجمع کے کندھے سے کندھا ملا کر چلو، رُخ آگے کی طرف رکھو۔ کعبہ قبلہ ہے، اگر تم نے طواف میں اپنا رُخ مدار سے ہٹا کر کعبہ کی طرف کیا تو اپنے طواف کو تباہ کیا! توقف نہ کرو، دائیں یا بائیں جانب نہ جاؤ، نہ پلٹو، اپنا سر پیچھے کی طرف نہ پھیرو، تم "کعبہ کے پاس" ہو اس کی زیارت نہ کرو، قبلے کے قریب ہو، قبلہ کو نہ دیکھو اس لیے کہ قبلہ تمھارے منہ کے سامنے ہے۔

اس وقت تم نظامِ آفرینش کا ایک حصّہ بن گئے ہو، تمھارا قدم اس منظومہ کے مدار میں ہے، تم خورشیدِ عالم کے دائرۂ جذب میں آگئے ہو اور ایک ستارہ کی طرح بائیں جانب سے داہنی طرف طواف کر رہے ہو۔ تمھارا یہ طواف خدا کے گرد ہے، تم چکر پر چکر لگا رہے ہو، آہستہ آہستہ تمھیں احساس ہو رہا ہے کہ تم ہیچ ہو گئے ہو، تم نے اپنے آپ کو بھلا دیا ہے اور اپنی حالت پر واپس نہیں آ رہے ہو، بس عشق ہے، کششِ عشق ہے اور تم ایک مجذوب!

طواف پر طواف کا عالم ہے اور تمھیں ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ کہیں کوئی شئے نہیں، صرف "وہ" ہے۔ اور تم عدم ہو۔ "ایک ایسا عدم کہ جو اپنے وجود کا احساس کر رہا ہے۔"

یا : وہ وجود کہ جو اپنے عدم کو محسوس کر رہا ہے "!

تمھارا یہ طواف ابھی باقی ہے اور تم محسوس کر رہے ہو کہ تم ایک نقطہ ہو اور اس طواف نے اسے ایک خط بنا دیا ہے ، تم اب ایک مدار بن گئے ہو اور تمھارا پورا وجود ایک حرکت ، ایک طواف اور ایک حج ہے : اُس کا طواف ، اُس کا حج اور تم ایک مکمل "تسلیم" ! ایک توکل ، ایک تفویض' آزادی سے کہیں بلند ، اور یہ وہ جبر ہے جسے تم نے خود اختیار کیا ہے !

عشق اپنی معراج پر پہنچ گیا ہے ، عشق کو ، مطلق تک رسائی حاصل ہو گئی ہے اور تم نے اپنی ذات سے تجرید اختیار کی ہے ۔ تم مجرّد ہو گئے ہو اور تمھیں محسوس ہو رہا ہے کہ تم ذرّہ ذرّہ اس کے اندر پگھل رہے ہو ، ذرّہ ذرّہ اس میں محو ہو رہے ہو ، سراپا عشق ہو رہے ہو ، فدا ہو رہے ہو !

اگر عشق کو حرکت کے عمل میں بیان کرنا چاہیں تو یہ حرکت کیسی رہے گی ـــــ ؟

پروانہ نے کب کا ، یہ سبق ہمیں سکھایا ہے ۔

کعبہ مرکزِ عشق ہے اور تم اس حیران کن دائرہ میں ایک پُرکار و فعّال نقطہ ہو !

ہاجرہ نے ہمیں سکھایا ہے ۔

بلند پایہ معشوق ، انسان کا عظیم معاہد ـــــ خدائے بزرگ و برتر ـــ اسے حکم دیتا ہے کہ اپنے شیر خوار بچے کو اٹھاؤ اور شہر و دیار و آبادی سے ہجرت اختیار کرو اور اس ہولناک درّہ میں آؤ کہ جہاں گھاس ، تنکا حتیٰ کہ بیابان کی خار دار جھاڑی بھی سر اٹھاتے ہوئے ڈرتی ہے ۔

اور وہ سراپا تسلیم ، اس حکم کی تعمیل کرتی ہے ۔ وہ حکم کہ جسے صرف

عشق مان سکتا ہے اور صرف عشق ہی سمجھ سکتا ہے!

ایک تنہا عورت، ایک تنہا بچّہ، اِس غضبناک، خشک اور برستی ہوئی آگ والے کوہستانی سلسلے میں واقع درّہ کی گہرائی میں کہ جو آبادی سے بہت دُور کے فاصلے پر ہے اور جس کے پتھر گویا پگھلی ہوئی آگ کے منجمد ٹکڑے ہیں، بھلا کس طرح اور کیونکر رہ سکتے ہیں۔

نہ وہاں پانی ہے اور نہ آبادی اور نہ لوگ!

لیکن ......، اُس کا حکم ہے، اُس نے چاہا ہے، توکّل' اور توکّلِ مطلق .... یہ وہ بات ہے جسے عقل، قانون اور منطق سمجھ نہیں سکتی۔ زندگی...... پانی مانگتی ہے، بچّہ دودھ چاہتا ہے، انسان کو انیس کی ضرورت ہوتی ہے، عورت، سرپرست کی خواستار ہوتی ہے، ماں کو حامی چاہیئے ہوتی ہے تنہا بے یار و ناتواں کو مددگار کی ضرورت ہوتی ہے ......

مگر یہ عشق ہے کہ جو تمام نفیوں کی جانشین ہوتی ہے۔ عشق کے ساتھ جیا جا سکتا ہے۔ اگر روح، عشق کو سمجھ لے تو خالی ہاتھوں سے لڑا جا سکتا ہے۔ اگر مجاھد عشق سے مسلّح ہو تو کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔

اے تنہا کنیز، اے عاجز و ناتواں، اے طفل، اے ماتا، اس پر تکیہ کر، اِس پر اعتماد کر، اِس پر توکّل کر ــــــ!

'سات چکّر پورے کر کے تم طواف سے باہر آتے ہو،

سات چکّر؟ ہاں۔

یہاں سات، چھ جمع ایک نہیں، یعنی میرا طواف خدا کے گرد' یعنی میرا ایثار خلقِ خدا پر، ابدی ہے، لامتناہی ہے۔ میں خلقِ خدا کی راہ میں

اس کے گرد گھومتا رہوں گا۔ یہ حج ہے، زیارت نہیں۔
اور یہاں سات کا عدد "دنیا کی خلقت" کو یاد دلاتا ہے۔
کیا تم طواف میں اپنے آپ کو دنیا کے ذرّوں میں سے ایک ذرّہ نہیں سمجھ رہے تھے؟
کیا ایک مرکز کے گرد طواف، عالمِ وجود کی ایک تمثیل نہیں ہے؟
جہاں مبنیٔ توحید، اور اس کی تفسیر "حرکت" میں!
اور اب "مقامِ ابراہیمؑ" میں دو رکعت نماز۔
یہ کون سی جگہ ہے؟
اس جگہ وہ پتھر نصب ہے کہ جس پر ابراہیمؑ کے پیروں کے نشان ہیں اور اس پر کھڑے ہو کر ابراہیمؑ نے حجر الاسود ـــــ کعبہ کی سنگِ بنیاد ـــــ کو رکھا ہے۔
آپؑ نے اس پر کھڑے ہو کر کعبہ کی تعمیر کی ہے۔
یہ انسان کو ہلا دینے والی بات ہے!
کوئی بات سمجھ میں آئی ـــــــــ؟
یعنی کہ "ابراہیمؑ کے نقشِ قدم پر پاؤں"! کس کا؟ تمھارا!
واہ، یہ توحید انسان کے ساتھ کیا کچھ کرتی ہے! کتنی دشوار منزل ہے! کبھی یہ تمھیں کچھ کی منزل سے بھی باہر نکال دیتی ہے اور کبھی "سب کچھ" کر دیتی ہے، کبھی تمھارے "تم ہونے" کو برداشت نہیں کرتی، تمھیں کہیں کا نہیں چھوڑتی اور کبھی ملکوتی بلندیوں کی انتہا تک لے جاتی ہے اور خدا کے زانو بہ زانو بٹھا دیتی ہے، حرمِ خلوتِ خدا میں تمھارا داخلہ کرتی ہے، خانوادۂ خدا کے نام سے تمھیں یاد کرتی ہے اور خدا کے روپ میں تمھیں دیکھتی ہے۔

اور یہ بھی کرتی ہے کہ تمھیں مارتی ہے، کوٹتی ہے، تمھاری نفی کرتی ہے، تمھیں تحلیل کرتی ہے، تحقیر کرتی ہے، تمھارے سر کو بندگی پر پابند کرتی ہے، تمھاری پیشانی کو سجدے کی خاک پر گراتی ہے اور پھر کہتی ہے:

اے دوست! اے رفیق، میری تنہائی کے ہمدم، میرے حرم اور میرے اسرار کے محرم، میرے امانتدار، میرے مخاطب، میرے مقصدِ خلقت، میرے مونسِ خلقت........

ابھی کچھ دیر پہلے، ساحلِ گردابِ طواف میں اس نے تمھیں اپنے عتاب کا نشانہ بنایا تھا، اس وقت جب تم اپنے "تم ہونے" کو لیے کھڑے تھے اور تم نے اپنی فردیت کے پاؤں کو قائم رکھا ہوا تھا اور خلقت کے پاس کھڑے ہو کر ان کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ وہ تمھیں ایک بے مقدار ذرّہ "بدبودار کیچڑ" خشک مٹی "سیلاب کی تہ نشین گاد کی پپڑی" ایک ٹھیکرا اور کوزہ گر کی مٹی کا ایک قطعہ، کہہ رہی تھی۔ یہ بہتا ہوا سیلاب ـــــ کہ جس میں حرکت بھی ہے اور مقصد بھی، جو حج کر رہا ہے، جو رُکتا نہیں ہے، جو گندگی سے پاک ہے ـــــ چلتا جا رہا ہے، صاف ستھرا، پرجوش و خروش، راہ کی ہر رکاوٹ کو توڑتا ہوا، صخرہ شکن، سد شکن، اور پھر باغ و آبادی بھی اس سے سیراب ہو رہے ہیں، صحراؤں کو بہشت بھی بنا رہا ہے۔ اب اگر تم نے اس سیلاب سے اپنے آپ کو روکا تو گاد بن کر زمین پر چپک جاؤ گے اور پھر خشک ہو کر سخت ہو جاؤ گے، پپڑی بن جاؤ گے اور تم پر دراڑیں پڑ جائیں گی:

"صلصال کالفخار"!

تم زمین کو، کھیتوں کو اور پھول پودوں کو ڈھک دو گے کفر اور ان ہزار ہا ہزار بیجوں کو قلبِ خاک میں دفن کر دو گے، سڑا دو گے،

مار دو گے، مٹا دو گے کہ جن میں اُگنے، بڑھنے، پھوٹنے، خاک سے سر اٹھانے کھلے آسمان کے نیچے پنپنے، برگ و بار دینے اور آفتاب کے نیچے لب کھولنے کا شوق و ولولہ موجیں مارتا ہے۔

"وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا۔" [1]

سیلاب اپنی رو میں ہے، مست اور صاف و شفاف۔ حیات بخش اور مسیحا دم!

اور تم ایک گڑھے میں، فردیت اور رہبانیت کے ایک گوشے میں، اپنی خودی کے جوہڑ میں، ساکن و محبوس تنہائی میں اور فردیت کے حصار میں پڑے ہو کہ اس سے لذت حاصل کرو یا پھر ریاضت کو اپنا شغف بناؤ......

سڑ جاؤ گے، متعفن جوہڑ بن جاؤ گے، سیکڑوں امراض کے کیڑے تمھارے دل میں گھر کر لیں گے، ان کی نسلیں تمھارے بدن میں بڑھتی بھی رہیں گی اور مرتی بھی رہیں گی اور تمھارا رنگ بدل جائے گا۔ چہرے میں تبدیلی آجائے گی، تمھارا ذائقہ اور تمھاری خوشبو بدل جائے گی، تم مردار کا مدفن بن جاؤ گے، عفونت بھرا تالاب ہو جاؤ گے، سڑ جاؤ گے، دلدل بن جاؤ گے:

---

[1] "والشمس" کے حیران کن سورہ میں خداوند عالم سورج کی، چاند کی، زمین کی، آسمان کی... اور نفس کی (اپنے باطن کی) قسم کھاتا ہے اور پھر اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ ــــ انسان کا اپنا فطری ــــ "نفس" (LE MOI) گویا ایک بیج ہے اور انسان ایک دہقان! "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰھَا۔" جس نے بھی اسے اگایا اس کی نشو و نما کی اس نے اس کا پھل کھایا۔ "وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا" اور جس نے بھی اسے خاک میں دفن کیا وہ ناکام رہا!

"حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ" !

" اے خوشا آمدن از سنگ برون
سرِ خود را بہ سرِ سنگ زدن
گر بُود دشت بریدن ہموار،
ور بود درہ ، سرا زیر شدن!

" واہ — کیا کہنے ..... پتھر سے باہر آنا ، اپنے سر کو سرِ سنگ سے ٹکرانا ، راستے میں دشت حائل تو اسے کاٹ کر نکلنا اور اگر درّہ درپیش ہو تو اس سے پھسل کر نیچے آنا ، کتنے شرف کی بات ہے ۔"

لیکن چونکہ تمھارا دل ایک متعفّن جوہڑ کی طرح ہے اس لیے وہ :

" راکد و ساکت و آرام و خموش" ہے !

جاری ہو جاؤ ، سیلاب بنو ،
ٹکراؤ ، رکاوٹوں کو دور کرو ، راستہ صاف کرو اور ......
...... باہر آؤ !

حج کرو — !

طواف کرنے والی خلقت کے گرداب میں اپنے آپ کو سمو دو ،
طواف کرو — !

اب جب تم نے کچھ دیر بعد اس طواف سے فراغت حاصل کی جہاں کہ تم جذبہ عشق سے سرشار خلقت کے بحرِ فنا میں غوطہ زن ہوئے اور "طواف کرنے والی انسانیت" کے گرداب میں اپنے آپ کو ڈبویا اور اپنے فنا پذیر وجود کو — کہ جو صرف اپنی ذات ہی میں گم رہتا ہے — خلق کے باقی رہنے والے وجود میں — کہ جس کا رُخ خدا کی طرف ہے — سمویا ۔ موجِ عدم میں تیر لیے،

خلق کی راہ گزر میں مدارِ خدا پر آئے اور لا تینا ہی فلک کے چرخ اور ابدیت کے مدار پر اپنے آپ کو پہنچایا تو ......

ابراہیمؑ بن گئے ــــــ !

ــــــ * ــــــ

مقامِ ابراہیمؑ

گردابِ طواف سے باہر آؤ، اسی نقطہ سے جہاں سے کہ تم نے اپنے آپ کو اس میں ڈال دیا تھا، جہاں سے تم نے موت سے حیات اور عدم سے وجود کو پایا، جہاں سے تم غروب ہوئے، ڈوبے۔ اب تم اپنی خودی کے اسی افق سے پھر طلوع کر رہے ہو ....

اسی اُفق "انا" سے ؛

اب تمھاری وہی "آہورائی ذات" وہی "خدائی روح"، جو تمھارے اندر تھی جو تمھارے گندے وجود میں تھی! گرداب سے سر نکالتی ہے۔

کہاں سے ــــــ ؟

اسی گوشہ سے جہاں سے کہ تم نے اپنے آپ کو اس میں ڈالا تھا۔ مگر اب تم نے خدا کے ہاتھوں تلے، اس کے سیدھے ہاتھ کے زیرِ عمل، اپنے آپ پالیا ہے اور اپنی ساری جھوٹی "منیت" یا جھوٹی "خودی" کی موت کے بعد سچی "خودی" تک پہنچے ہو ......

احرام کے پاک و پاکیزہ سفید لباس میں، حرمِ الٰہی کے اندر، ابراہیمؑ کے نقشِ پا کے سامنے، مقامِ ابراہیمؑ پر ایستادگی اختیار کرو، ابراہیمؑ کی جائے پا پر اپنا قدم رکھو، اللہ کے روبرو کھڑے ہو جاؤ اور نماز پڑھو۔

کون ابراہیمؑ ـــــــــ ؟

تاریخ کے عظیم بت شکن ، عالم میں بانی مبانیٔ توحید ، قوم کی ہدایت کے امین ، صابر پاپی ، آشوبگر ہادی ، ایک ایسے نبی کہ جن کے دل میں عشق ، پیکر میں درد ، سر میں نور ..... اور ہاتھ میں تبر ہے !

اِبراہیم ـــــــــ قلبِ کفر سے نمودِ ایمان ، شرک کے کیچڑ سے توحید کا اُبال ، گروہ بشریت کا وہ بت شکن کہ جس کا تعلق اس آزر کے گھر سے تھا کہ جو اپنے قبیلے کا بُت تراش تھا !

بُت شکن ، نمرود شکن ، جہل و جور کو کچلنے والا ، خواب کے دشمن ، ظلم کی سالمیت اور ذلت کی آسودگی کے آشوبگر ، قبیلے کے ٹھکرائے ہوئے رہنمائے تحریک ، اپنی ذات میں حیات و حرکت ، امید و آرزو ، جہت ، ایمان ، توحید ۔

ابراہیمؑ صفت ! آگ میں کود پڑو :

جہل و جور کی آگ میں ، تاکہ خلق خدا کو اس آگ سے بچا سکو ۔

اس آگ میں کہ جو ہر اس ذمہ دار انسان کی سرنوشت میں ہے ، جس پر نور و نجات کی ذمہ داری عائد ہے ۔

لیکن ..... خدائے توحید ، نمرودیوں کی آگ کو ابراہیمیوں پر گلزار کرتا ہے ۔

تم نہیں جلو گے ، راکھ نہیں بنو گے ، مقصد یہ تھا کہ تم راہِ جہاد میں ..... "آگ" تک جاؤ ۔

آگ سے لوگوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اپنے آپ کو آگ کے حوالے کرو ، ہولناک ترین شہادت کو گلے لگاؤ ۔

ابراہیمؑ صفت! اپنے اسماعیل کی قربانی دو، اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے گلے پر چھری رکھو۔

تاکہ مخلوقِ خدا کے گلے سے چھری اٹھا سکو، ان لوگوں کے گلے سے کہ جو زور آور محلوں تلے لوٹے ہوئے گنجینوں کی بنیاد پر، ذلت وضرار والے معبدوں کے آستانوں پر ذبح ہو رہے ہیں۔

تیغ کو اپنے اسماعیل کے حلقوم پر دھرو تاکہ تمھیں وہ طاقت حاصل ہو کہ تم تیغ کو جلاد کے ہاتھ سے چھین سکو!

لیکن...... ابراہیمؑ کا خدا، خود، اسماعیلؑ کا فدیہ بھیج دیتا ہے۔

اسماعیلؑ ذبح نہیں ہوگا، تم اپنے اسماعیل کو اپنے ہاتھوں سے نہیں کھوؤ گے۔ مقصد یہ ہے کہ تم ایمان کی راہ میں اپنے اسماعیل کو اپنے دونوں ہاتھوں سے ذبح کرنے کی حد تک آگے بڑھو...... اور اس منزل تک پہنچو کہ جو شہادت سے زیادہ دردناک ہے!

اور اب اس وقت، اے۔ کہ جو طوافِ عشق سے آ رہے ہو "مقامِ ابراہیمؑ" پر کھڑے ہو، مقامِ ابراہیمؑ تک تمھاری رسید ہو چکی ہے!

ابراہیمؑ جب یہاں پہنچے تھے تو اپنی جدوجہد بھری زندگی کے تمام مراحل سے گزر چکے تھے، بُت شکنی، نمرود شکنی، منجنیقِ عذاب، آگ کا خرمن، ابلیس سے جنگ، ذبحِ اسماعیلؑ اور....... ہجرت، نیز بے سروسامانی، تنہائی، تشدّد اور نبوّت سے امامت تک کا سفر...... اور پھر:

"فردیت" سے "جمعیت" اور "بُت تراش آزر کے فرزندخانہ" سے "بانیٔ خانۂ توحید" تک کی منزل سبھی کچھ اس میں شامل ہے۔

اور اب ان تمام مراحل سے گزر کر وہ یہاں کھڑے ہیں، سر پر

بڑھاپے کی برف پڑی ہے، عمر کے اس آخری حصّے میں کہ جو ایک مکمل تاریخ بن گئی ہے، اب وہ خانۂ کعبہ کی تعمیر پر مامور ہیں۔ حجرِ اسود نصب ہو رہا ہے، خانۂ خدا کی تعمیر ہو رہی ہے، دستِ خدا مصروفِ کار ہے، اسماعیلؑ مددگار بنے ہوئے ہیں اور پتھر لا لا کر باپ کو دے رہے ہیں، باپ اس پتھر پر کھڑے ہو کر گھر کی دیواریں بلند کر رہا ہے۔ گھر بن رہا ہے ـــــ!

حیرت ہے! اسماعیلؑ اور ابراہیمؑ، بنیادِ کعبہ کے شریکِ کار۔

اسماعیلؑ اور ابراہیمؑ! یہ آگ سے گزرے اور وہ مقتل سے! اور اب یہ دونوں مامورِ خدا، مسئولِ خلق اور زمین پر معبدِ توحید کے قدیم ترین معمار ہیں، اس گھر کے معمار ہیں کہ جو بنی نوعِ انسان کا پہلا گھر، تاریخ میں آزادی کا "آزاد گھر" کعبۂ عشق، مقامِ پرستش، حرم اور بارگاہِ "ستر و عفاف و ملکوت"، کا ایک اشاریہ ہے۔

اور تم اس وقت مقامِ ابراہیمؑ پر ہو اس جگہ کھڑے ہو جہاں کبھی ابراہیمؑ کھڑے تھے، صعودِ ابراہیمؑ کی آخری سیڑھی پر، ابراہیمؑ کی معراج کے نقطۂ اوج کی بلندی پر، تقرب میں ابراہیمؑ کے نزدیک ترین فاصلے پر، "مقامِ ابراہیمؑ" پر!

اور تم، کعبہ کے بانی، آزادی کے گھر کے معمار، توحید کے بانی مبانی، مسئول، عاشق، آگاہ، بُت شکن، قبیلے کے دُھتکارے ہوئے، جہلِ شرک سے نبرد آزما، جورِ نمرود کے شکار، خناس اور ابلیس کے وسوسوں سے لڑنے والے، بے سروسامانی کی اذیت کو جھیلنے والے، دکھ، درد، خطرات، آگ اور اپنے بیٹے اسماعیلؑ کی ذبح کی منزلوں سے گزرنے والے! تم نے اپنے یا اسماعیلؑ کے لیے سائبان بنانے کے بجائے لوگوں کے لیے گھر بنایا، بے یار و مددگار افراد

کے لیے سائبان کا انتظام کیا، پیچھا کیے جانے والوں، جائے پناہ ڈھونڈنے والوں، اور چھپنے کی جا تلاش کرنے والے ان زخمی شکاروں کے لیے پناہ گاہ بنائی کہ جو پوری زمین پر خونیں حالت میں گھبرائے پھرتے ہیں اور انھیں چھپنے کی کوئی جگہ نہیں ملتی اور ہر جگہ نمرود، ان کی تعقیب میں ہے۔

اس طرح شب یلدائی ظلمت میں ایک مشعل فروزاں ہوئی۔

اس شبِ ظلم میں، فریاد کی جا، عمل میں آئی۔

اور اس انسان کے لیے ایک آزاد اور پاکیزہ حریمی، و حرم امن وجود میں آیا کہ جو عیالِ خدا ہے، خاندانِ خدا ہے اور ہر جگہ ذلیل و رسوا اور غیر محفوظ ہے! اس لیے کہ اس زمین کو قحبہ خانہ بنا دیا گیا ہے، بڑا اور بے حرمت! اور ایک ایسی قتل گاہ ہے کہ جس میں جارحیت اور ترجیحات کے علاوہ سب کچھ حرام ہے،

اور تم کہ جو ابراہیمؑ کے کردار میں ظاہر ہوئے ہو، مقامِ ابراہیمؑ پر کھڑے ہو، اس مقام پر قدم رکھا ہے کہ جہاں ابراہیمؑ کے قدم تھے اور ابراہیمؑ کے خدا کے ہاتھوں پر تمھاری بیعت بھی رہی ہے،

تم ابراہیمؑ صفت زندگی گزارو اور اپنے دور میں کعبۂ ایمان کے معمار بنو۔ اپنی قوم کو، منجمد زندگی اور مردہ حیات کے دلدل سے باہر نکالو اور چین کی نیند، جور کی ذلت اور جہل کی ظلمت سے نکلنے کی ترغیب دو، جہت کی نشاندہی کرو۔ حج پر بلاؤ، طواف پر مائل کرو،

اور تم اے "خدا کے معاھد"! اے ابراہیمؑ کے قدم سے قدم ملا کر چلنے والے، اے وہ کہ جو طواف سے آرہے ہو جو طواف کرنے والوں کے ہجوم میں اپنے آپ کو مٹا کر ابراہیمؑ کے گروہ سے باہر آئے ہو، اور معمارِ کعبہ، بانیٔ مدینۂ حرم اور بانیٔ مسجد الحرام کے مقام پر کھڑے ہو اور تمھارا رخ "اپنے معاھد"——

اپنے خدا — کے سامنے ہے ،

تم اپنی سرزمین کے حدود کو حرم بناؤ ،

اس لیے کہ تم حدودِ حرم میں ہو ،

حرمت والے مہینے میں ہو

زمین کو مسجد الحرام بناؤ ،

اس لیے کہ تم مسجد الحرام میں ہو ؛

اس لیے کہ " زمین ، مسجدِ خدا ہے ۔"

اور تم دیکھ رہے ہو کہ : " نہیں ہے " !

سعی

نمازِ طواف کو تم مقامِ ابراہیمؑ میں ادا کر کے " مسعیٰ " کا ارادہ کرتے ہو جو صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان ، تین سو کچھ میٹر کے فاصلے پر ہے۔ سات بار ان دونوں پہاڑوں کے فاصلہ کو " سعی " کرتے ہو ۔

" صفا " کی بلندی سے اُتر کر راستہ طے کرتے ہو لیکن راستے میں جب تم کعبہ کے مقابل پہنچتے ہو تو راستے کے کچھ حصّے کو " ہرولہ " کرتے ہو اور پھر اپنے معمول کی چال میں باقی راستے کو کوہ مروہ تک سعی کے عمل سے گزارتے ہو۔

سعی ، تلاش ہے اور جستجو پیدا کرنے والی حرکت ہے ۔ دوڑنے بھاگنے والی ہدف کی حامل ہے ۔

طواف میں ، تم نے ہاجرہ کا رول ادا کیا ،

مقام میں ، تم ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ دونوں کے کردار کا آئینہ بنے ۔

اور اب تم سعی کی ابتدا کرتے ہو،

اور ایک بار پھر ہاجرہ کے رول میں واپس آتے ہو۔

سب ایک ہیں، یہاں ہر شکل، ہر قالب۔ تمام ظواہر، تمام عنوانات، تمام تشخصات، تمام شخصیتیں، تمام حدود، تمام سرحدیں، تمام فاصلے، تمام نشانیاں، تمام رنگ اور تمام صورتیں مٹ چکی ہیں اور صرف ایک عریاں انسان اور ایک عریاں انسانیت پیشِ نظر ہے۔

ایمان و عشق، عقیدہ و عمل اور اس کے بعد کچھ بھی نہیں!

یہاں کسی کے بارے میں گفتگو نہیں ہے، ابراہیمؑ، ہاجرہ اور اسماعیلؑ کے بارے میں بھی نہیں ہے۔ یہ سب یہاں کلمات ہیں اور معانی! نہ کہ افراد و اشخاص!

جو کچھ ہے، حرکت ہے اور ثبات، انسانیت ہے اور الوہیت اور ان کے درمیان واحد چیز: نظم ہے۔

اور حج یہ ہے، عزم کرنا، دائمی حرکت ثابت جہت میں۔ اور سارا عالم یہی ہے۔

اور اب،

سعی،

یہاں تم ہاجرہ کی منزل پر ہو!

ایک عورت: ہر فخر و مباہات سے عاری ایک افریقی تحقیر شدہ نسل، ایک کنیز، ایک سیاہ فام کنیز، حبشی، ایک عورت "سارہ" کی کنیز!

البتہ یہ سب عنوانات نظامِ بشری اور نظامِ شرک کے ہیں۔

لیکن نظامِ توحید میں ایسا نہیں ہے:

یہ کنیز مخاطبِ خدا ہے، خدا کے بڑے پیغمبروں اور اس رسول خدا کی ماں ہے کہ جو ان تمام خوبصورت ترین اور عزیز ترین اقدار کی تجلّی گاہ ہیں کہ جنھیں خدا وجود میں لاتا ہے۔

حج کی تمثیل میں یہ خاتون ممتاز ترین جانِ تمثیل اور منتخب ترین چہرہ ہیں۔

اور حرمِ خاص خدا میں، ایک تنہا عورت، ماں!

کہ جس نے بہ فرمانِ عشق اپنے دودھ پیتے بچے کو اُٹھایا اور شہر سے، آبادی سے، گھر بار سے، خاندان سے، سگوں سے جُدا ہو کر ان سنگلاخ، کٹھور اور کھُردرے پہاڑوں کے درمیان آگئی، بالکل اکیلی، بغیر کسی زادِ راہ یا کسی چیز کے۔

صرف عشق کی رفاقت کے ساتھ!

آئی، اپنے بچّے کو —— بہ فرمانِ خدا —— اس درّہ میں رکھا، اس تپتے ہوئے، خشک اور بے آب و گیاہ درّہ میں کہ جہاں نہ کوئی پتّا تھا اور نہ تنکا۔

ہولناک درّہ، تنہائی، موت!

توکلِ مطلق۔

—— ✳ ——

حیران کن بات ہے، خدا نے کہا ایسا کرو، میں، تمھاری، تمھارے بچّے کی، تمھاری زندگی کی، تمھارے مستقبل اور تمھاری روزی کی کفالت کروں گا'

تم اے ہاجرہ، اے مظہرِ تسلیم و خود سپردگی، عشق پر توکل اور عشق پر ایمان کی مضبوط چٹان، میری حمایت کے زیرِ سایہ ہو!

اور ہاجرہ نے تسلیم و طاعت کے ساتھ بچّے کو درّے کے درمیان رکھا،

اس لیے کہ خدا نے کہا تھا اور عشق نے چاہا تھا! لیکن تسلیم و رضا کی یہ مضبوط چٹان فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی اور مکّے کے گرد واقع ان خشک اور تپتے پہاڑوں میں تنہا پانی کی تلاش کو نکلی اور اِدھر سے اُدھر دوڑنے لگی۔

سرتاپا جدوجہد، تحریک، کوشش، حرکت، ہمّت، ارادہ،
اپنے آپ پر، اپنے پیروں پر، اپنے ارادے پر، اپنی فکر پر بھروسہ،

ایک عورت، ایک ماں، تنہا، سرگرداں، مسئول، راہِ تلاش میں، جستجوگر، عاشق، مومن، پریشان حال، دردمند، نہ کوئی حامی نہ کوئی جائے پناہ، نہ کوئی ٹھکانہ، نہ کوئی آسرا، نہ اس کا کوئی طبقہ، نہ کنبہ، نہ نسل، بے خانماں، بے امید...... امیدوار،

ایک اسیر، ایک غریب، ایک کنیز، بے کس، نفرت کی ٹھکرائی ہوئی، نظامِ اشرافیت کی دھتکاری ہوئی، طبقہ، نسل، اور ملّت کی ہنکائی ہوئی، حتیٰ کہ خاندان کی پھٹکاری ہوئی ——— ایک سیاہ فام کنیز اور آغوش میں ایک بچّہ۔ گھر، شہر، ملک اور برتر نسل کی ماری ہوئی، صحرائے غربت کی خستہ و خراب، دور پار کے کوہستان کی اسیر، اور اب تنہا، کوشاں، خستگی ناپذیر، مایوسی سے ناآشنا، پُرعزم، محوِ تلاش، پہاڑوں کے درمیان سرگرداں، اکیلی،

سربفلک پہاڑوں کے درمیان دوڑنے کے عمل میں!
جستجوئے آب میں،
ابراہیمؑ کے کلچر کا "پرومتھ" - خدا نہیں، ایک کنیز! بخشندہ آتش نہیں، بخشندۂ آب،
آب؟ ہاں آب! غیب نہیں، ماورا الطبیعہ نہیں، عشق

نہیں، خود سپردگی نہیں، تسلیم وطاعت نہیں، آبِ حیات نہیں، آبِ روح نہیں، آبِ معنی نہیں، اشراق نہیں، آسمان نہیں۔ نہیں، نہیں، نہیں....
پینے کا پانی،

وہ نہیں جو آسمان سے برستا ہے، وہ کہ جو زمین سے ابلتا ہے۔

مادّیؔ مادی! یہی سیّال مادہ جو زمین پر بہہ رہا ہے اور مادّی زندگی اس کی پیاسی ہے، بدن اس کا طالب ہے، جو تمھارے بدن میں خون بنتا ہے، پستانِ مادر میں دودھ کی شکل اختیار کرتا ہے اور بچّے کے منہ میں پانی ہے ——!

پانی کی جستجو میں سعی، کہ جو مادّی اور زمینی زندگی کی مظہر ہے، جو آدم اور مٹی کے پیوند میں ایک ضرورتِ عینی ہے جو اس دنیا کی بہشت اور مائدۂ زمینی ہے!

اور سعی: ایک مادی عمل، ایک مادی تلاش۔ پانی اور روٹی کے لیے تگ و دَو، تاکہ تم اپنی پیاس بجھاؤ، اپنے بچّے کی بھوک مٹاؤ اور ایک اچھی زندگی گزارو، کوئی پیاسا منتظر ہے اور تم مسئول، اس دھکتے صحرا میں چشمے کی تلاش ایک ذمّہ داری ہے تاکہ اپنی کوششوں کو بروئے کار لاکر تم پانی کی سوغات لاسکو۔

سعی: خاک پر اور زمین پر ایک جستجو، تاکہ تم اپنی ضرورت کو سینۂ فطرت سے نکالو تاکہ قلبِ سنگ سے پانی حاصل کرو۔

سعی: مادیتِ مطلق۔ ضرورتِ مادی، عملِ مادی، ھدفِ مادی ——! (اور یہ ہے:)

اقتصاد، فطرت، تلاش!

یعنی : ضرورت ، مادیت اور انسان!

تعقلِ مطلق ــــــ!

حیرت ہے ! سعی سے طواف تک ، چند قدم ، چند دقیقے اور اتنی طویل راہ ، اتنا طویل فاصلہ۔

دو ضدوں کا فاصلہ ، دو نقیض ــــــــــ!

طواف ــ ، عشقِ مطلق

اور سعی ــ ، عقلِ مطلق

طواف ــ ، ہمہ "او" !

اور سعی ــ ، ہمہ "تو" !

طواف ــ ، جبرِ الٰہی اور بس

اور سعی ــ ، انسانی اختیار اور بس

طواف ــ ، ایک پروانہ کہ جو شمع کے گرد گھومتا ہے ، گھومتا ہے یہاں تک کہ جل جاتا ہے ، راکھ ہو جاتا ہے ، تباہ و برباد ہوتا ہے ، ہیچ ہو جاتا ہے ، محوِ عشق ہوتا ہے ، نور میں اپنی ہستی کو مٹا دیتا ہے اور نفی ہو جاتا ہے۔

اور سعی ــ ، سخت و سیاہ پہاڑوں کی بلندیوں پر ایک عقاب' کہ جو اپنے بلند ہمت پروں کے ساتھ پرواز کرتا ہے اور اپنی خوراک کو ڈھونڈ کر تہِ سنگ سے اس کو اڑا لیتا ہے۔!

آسمان و زمین اس کے مسخر ہیں ، ہوائیں اس کی

پرواز میں رام ہیں، دور کے اُفق اس کی پرواز
کی سرحدوں کے جولانگاہ ہیں اور زمینوں اور
پہاڑوں کے سخت پتھر اس کی دو تیز اور غرور آفریں
نگاہوں کے مقہور و مطیع ہیں!

طواف —، انسان ہے، خود باختۂ "حقیقت"
اور سعی —، بشر ہے، خود ساختۂ "واقعیت"
طواف —، انسانِ متعال
اور سعی —، انسان مقتدر
طواف —، عشق، پرستش، روح، زیبائی، ایثار،
شہادت، اخلاق، خیر، اقدار، معنویت
ذہنیت، حقیقت، ایمان، تقویٰ، ریاضت،
خشوع، بندگی، عرفان، اشراق، دل،
تسلیم، تفویض، مشیت، ماوراء، آسمان،
غیب، جبر، طاعت، توکل، دیگرافراد،
لوگ، دین، آخرت، معاد اور خدا۔
وہ جو روح مشرق کو مضطرب رکھے۔
اور سعی —، عقل، منطق، ضرورت، زندگی، واقعیت،
عینیت، زمین، مادّہ، طبیعت، برخورداری،
ادراک، علم، صنعت، مصلحت، نفع،
لذّت، تمدّن، اقتصاد، غریزہ، جسم، اختیار،
ارادہ، تسلّط، دنیا، قدرت، معاش،

اور خود۔

وہ سب کچھ جس نے یورپ کو تلاش و جستجو پر
قائم رکھا ہے ــــــ!

طواف ــ، خدا اور بس
اور سعی ــ، بشر اور یہی
طواف ــ، روح، اور کچھ نہیں!
اور سعی ــ، جسم، اور دیگر ہیچ!
طواف ــ، "رہ جانے" کا قلق، "دغدغۂ فلک"
اور سعی ــ، لذّت "زلیست"، "سکونِ خاک"
طواف ــ، جستجوئے "عطش"
اور سعی ــ، جستجوئے "آب"
طواف ــ، پروانہ
اور سعی ــ، عقاب

اور حج، جمع ضدّین، تضادی تحلیل کہ جس نے بشریت کو پوری تاریخ میں اُلجھایا ہوا ہے:

میٹریالیزم یا آئیڈیالیزم؟ عقل یا اشراق؟ دنیا یا آخرت؟ برخورداری یا زہد؟ زمینی مائدے یا آسمانی مائدے؟ مادّیت یا معنویت؟ ارادہ یا مشیت؟ اور بالآخر خدا پر تکیہ یا اپنے آپ پر ــــــ؟

اور خدائے ابراہیمؑ تمھیں سمجھاتا ہے کہ:

ہر دو! از روئے تعلیم، بصورتِ تدریس۔ مگر فلسفہ کے ذریعے نہیں، عرفان کے ذریعے نہیں، علم کے ذریعے نہیں، کلمات سے نہیں بلکہ ایک

مثال ہے ، ایک " انسان " ہے ۔

اور یہ " انسان" وہ ہے کہ ساری دنیا کے فلسفیوں ، عرفان کے متوالوں اور ایمان و حقیقت کے متلاشیوں کو چاہیئے کہ وہ اس سے خدائے بزرگ و برتر کے سبق کو حاصل کریں ،

پر وہ ہے کون ـــــــ ؟

پھر وہی ایک عورت کا چہرہ ، ایک سیاہ فام عورت ، ایک حبشی عورت ، ایک کنیز ،

ہاجرہ ! ایک ماں !

کہ جو بہ فرمانِ " عشق " اپنے آپ کو بطور مطلق " اُس کے " حوالے کرتی ہے اور اپنے بچّے کو ، شہر و دیار و گھر بار سے اس ویران و اُجاڑ بے آب و گیاہ تپتے درّہ میں لاتی ہے اور یہیں زمین پر اسے رکھ دیتی ہے ۔

بھرپُور توکّل ، ایمان کی طاقت سے ہر طرح کے حساب کتاب کی نفی ، عشق پر بھروسہ ، " اُس " پر تکیہ اور بس !

طواف ! مگر پارساؤں اور عبادت گزاروں کی طرح وہ بچّے کے پاس کسی معجزہ کے انتظار میں بیٹھی نہیں رہتی تاکہ غیب سے کوئی ہاتھ باہر نکل کر اس کے لیے کچھ کرے ، آسمان سے کوئی مائدہ اُترے ، جنّت سے کوئی نہر جاری ہو ، اور توکل ۔ ضرورت کو پوری کرے ۔

بچے کو " عشق " کے حوالے کرتی ہے اور بے دھڑک " سعی " کے لیے اٹھ کھڑی ہوتی ہے ۔ اپنے " ارادے " کے دو پیروں کی دوڑ اور " اپنی طاقت " کے دو ہاتھوں کی جستجو کے ساتھ ۔

اور اب اطرافِ مکہ کے خشک اور ویران پہاڑوں کے درمیان ایک

"تنہا" ، "تشنہ" ، "مسئول" ، "غریب" اور "سرگرداں" ، انسان "پانی" کی بے سود جستجو میں سرگرمِ عمل ہے۔

حیرت ہے! ہاجرہ کے بارے میں گفتگو ہوتی ہے یا "انسان" کے بارے میں ــــــــ؟

تاہم "ہاجرہ کی سعی" شکست پر ختم ہوتی ہے اور وہ بچّے کے پاس ناامید واپس لوٹتی ہے،

اور حیرانی سے دیکھتی ہے کہ ــــــــ دامنِ عشق کے حوالے کیے جانے والے اس بچّہ نے پیاس کی بے تابی میں اپنی ایڑیوں کی رگڑ سے ریتلی زمین میں گڑھا کر ڈالا ہے۔ انتہائی نومیدی میں، بے سود کوششوں کی انتہا پر، اس لمحہ میں کہ جس کی پیش گوئی نہیں ہوسکتی تھی، اس جگہ سے جہاں سے کہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی، اچانک، ایکبارگی، معجزانہ طور پر:

احتیاج کے زور اور رحمتِ مہر سے

ایک زمزمہ سنائی دیتا ہے!

"پانی کے چاپ کی آواز"،

زم زم!

ایک حیات بخش اور خوشگوار پانی کا بھرپور اُبال، پتھر کی گہرائی سے!

اور اس منزل پر ایک سبق!

حصولِ "آب" بذریعہ عشق، بذریعہ "سعی" نہیں،

لیکن،

"سعی کے بعد" ہے

"گرچه وصالش ، نہ بکوشش دہند
آن قدر ای دل کہ توانی ، بکوش"!

(گو کہ اس کا وصال، کوشش سے نہیں ملتا تاہم اے دل جتنی تمھارے بس میں ہے کوشش کرو)

تلاش کرو ! اے عشق پر بھروسہ کرنے والے ، کوشش کرو ! ایمانِ محض اور توکلِ مطلق کے ساتھ !

سات بار ، بالکل طواف کی تعداد کے برابر ،

لیکن دائرہ کی شکل میں نہیں ، اس لیے کہ گرداگرد جستجو کولہو کے بیل والی جستجو ہے ، باطل ، چکر ہے ، آخر میں جاکر پھر اسی جگہ پہنچتے ہو جہاں سے چلے تھے ، یعنی : "عبث" ، "لاحاصل" ، "پوچ" کھوکھلا دائرہ ، مقصدیت سے عاری ، بے مقصد ، بے ھدف ! گویا صفر۔

کام کرنا ، کھانے کے لیے ـــــ کھانا ، کام کرنے کے لیے اور آخر میں ؟ موت !

جینا ، جینے کے لیے نہیں ، بلکہ خدا کے لیے ،

سعی ، سعی کے لیے نہیں ، بلکہ خلقِ خدا کے لیے ،

اور حرکت ، ایک مستقیم خط پر ، دائرہ میں نہیں ، راہ پر ، ہجرت میں ، آغاز سے انجام کی طرف ، مبدا سے مقصد کی طرف ،

بدایت سے نہایت کی طرف

صفا سے مروہ کی طرف

جانا اور واپس آنا ، سات بار ، تکرار ، لیکن "طاق" ، "جفت" نہیں ، جب تک سعی ، صفا میں انجام کو نہ پہنچے اور تم اس جگہ نہ پہنچو جہاں

سے کر چلے تھے،

سات بار، یعنی ہمیشہ، خستگی ناپذیر، تمام عمر، جب تک "مروہ" میں اپنے مقصد پر نہ پہنچو!

کیا:

"صفا" سے آغاز، دوسروں کو دل سے چاہنا ہے؟

اور "مروہ" تک انجام، "نہایتِ انسانیت" یعنی مروّت اور دوسروں کے عیوب اور ناہنجاریوں سے متانت کے ساتھ گزر جانا ہے؟

کون دوسرے؟ سعی میں تمھارے ہمگام؟

معلوم نہیں؟

لیکن جو بات معلوم ہے وہ یہ ہے کہ:

عشق میں ——— "اپنی نیست طلبی" کے گرداب سے باہر نکلو، ابراہیمؑ کی جائے پا پر اپنا قدم رکھو اور پھر ہاجر صفت، "اے تنہا"، "پردیسی" "خراب وخستہ" اور بے آب وگیاہ زمین میں "جلاوطن" کیے جانے والے انسان۔ اے "مسئول"، "تشنہ"، اور سرابِ زندگی میں "جستجوگرِ آب"!

"صفا" کی پہاڑی پر اُبھر آ، سرگرداں اور مصروفِ تلاش انسان کی سفید نہر کو دیکھ، دیکھ کہ وہ کس طرح بے قرار وعطشناک، صفا کی بلندی سے نیچے کی طرف اُتر رہی ہے اور اس سنگلاخ تپتے صحرا پر جستجوئے آب میں دوڑ رہی ہے اور مروہ کی سمت بڑھتی جارہی ہے اور مروہ کے بلند پہاڑ سے اوپر چڑھ رہی ہے، پانی اسے نہیں مل رہا ہے اور وہ خالی ہاتھوں، "گھبرائی ہوئی آنکھوں اور سوکھے ہونٹوں کو لیے واپس لوٹ رہی ہے۔ اور پھر انتہا میں وہ صفا کی خشک پہاڑی پر پہنچتی ہے اور دیکھتی ہے کہ انتہائے راہ میں

اسی جگہ پہنچی ہے جہاں کہ وہ تھی ۔ وہ پھر واپس لوٹتی ہے اور تیز تیز قدموں ایک بار پھر مروہ پہنچتی ہے جہاں پر کہ وہ تھی ، اور پھر وہاں سے واپس آتی ہے اور تیز رفتاری سے صفا پہنچتی ہے ، اسی جگہ پر جہاں کہ وہ تھی ، ایک بار پھر وہ تیز قدموں سے واپس جاتی ہے اور پھر .... اسی طرح سات بار ! (یعنی) ہمیشہ تک !

اور پھر بھی پانی اسے نہیں ملتا ، لیکن وہ مروہ پہنچتی ہے !

اور تم ، اے بوند بھر پانی ، اپنے آپ کو صفا کی بلندی سے ، اس سرگردانی ، تلاش اور عطش کی سفید نہر میں ڈال دو !

ہجوم کے سیلاب میں ڈوب جاؤ ، نیچے اترو ، سب کے قدم بہ قدم سعی کرو ۔

بیچ راہ میں کعبہ کے مقابل پہنچو تو " ہرولہ " کرو ۔ اسی طرح جس طرح سب کرتے ہیں ۔

---

[1] ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ میں اس کے ساتھ سعی کروں ، کیونکہ ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ یہ عہد کیا تھا کہ ہم ایک بار پھر حج کریں گے اور اس حج میں ایک دوسرے کے ساتھ ہوں گے ۔ لیکن ملک الموت نے اسی سال اس کو مجھ سے چھین لیا اور مجھے تنہا حج کرنا پڑا ، مگر میں ہمیشہ اسے اپنے ساتھ

---

[1] ڈاکٹر علی شریعتی نے اپنی تحریر کے اس حصے کو علیحدہ لکھا اور اس کے حاشیے میں یہ جملہ تحریر کیا : سعی کے موضوع کو صحیح ترتیب کی ضرورت ہے اور شاید بعض مطالب کو آگے پیچھے کرنا پڑے ۔

پاتا تھا، تمام مناسک کو ـــــ گام بہ گام ـــــ ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ ادا کیا، لیکن پتہ نہیں کیوں وہ سعی میں میرے ساتھ زیادہ رہا، میرے لیے وہ ایک تابندہ ظہور اور زندہ و پرتپاک حضور کا حامل تھا، مجھے اس کے پیروں کی آواز سنائی دیتی تھی اور لگتا تھا کہ وہ پریشاں حال دوڑ رہا ہے میں اس کی گرم تشنہ اور عاشقانہ سانسوں کو بہت صاف محسوس کر رہا تھا۔ میں نے تنہا ہی اپنے آپ کو لوگوں کے اس پیاسے اور حیرت انگیز سیلِ خروشاں میں جھونک دیا جو سراسیمہ اِدھر سے اُدھر دوڑ رہے تھے۔ لیکن میں اسے جدھر دیکھتا تھا پاتا تھا، کبھی وہ میرے ساتھ ساتھ دوڑتا تھا اور کبھی میں اس کے ساتھ ساتھ۔ کبھی مجھے ایسا نظر آتا تھا کہ وہ صفا کی بلندی سے اکھڑ کر سیلاب کے ساتھ نیچے لڑھک رہا ہے اور آگے آتا جا رہا ہے، کبھی میں اسے اپنے پیچھے "ہرولہ" کرتے ہوئے دیکھتا تھا اور مسعیٰ کانپتا ہوا محسوس ہوتا تھا،

میں اسے پاتا تھا، سنتا تھا، دیکھتا تھا کہ وہ اپنے سر کو وہاں موجود سیمنٹ کے ستون سے مسلسل ٹکرا رہا ہے کہ وہ پھٹ جائے، اس لیے کہ وہ "حلاج" کی طرح اس وزنی بوجھ کو اٹھانے سے تنگ آگیا تھا اور اتنے سارے دھماکوں کو اپنے اندر ضبط نہیں کر سکتا تھا۔

وہ کہ جو اپنے سر کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام کر لوگوں میں آتا تھا اور ان سے رو رو کر درخواست کرتا تھا کہ اس سر کو مارو، جی بھر کے مارو' اس لیے کہ یہ مجھ پر سخت ہو گیا ہے، میرا گنہگار ہو گیا ہے!

آخر کیوں ہر منزل سے زیادہ، سعی میں اس کی "بود" رہی؟ شاید اس لیے کہ وہ اپنے حج میں بھی ایسا ہی تھا۔ اس "سفرنامہ" میں کہ جو ساری "درخواست" ہے اور سب جگہ اس کی تیز بیں نگاہ کام کر رہی ہے، صرف

مسعیٰ وہ جگہ ہے کہ جہاں وہ شعلہ ور ہوتا ہے اور اس کے دل کو خبر دیتا ہے۔ روحِ حج اس کی فطرت میں حلول کرتی ہے اور غیب کی نورانی کرنیں اسے بےتاب کرتی ہیں اور بے"خود"!

شاید اس لیے کہ "مسعیٰ" اس کی "عمر" کی شبیہ تھی اور "سعی" اس کی زندگی کی، تشنہ، خراب و خستہ اور بے قرار، حصولِ "آب" کی تلاش میں "اس بے آب و گیاہ صحرا کے تشنہ لب اسماعیلوں" کے لیے، اور شاید بنیادی طور پر اس لیے کہ اس کا چلنا بہ اندازِ سعی تھا۔

اس تک اپنے آپ کو پہنچانا کتنا مشکل تھا، ہمیشہ بھاگ کر چلنا پڑتا تھا، اگر ذرہ بھی غفلت ہو جاتی، ذرہ بھی پیچھے، دائیں بائیں یا اپنی طرف توجہ جاتی تو پیچھے رہ جاتے اور وہ اپنی عمر کی رفتار کی سی تیزی کے ساتھ گزر جاتا۔ بلکہ یہ کہیئے کہ وہ چلتا نہیں تھا، قدم نہیں اٹھاتا تھا، ھرولہ کرتا تھا! گویا وہ ایک ایسا پرجوش و خروش جستجوگر ہے کہ جو ہمیشہ احرام پہنے، صفا اور مروہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان، خراب و خستہ کوشش کے عالم میں ہے اور چلتا چلا جا رہا ہے اور اس صحرائے بے آب و گیاہ میں پانی تلاش کر رہا ہے۔

اس کی زندگی کا یہی وہ پہلو تھا دورانِ حج جونہی مسعیٰ میں اس کے قدم پہنچتے ہیں وہ فروزاں ہو جاتا ہے اور جب کوئی تنکا اپنی میقات میں منزلِ سعی پر پہنچتا ہے تو میعاد میں کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے،

"کوئی" بن جاتا ہے،

اس کے دل کی آنکھ کھل جاتی ہے اور وہ نہ دکھائی دینے والی چیز کو دیکھ لیتا ہے اور بتا دیتا ہے۔

تقصیر، اختتامِ عمرہ:

چھوٹا حج

سعی کے ساتوں دور کے اختتام پر تم مروہ کی بلندی ہی میں احرام سے باہر آؤ، حجامت کرو، زندگی کا جامہ پہنو اور آزاد ہو جاؤ۔

مروہ سے مسعیٰ کو ترک کرو، تنہا، تشنہ اور خالی ہاتھوں کے ساتھ اپنے اسماعیل کے سراغ میں نکلو......!

ذرا کان لگا کر سنو! دُور سے پانی کے اُبلنے کا زمزمہ تمھیں سنائی نہیں دے رہا ہے ___؟

دیکھو! پیاسے پرندے اس تپتے پتھروں کی بلندی پر، پَر کھولنے لگے ہیں ___!

زمزم نے، اسماعیلؑ کو سیراب کیا اور دُور کی بستی کے ایک قبیلے نے اس درّہ کی خلوت کو جلوت میں بدل دیا ہے۔

تشنگانِ زمین نے دور کے صحراؤں کے افق سے تمھارے زمزم کے اطراف ڈیرہ ڈال دیا ہے اور تشنہ و بے آس وادی میں شہر اُگ آیا ہے پتھر کا۔

بارش برسی ہے وحی کی اور...... ایک "گھر"، تعمیر ہوا ہے "آزادی" و "عشق" کا۔

اور تم، اے سعی سے واپس لوٹنے والے، اسی طرح پیاسے اور اسی طرح تنہا ہو،

تمھاری تنہائی تم پر چھا گئی ہے،

زم زم، تمھارے اسماعیل کے پیروں تلے اُبل رہا ہے،

لوگوں نے چاروں طرف سے تمھیں گھیر رکھا ہے، اور تم بیٹھے کیا دیکھ رہے ہو ــــــ؟

خدا نے تمھارے گھر کی دیوار سے دیوار ملا کر گھر کر لیا ہے!
تمھارا دامن، خدا کا دامن ہو گیا ہے،
اے "سعی" کے خستہ تن انسان،
"عشق" پر تکیہ کرو!
اے "ذمّہ داری کا بوجھ اٹھانے والے انسان"!
کوشش کرو!
اس لیے کہ "تمھارا اسماعیل" پیاسا ہے،
اور اے "انسانِ عاشق"!
رغبت پیدا کرو!
اس لیے کہ عشق معجزہ کرتا ہے!
اور تم، اے حاجی!
کہ جو سعی سے لوٹ رہے ہو،
اپنے جمود کے صحرائے تشنہ سے، اپنی پتّھر بن جانے والی فطرت کی گہرائی سے تمھارے اندر ایک چشمہ پھوٹ نکلا ہے،
کان کو اپنی دیوارِ قلب پر دھر کے نرمی سے اسے دباؤ۔
تم اس کے زمزمے گوشِ لو گے،
سنگستانِ مروہ، زمزم کو نکلو،
اس کا پانی پیو اور اس میں نہاؤ دھوؤ۔
اور اپنے ساتھ اپنی سرزمین پر لا کر لوگوں کو ہدیہ کرو!

حج اکبر

توضیح

حج ، مجموعی طور پر ۲ دو مرحلوں کا حامل ہے۔
گزشتہ کا عمل : عمرہ تھا ، حج اصغر۔
اس کو انجام دینے کے بعد تم احرام سے آزاد ہو اور ان چیزوں سے بہرہ مند ہو سکتے ہو جنھیں احرام نے ممنوع قرار دیا تھا۔
یہ مہلت نویں دن تک ہے۔ نویں دن دوسرے مرحلے کا آغاز ہوتا ہے :
حجِ اکبر!

―― * ――

حجِ اکبر

ذی الحجہ کی نو تاریخ ہے ، حج کا آغاز ہو چکا ہے ، حجِ اکبر ![1]

---

[1] تفسیر صافی میں سورۂ توبہ کی تیسری آیت کے ذیل میں کافی باقی اگلے صفحہ پر

کہاں ہو ؟ جہاں کہیں بھی ہو ،
مسجد الحرام میں ہو ، کعبہ میں ہو ، گلی میں ہو ، سڑک پر ہو ، بازار میں ہو ، ہوٹل میں ہو ـــــــ کوئی حرج نہیں ، نیت کر لو ، ایک بڑے سفر کا آغاز ہے ، احرام پہنو اور " مکّہ سے باہر آؤ " !

عجیب بات ہے ! اب تمھیں کعبہ کو چھوڑنا ہوگا ، مکّہ کو پسِ پشت ڈالنا ہوگا ـــــــ !

ذرا بتاؤ تو قبلہ کدھر ہے ؟

حج ہے اور اس کا آغاز کعبہ کو چھوڑ کر ہو رہا ہے !

پس وہ کعبہ کا قصد ، اور ہر خیال کو دل سے نکال کر اطرافِ عالم سے کعبہ کے عزم میں نکلنا کیا تھا ؟ وہ سفر کہ جس میں کعبہ تھا کیا تھا ؟ :

حجِ اصغر ، عمرہ !

اور اب جو سفر آغاز ہو رہا ہے ، کعبہ کو چھوڑنے اور مکّہ کو ترک کرنے کا سفر کیا ہے ؟ :

حجِ اکبر !

عزمِ کعبہ حج نہیں ، قبلۂ حج ، کعبہ نہیں ۔ شروع میں تم یہی سمجھ رہے تھے ، اور یہ غلط ہے ، اب اس بات کو سمجھو کہ حج : " کعبہ جانا " نہیں " کعبہ سے جانا " ہے ۔

اب اپنے عمل سے تجربہ حاصل کرو ، توحیدِ ابراہیمؑ سے سیکھو کہ

بقیہ صفحہ گزشتہ اور عیاشی سے نقل ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا : عرفات میں ٹھہرنا ، رمی جمرات : حج اکبر ہے اور عمرہ : حج اصغر ۔

شروع ہی سے ، مقصد کعبہ نہیں تھا !

ہر چیز کعبہ کی دوسری سمت سے شروع ہو کر کعبہ کی طرف آتی ہے ،

تم اپنی سرحد کے اختتام تک کعبہ سے پہنچے ہو ،

اے دل میں "اس کا" قصد رکھنے والے مہاجر ! تمھارے قدم دوسری سرزمین پر پہنچتے ہیں ، تم دوسری راہ اختیار کرتے ہو ۔ اب یہاں اپنے سے گزرنے اور گھر کو چھوڑنے کی گفتگو نہیں ہے ۔ یہ سب چیزیں تو تم میقات میں چھوڑ آئے تھے ، اب بات خانۂ خدا کو چھوڑنے کی ہے ۔

اب ، تم ، اے کہ جو بندگی کی بلند ترین چوٹی پر "آزادی" سے ہمکنار ہوئے ہو اور کمالِ "بےخود" ی میں "خود" میں وہ شائستگی پیدا کی ہے کہ تم سے کہا جائے کہ : "کعبہ سے گزر جاؤ" !

تم خود اس وقت کعبے سے زیادہ نزدیک ہو !

کعبہ کی زیارت اختتام کو پہنچی ہے ، کعبہ نے تمھیں "تم" کی چھاپ سے "خود" تک پہنچا دیا ہے ۔

اب تم "خدا" تک جاؤ !

"گھر کا حج" نہ کرو بلکہ "گھر کے خدا" کا حج کرو ۔

یہاں گفتگو "جہت کی ہے "منزل" کی نہیں ، بات "کعبہ کے سمت" کی تھی "کعبہ" کی نہیں !

جہاں رک کر کھڑے ہوئے ، وہیں رہ گئے ، مر گئے ! ہاں اے "حاجی" ! ، اے قصد کرنے والے ! عازم !

اے ہمیشہ اس کی سمت رواں !

ہاں !

اے ہمیشہ اس کی سمت دائمی حرکت رکھنے والے ! [1]
اے انسان ، "روحِ خدا" !
اے "عمل" ! عملِ صالح ! [2]
تم مکّہ آئے ہو ؟
کعبہ میں بھی نہ رکو ! حرم میں بھی نہ رہو ،
تاکہ "کعبہ" قبلہ رہے ، تاکہ تم جہت کو نہ کھودو ، تاکہ دوسرے قبلے تمھیں دھوکہ نہ دیں ، "کعبہ میں" ، قبلہ دوسری جگہ ہے ، وہاں کا عزم کرو ، ایک بڑے سفر کو نکلو کہ جو کعبہ کے سفر سے زیادہ بڑا ہے :
حجِ اکبر کرو ——— !
اس لیے روانگی کے دن تم جہاں بھی ہو احرام باندھو اور "مکّہ سے باہر آؤ" کیونکہ حجِ اکبر "قبلہ" کو "پیچھے" چھوڑنا ہے۔
کعبہ سے زیادہ محترم جگہ کون سی ہے ؟
تم جاؤ گے تاکہ دیکھو !

عرفات

احرام پہن کر مکّہ سے باہر آتے ہو ، "مشرق" کی سمت۔

---

[1] والی اللہ المصیر

[2] "انسان" کے بارے میں قرآن کی تعبیر ہے ، اس منزل پر جہاں نوحؑ کے بیٹے کے بارے میں گفتگو ہوتی ہے اور نوحؑ اپنے بیٹے کی شفاعت کرتے ہیں اور اس کی عفو و بخشش کو خدا سے چاہتے ہیں لیکن بات رد ہوتی ہے اور قرآن کہتا ہے : "وہ تمھارے اہل سے نہیں ہے ، اس کا عمل غیر صالح ہے"

عرفات سے کعبہ کو لوٹتے ہوئے تمھیں مشعر میں رکنا پڑے گا اور پھر منیٰ میں۔

کیوں ـــــــ ؟

چلو دیکھتے ہیں۔

کعبہ سے جاؤ کہاں تک ؟ دور کی آخری منزل تک ، انتہائے راہ تک۔

منزلوں کے درمیان ٹھہرنا نہیں ـــــــ ! "مرحلہ بہ مرحلہ" ، "بتدریج" ، ع

" رہ چنان رو کہ رہبران رفتند "

(چلنے میں وہ روش اختیار کرو جو رہبروں کی رہی ہے)

" اوّل ، منزلِ اوّل ـــــــ دوم ، منزل دوم ـــــــ سوّم ، منزل سوّم "

" معقول ومنطق " ، یہ معلموں ، مرشدوں ، پیشہ ور نصیحت گروں کے سرد تکراری اسباق ہیں۔ یہ تمام نظم ونثر کے موضوعات ، روایتی ترتیبات اور سارے طور طریقے مصلحتی ہیں۔ ان سب کو احرامِ مکّہ کے موقع پر اپنے سے دور کرو اور بھاگ جاؤ ، اور تشنہ وبے قرار اے گرفتارِ عشق ـــــــ کہ جو کعبہ کی دوسری سمت پر حالت حرکت میں ہو ! ـــــــ "یک نفس" انتہا تک پہنچو اور ایک لمحہ کے لیے بھی درمیان میں نہ رکو !

نویں دن ، عرفات میں وقوف

دسویں شب ، مشعر میں وقوف

دسویں دن سے بارھویں دن تک ـــــــ اور اگر چاہو تو تیرہویں دن بھی ـــــــ منیٰ میں وقوف۔

عرفات، مشعر اور منیٰ کی سرزمین میں ایسی کوئی نشانی نہیں ہے کہ جس سے اس میں ورود و وقوف کی توجیہ کی جاسکے، عرفات سے منیٰ تک سیدھے خط میں ۲۵ کیلومیٹر فاصلے کا ایک راستہ ہے کہ جو مکہ کے دروں سے آکر ملتا ہے۔

اس راستے کی بہ اعتبارِ فطرت، بہ اعتبارِ تاریخ اور بہ اعتبارِ مذہب کوئی اہمیت نہیں ہے۔ وہ چیز جو اس راستے کو تین مرحلوں میں تقسیم کرتی ہے، ایک قرارداد ہے۔ ایک فرضی قرارداد، تنظیمِ مراحلِ حج کے لیے۔

جو بات مسئلہ کو زیادہ حساس بناتی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں "وقوف" پر تکیہ کا مسئلہ تھا۔ یعنی عرفات میں تمھارا اصلی کام وقوف تھا، مشعر میں تمھارا اصلی کام وقوف تھا! عرفات میں بنیادی طور پر وقوف کے علاوہ تمھارا اور کوئی کام نہیں تھا، مشعر میں تم نے صرف سات کنکریاں چُنیں اور بس، اور اس کو مشعر میں وقوف کا سبب نہیں کہا جاسکتا۔ تمھیں وہاں طلوعِ آفتاب تک رات گزارنی تھی۔

منیٰ میں بھی "وقوف" ہی پر تکیہ ہے۔ دسویں دن (عید الاضحیٰ) رمی اور ذبح، یہ دونوں اصل کام بھی ظہر تک ختم ہو جاتے ہیں، لیکن تمھیں تین دن یہاں ٹھہرنا ہوتا ہے!

وقوف کیا ہے ______؟

وقوف، ایک تامل ہے، وقفہ ہے، راستے میں ایک عارضی توقف ہے۔ "رہ جانا" نہیں ہے، "سکون" نہیں ہے، "سکونت" نہیں ہے، "اقامت" نہیں ہے...... تامل ہے، وقفہ ہے!

یعنی تم راستے میں، حرکت میں، "راہِ منزل کے درمیان"، کوئی

رات، کوئی دن عارضی طور پر رکو اور پھر چل پڑو، ان تینوں منزلوں میں بھی تم رہ گزر ہو، مسافر ہو، "حاج" ی ہو، کسی سمت میں عزمِ سفر رکھتے ہو، کچھ دیر قافلے کے ساتھ منزل کرتے ہو اور جب طبلِ کوچ بجتا ہے اور قافلہ روانہ ہوتا ہے تو تم بھی قافلے کے ساتھ چل پڑتے ہو اور منزل کو کسی اور منزل کی طرف ترک کرتے ہو۔

ورود ہے اور توقف، اور پھر کوچ! دن کو عرفات میں، شب کو مشعر میں، اور آفتابِ عید طلوع ہونے پر منیٰ میں،

اور منیٰ میں وقوف! تین دن،

تاہم منیٰ بھی آخری منزل اور آخری مقصد نہیں۔

پس، یہ سفر کب اپنے اختتام کو پہنچے گا؟

اس قافلے کی منزل کہاں ہے؟

کبھی نہیں ——! کہیں نہیں .....

پس یہ کس سمت رواں ہے؟

خدا کی سمت،

کب تک؟ کہاں تک؟ اس کی اختتامی منزل کہاں ہے؟

خدا "مطلق" ہے، "ابدی" ہے،

اور یہ حرکت۔ زیبائی مطلق، علمِ مطلق، قدرتِ مطلق، خلودِ مطلق اور کمالِ مطلق کی طرف ہے! اور اس کا سلسلہ ابدی، دائمی اور "نہایت ناپذیر" ہے۔

والی اللہ المصیر!

اس سفر میں خدا منزل گاہ نہیں، جہت ہے! ہمارے اندر

ہر چیز عالمِ گزشت میں ہے اور موت میں اور صورت کی تبدیلی میں ثابت رہنے والی چیز صرف جہت ہے! اور لا یتناہی رہنے والی چیز صرف حرکت!

کل شیئ ھالك الا وجھہ!

ہم کعبے سے چلے اور سیدھے عرفات آئے اور اب عرفات سے، مرحلہ بہ مرحلہ "کعبہ" کی سمت واپس لوٹ رہے ہیں!

انا للہ وانا الیہ راجعون!

ہر جگہ گفتگو حرکت کی ہے، ذاتی حرکت (گشت) اور انتقالی حرکت (بازگشت)! اور ہر جگہ گفتگو "الیہ" سے ہے (سمت سے ہے) "فیہ" سے نہیں (ذات سے نہیں)

اور اسی لیے حج، قصدِ مطلق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یہاں سفر نہیں، اس لیے کہ سفر کا اختتام ہے، زیارت بھی نہیں، اس لیے کہ زائر کا ایک مقصد ہے۔ یہ حج ہے، آہنگِ مطلق ہے، قصدِ مطلق ہے، مقصودِ مطلق ہے۔ مقصد نہیں!

اور یہی سبب ہے کہ تمھیں منیٰ میں چھوڑ دیا جاتا ہے، یہی سبب ہے کہ تم عرفات سے لوٹنے کے موقع پر کعبہ تک نہیں پہنچتے ہو! مکّہ کی دیوار کی پشت پر آتے ہو،

کہ جو "قرب" ہے "مقصد" نہیں!

پس حج "کعبہ" سے "عرفات" تک جانے اور "عرفات" سے "کعبہ کی طرف" "منیٰ" تک لوٹنے کا نام ہے!

خُدا کی سمت لوٹنے اور کعبہ کی سمت آنے کے تین مرحلے ہیں، یہاں گفتگو تین "سرزمینوں" کی نہیں، عرفات، مشعر اور

منیٰ تین مختلف مقامات نہیں ہیں، تین مرحلوں کا اشاریہ ہے۔

جس بات نے مجھے اس راز کے انکشاف پر ابھارا وہ یہ تھا کہ میں نے دیکھا کہ ان تینوں منزلوں کے مقام میں کچھ بھی نہیں ہے جو کچھ بھی ہے وہ ان جگھوں پر "وقوف" ہے۔

یہاں ہم "نیتِ عمل" نہیں کریں گے، "نیتِ وقوف" کریں گے!

پس اصلی بات ان تین مقاموں کی نہیں، تین وقوف کی ہے!

ہم کہاں سے جانیں کہ ان تینوں وقوف کا مطلب کیا ہے؟

خدا نے خود ان تین مرحلوں کے نام دیے ہیں،

یہ ہیں وہ نام جو آسمان سے اُترے ہیں:

عرفات، گفتگو "شناخت" کی ہے، = علم،

مشعر، گفتگو "شعور" کی ہے، = فہم،

اور منیٰ، گفتگو "عشق" کی ہے! = ایمان،

کعبہ سے سیدھے عرفات: (انا للہ)

اور لوٹنے کی منزل میں عرفات سے کعبہ، منزل بہ منزل:

(انا الیہ راجعون)!

پس عرفات، آغاز ہے، اس دنیا میں ہماری خلقت کا آغاز!

"آدمؑ" کے قصے میں (یعنی آغازِ خلقتِ انسان اور زمین پر بنی نوع انسان کی پیدائش کے باب میں) کہا جاتا ہے کہ ہبوط کے بعد (یعنی زمین پر انسان کی زندگی کے آغاز کے بعد) پہلی بار یہاں "آدم و حوّا" نے ایک دوسرے کو از سرِ نو "پہچانا"!

عرفہ، عرفات!

"ہبوط" ! آدم کا "باغ بہشت" سے نکالا جانا !

یہ "بہشت" ، "بہشت موعود" نہیں ، وہ جنّت نہیں جس کا وعدہ کیا گیا ہے ، زمین کی بہشت ہے ، جنّت ہے ، جنّت ، درخت اور سبزہ سے پوشیدہ زمین ، آدم کا پہلا وطن ، اس زمانے میں تو وہ بغیر کوئی کام کیے ، بغیر کسی ذمّہ داری کے ، کھاتے پیتے اور لطف اندوز ہوتے رہتے تھے اور سیر و سیر آب جیتے تھے۔

یہاں تک کہ ابلیس نے کہ جو عالم میں خدا کا تنہا فرشتہ تھا اور جس نے آدم کے سامنے پیشانی جھکانے سے انکار کر دیا تھا ــــ اس کو کہ جس کے نفس میں خدا نے "فجور" و "تقویٰ" کو الہام کیا تھا ــ وسوسے میں ڈال دیا ، اور "حد" توڑنے پر اُکسایا ، "منع کے مقابل عصیان" کی ترغیب دی اور "میوۂ ممنوعہ"[1] کھانے پر زور دیا اور یہ بات دل میں بٹھائی کہ اس کے کھانے سے اسے خدائی صفت مل جائے گی اور وہ بصیرت اور جاودانیت کا حامل ہوگا۔

مگر آدم نے پھر بھی انکار کیا۔ انسان میں تنہا عقل کارگر نہیں ہوتی ، ابلیس حوا کے پاس پہنچا "عشق" ! اور اس بار آدم نے "میوۂ ممنوعہ" کو کھا لیا۔ عقل اور عشق نے ایکبارگی "فرشتہ" کو اپنی زد پر لیا اور اسے "آدم" بنا دیا!

آدم : وہ تنہا فرشتہ کہ جو "گناہ" کر سکتا ہے اور اس بنا پر "توبہ" بھی ، جو عصیان کر سکتا ہے اور اس بنا پر "طاعت" بھی !

عصیان ، یعنی خدا کے "ارادہ" کے مقابل "ارادہ" یعنی کہ "جبرِ فطرت" کے مقابل "آزادی" یعنی کہ "انتخاب" ، پس "ذمّہ داری" ، "خود آگاہی"

---

[1] "میوۂ ممنوعہ" کو کہ جسے تورات اور ہماری بہت سی روایتوں باقی اگلے صفحہ پر

اور اس کے نتیجے میں، سیر و سیر آبی و بے فکری کے باغ سے احتیاج، عطش اور دکھ درد کی زمین پر اُترنا: "ہبوط"!

زمین پر اس خود آگاہ موجود کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، یہاں ذمّہ داری ہے، گناہ ہے، رنج و عطش کی دائمی محکومیت ہے، جلاوطنی ہے، طبیعت میں احساسِ غربت و اسارت ہے، آسمان پر پر کھول کر اُڑنے والا ہُما، قفسِ خاک میں ہے، اور پھر ایک ختم نہ ہونے والا احساسِ جدائی ساتھ ہے۔ مذہب، حکمت، عرفان، ہُنر و ادب اور..... زندگی کے لب پر پُرسوز بانسری ہے کہ جو ــــ "نیستان" سے کٹ کر جدائی کے غم' اور درد

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اور تفسیروں نے "علم" بھی لکھا ہے۔ میں نے اس کے دیگر فرضی مفاہیم کے درمیان سے لیا تھا اور اب بھی اسی پر قائم ہوں لیکن اس کے اصلی اور براہ راست معنی کے طور پر نہیں بلکہ التزامی مفہوم میں۔ میوۂ ممنوعہ یا درختِ ممنوعہ کو کہ جسے تفاسیر اسلامی نے "حسد، بغض اور ہوس" کے پست ترین مفہوم سے لے کر "علمِ اہلِ بیتؑ اور مقامِ ولایت" جیسے عالی ترین مفہوم تک تعبیر کیا ہے۔ یہاں تک کہ بعض نے علمِ نباتات کی روشنی میں اس درخت کی نوعیت اور اس کے میوے کو تعین کرنے کی کوشش بھی کی ہے کہ وہ گندم تھا یا سیب یا...... ؟ میں اس کے لیے ایک بہت ہی سادہ اور فطری لفظ کا معتقد ہوں اور وہ ہے "ممنوعہ درخت" یعنی "منع" سے متصف درخت، اور ممنوعہ میوہ کو کھانا یا قرآن کی تعبیر کے مطابق ممنوعہ درخت سے قریب ہونا، یعنی حد سے آگے بڑھنا ہے، اس دنیا میں قدم رکھنا کہ جو ہر موجود پر بند ہے۔ یعنی اگر ایک لفظ ہم اس کے لیے منتخب کرنا چاہیں تو وہ "عصیان" ہوگا کہ جو آگاہی" اور آزادی کے دو عنصر کا حامل ہے!

فراق میں نالے بکھیر رہی ہے ، ذمہ داری کا بھاری اور ناقابلِ تحمل بوجھ ہے ، سامانِ گناہ کا خوف ہے ، "گناہ کا ذاتی اضطراب" اور واپس لوٹنے کا فطری شوق ..... گلے لگا ہوا ہے۔

اور اب حج ، تجسم تخلیق ! توبہ[1]

"خود آگاہی" دور ہونے کا احساس ، جلا وطنی ، غربت اور بانتیجہ " واپس لوٹنے " کا قصد !

جنّت کے آدم کی زمینی آدم سے تبدیلی ، انسان کی تحقیق موجودہ مفہوم میں ، عاصی ، حدشکن ، آسیب پذیر ابلیس ، اثر پذیر حوا ، جنّت سے ہنکایا ہوا ، خدا کی جانب سے صاحبِ اختیار ، زمین کی جلاوطنی کا اسیر، فطرت کا قیدی ، ان سب باتوں کے باوجود اس "میوۂ ممنوعہ" کو کھانے کے بعد گو کہ اس نے اسے مجرمانہ ذہن کا حامل کیا لیکن ساتھ ہی اسے الٰہی بینائی اور خود آگاہی بھی دی ، اس کی بند آنکھیں کھول دیں ، اور اسے اپنی عریانی کی شناخت ہو گئی ، اس نے اپنے آپ کو پہچان لیا۔

ہبوط "کعبہ" سے "عرفات" میں !

زمین پر آغازِ پیدائشِ آدم ،

زمانے میں آغازِ پیدائشِ انسان ، اس کی "شناخت" کی پیدائش کے ساتھ !

اور آغازِ "شناخت" ، ایک دوسرے کی پہچان کے ساتھ' جو عشق کی پہلی چنگاری سے وجود میں آئی !

---

[1] لغت میں : بازگشت

آدم و حوا کی مڈبھیڑ!

کہ جہاں آدم نے اپنے ہمسر اور ہم ذات کو پہچان لیا، اس کا اپنی مخالف جنس سے ـــــ کہ جو اس کی ہم سرشت ہے ـــــ سامنا ہوا۔ وہاں انسان نے ایک حکیمانہ بصیرت سے، ایک "ذات" اور ایک "ماہیت" کے عنوان سے اپنے آغاز کو "شناخت" کی پیدائش کے ساتھ پہچانا۔

اور یہاں انسان نے اپنی علمی بصیرت سے ایک عینی موجود کے عنوان سے تاریخ میں اپنے آغاز کو "شناخت" کی پیدائش کے ساتھ پہچانا!

اور حج میں، پہلی حرکت، "عرفات" سے!

اور اسی لیے وقوفِ عرفات "دن" میں ہے اور اس کا آغاز نویں دن کی دوپہر سے ہوتا ہے جب آفتاب اپنی بلند ترین چوٹی طے کر رہا ہوتا ہے۔

"آگاہی"، "بینائی"، "قانونِ فطرت سے آزادی"، "آشنائی" "اتصالِ مہر" اور "انسان و فطرت" کی شناخت کا آغاز تابناک سورج کی روشنی میں!

جب سورج ڈوب جائے، عرفات انجام کو پہنچتا ہے۔ تاریکی میں دیدار نہیں، آشنائی اور شناخت نہیں، اس لیے کہ بینائی نہیں!

سورج نے اس وادی میں غروب کیا کہ جو "عرفات" کی وادی تھی اور انسان نے بھی آفتاب کا ہم سفر بن کر مغرب کی سمت کوچ کیا۔

حرکت، رات کے اندھیرے میں،

مشعر میں وقوف! سرزمین شعور: خود آگاہی۔

"شناخت" کے بعد کا مرحلہ : آگاہی۔

کتنی عجیب بات ہے!

پہلے شناخت اور پھر شعور؟

سب جانتے ہیں کہ پہلے شعور کو ہونا چاہیئے تاکہ "شناخت" تک پہنچا جا سکے ___!

لیکن شناخت و شعور کا خالق اس کے برعکس کہتا ہے: "اختلاط" سے ___ دو متضاد جنسوں کے اختلاط سے، دو افکار کے ملاپ سے، پہلے تفاہم و تصادُف کی پیدائش و اتصال سے، انفرادی زندگی کے اختتام اور پہلے گھرانے اور پہلے "اجتماع" کے آغاز سے، خود آگاہ عشق کی پیدائش اور آخرالامر دو انسانوں کے ایک ہونے سے ___ "شناخت" وجود میں آئی اور اس کے ساتھ ارتقای "شناخت" کے بعد انسان روئے ارض پر شعور سے ہمکنار ہوا ___ علم[1] نے قوتِ فہم کو افزودہ کیا اور "آگاہی[2]" نے "خود آگاہی[2]" کو جنم دیا!

عینیت[3]، ذہنیت[4] کی بنیاد و اساس ہے اور باہر کی دنیا سے ذہن[5] کے رابطے اور واقعیت[6] کے ساتھ اس کے اتصال کی صورت

---

[1] SCIENCE

[2] CONSCIENCE

[3] OBJECTIVE

[4] SUBJECTIVE

[5] IDEA

[6] REALITY

میں عقل ترقی کرتی ہے، ادراک کو طاقت ملتی ہے اور آدمی کی معنوی قوتوں میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔

چنانچہ پہلے : مشعر اور پھر عرفات ، ایک تصوراتی آئیڈیالیزم ہے ، حکمتِ الٰہی ! میٹافزیکس ،

پہلے ، منیٰ ، تصوف : ایک بن شناخت اور بن شعور والا دین !

عرفات ، بلا مشعر و منیٰ ، میٹریالیزم ، بغیر خدا اور بغیر خود آگاہی کی سینتھیسزم ، علم دفن در آثار ، زندگی عبث ۔ تمدّن ، بے روح اور پیش رفت ، بے امید و آرزو !

اور مشعر و منیٰ ، بلا عرفات : دین ! جسے سب جانتے ہیں !

لیکن اس دین میں ، انسان پست ترین مادّہ سے نسبت رکھنے والا خاکی پیکر ! کہ جو خدا کی اس طاقت سے چل پھر رہا ہے جو اس نے اس کے اندر بطور امانت رکھی ہوئی ہے۔ اس کا وجود شناخت کے وجود کے ساتھ ہوا ، آہستہ آہستہ اسے واقعیتِ عالم کا علم ہونے لگا ، اس میں مادّی بینائی پیدا ہوئی اور پھر اس منزل سے وہ انسانی خود آگاہی کی منزل تک پہنچا ، اس میں علم سے پیدا ہونے والا وہ شعور جاگا کہ جس نے اسے عشق سے آگہی دی ۔ عرفات اور منیٰ کے درمیان والی منزل ——— اور پھر وہ اس مقام سے رفعت پا کر اونچائی کی بلند ترین چوٹی تک پہنچا ، کمال کے آخری مرحلہ تک ، معراج تک ، سدرۃ المنتہیٰ ، قاب قوسین او ادنیٰ ! اور ..... خدا تک پہنچا ! منیٰ !

ریلیزم ، بالکل ، لیکن ھدف نہیں ، اصل ! ماورائی آئیڈیل (کمال مطلوب) کی سمت مقامِ پرواز !

مادّی بنیادوں پر استوار آئیڈیالیزم ! میٹریلیزم ! کہ انسان اس

مکتب میں ایک متضاد مخلوق ہے، ایک جمع ضدین ہے، ڈیالیکٹیک! آدھی خاک، بدبودار سیاہ کیچڑ، طوفان کی لائی ہوئی مٹی کی جمی ہوئی تہ! اور اس میں روحِ خدا! اور تم؟ ایک "عمل" ۔ ایک "آزادی"—— "انتخاب" ۔ ایک "مہاجر" ، "سڑی مٹی" سے "روحِ خدا" تک! اور اس سفر میں تین مرحلوں سے گزرتے ہوئے تین عارضی وقوف، عرفات۔ مشعر اور منیٰ۔

اور اب ہم دیکھتے ہیں کتنے صحیح انداز میں اور کتنی باقاعدگی سے ہر چیز واضح و روشن ہو رہی ہے اور کتنی آسانی اور کتنے اچھے طریقے سے—! مذہب؟ "راستہ"—"حکمت"؟—"آگاہی"—"رسالت"؟ ہدایت!—امت؟ ایک عازم گروہ—امامت؟ راہنمائی و رہبری! امام؟ معالم الطریق! علائم رہنمائی،—"شہید"،—"شاہد" "نمونہ"—"پیشوا"......عبادت؟—راہ کو کوٹنا اور ہموار کرنا۔ پارسائی اور ریاضتِ نفس؟—"ایک ذمّہ دار شخص کی انقلابی تعمیرِ نفس، ان سب چیزوں کو چھوڑنے کے لیے کہ جو اسے اپنی طرف بلاتی ہیں اور وہیں رہنے کو کہتی ہیں اور جما دیتی ہیں۔"

"سبیل اللہ" وہ راستہ کہ جو اپنے آپ کو ترک کر کے اور خلق کے حق میں ایثار سے کام لے کے خدا کے لیے آغاز ہوتا ہے۔

"دعا"؟، چاہنا، اسے پکارنا، اپنی ضرورتوں، اپنی چاہتوں، اپنے عشق اور اپنی نفرتوں کو اس سے بیان کرنا، "تلقین کرنا"؟ اپنے آپ سے، خلق سے، اور خدا سے کہتے رہنا۔

"ذکر"؟ یاددہانی، فراموش نہ کرنا!

"حج" ؟ "قصد کرنا"!

حتیٰ کہ ان تمام تضادات اور تناقضات کا حل جو ہمارے درمیان پیدا ہو گئے ہیں۔

مال ــــ؟ ایک "معروف" شے کہ جو "خیر" اور "فضلِ خدا" بھی ہے اور "دنیا و فتنہ ...... بھی"! یعنی چیز کو اس راہ پر سوچنا چاہیئے، اگر نماز، چلنے اور آگے بڑھنے سے روکتی ہے تو "وائے ہو نماز پڑھنے والوں پر"[1] اور اگر پیسہ اس راہ میں کار آمد ہوتا ہے، پس پیغمبرؐ خود، پیسے کو اچھا سمجھتے ہیں"!!

اب ہم عرفات پر آ گئے ہیں، کعبہ سے اتنی دور کے فاصلے پر کہ جو اس سفر میں ہمارے لیے ممکن تھا۔ ایک خشک وادی، ساحلی نرم ریت سے بھرا میدان، جبل الرحمہ کی ایک پتھریلی چٹان کے درمیان، کہ جہاں پیغمبرِ اسلامؐ نے آخری حج کے موقع پر لوگوں کو اپنا آخری پیغام سنانے کے لیے منبر بنایا تھا۔

ایک عجیب و غریب شہر کہ جو ایک دن میں ریت سے پھوٹا اور بعد نمازِ عصر سمٹ گیا! ایک اقوامِ عالم کا شہر، بے ساز و سامان، تمام بشری نسلوں کی ایک خلقت، بے رنگ، دنیا کے تمام ممالک کا مجموعہ، قیدِ سرحد سے آزاد، پوری زمین ایک وادی میں، دُور دُور تک، اُفق در اُفق اور صف در صف سفید خیمے، تشخصات، برائے نام۔ اشرافیت، کتنی پست۔ نمود و نمائش، گاہ بگاہ۔ زیبائیاں، کتنی بدصورت!

اور تم ہو کہ تم پوچھتے ہو، یہاں کیا چیز ہے کہ جس کی زیارت کو تم آتے ہو؟ کیا عمل ہے کہ جس کو انجام دینے کے لیے یہ مشقت برداشت

---

[1] "فویل للمصلین ......" (خدا)

کرتے ہو ؟ ـــــ کچھ نہیں ! آزادی ، اس ناپیداکنار بشری دریا میں غوطہ خور، جہاں چاہے اور جس صورت سے چاہے دن گزار سکتا ہے اور چاہے تو سو کر گزار سکتا ہے !

لیکن تمھاری "چاہت" اس طرح ہونی چاہیئے کہ جیسے تم عرفات میں ہو !

یہاں ، "دیکھنے" کی کوئی چیز نہیں ،

لیکن بقول "ژیڈ" : "کوشش کرو کہ عظمت تمھاری نگاہوں میں رہے ، نہ وہ چیز جسے تم دیکھ رہے ہو۔"

یہاں تمھیں کچھ نہیں کرنا ہے ، تم پر کوئی تکلیف عائد نہیں ہے، جو کچھ کرنا ہے برتر از آں ہے کہ اسے "تکلیف" کے قالب میں سمویا جائے۔

تأمل ، غور و فکر !

اپنی فطرت کی کلی کو عرفات کے پاکیزہ آفتاب کے نیچے قرار دو تاکہ وہ کِھلنے لگے۔

اس عادت کی بنیاد پر کہ جس پر تاریخ نے ہماری پرورش کی ہے، روشنی سے نہ بھاگو اور آزادی ، جمعیت ، نور اور روشن پسندی سے نہ گھبراؤ۔

اے ستم سے سمجھوتہ کرنے والے ، جہل کے تنہائی پسند ، امن و آرام کی دلدلوں کی غلیظ کائی ، اے ...... "میں" ! اپنے خیمے سے باہر نکل اور انبوہِ خلائق کے اس گہرے سمندر کے اعماق میں گم ہو جا اور موقع دے کہ عرفات کا آگ برسانے والا سورج تجھے بھون دے ،

ایک دن ایسا بھی گزار ، اے .... موم !

انبوہِ خلائق کے قلب میں فروزاں ، نہ کہ دشمن کے ہاتھ میں نرم،

ما: بگر کی انگلیوں پر ناچنے والے!

بہر صورت ، آزادی ،جس طرح چاہو اس دن کو گزار سکتے ہو ، یہاں تک کہ ہمیشہ کی طرح! پورا دن سو کر بھی گزار سکتے ہو ، یہاں تم سے جو چیز چاہی گئی ہے وہ " وقوف " ہے!

مشعر

عرفات کا آفتاب ڈھل گیا ، اب عرفات سے چل نکلو! اس لیے کہ عرفات خود بھی جا رہا ہے ، عرفات رات کو برداشت نہیں کر سکتا رات عرفات کو نگل لے گی ، مار دے گی ، محو کر دے گی۔

رات عرفات میں نہ رہو ، سورج ڈھلنے پر چل پڑو ، اس لیے کہ سب لوگوں نے چلنے کا عزم کر لیا ہے۔ رات جب آتی ہے تو کسی مسلمان کو اپنی راہ پر نہیں پاتی۔ " سورج کا شہر " اچانک غروب کے ابہام میں چھپ گیا اور وادی کو چھوڑ کر تیزی سے بھاگ نکلا۔

مگر کہاں ــــــ؟

"مشعر" میں ــــــ! [1]

تمھیں چین نہیں لینے دیتے ، ہر منزل میں عارضی وقوف اور پھر

---

[1] " المشعر ، المعلم ..... والمشاعر ، المعالم التی ندب الله الیها وامر بالقیام علیها ومنه سعی المشعر الحرام ، لانه معلم للعبادة وموضع " (لسان العرب)

فوری کوچ ــــــــ !

سکون ؟ کبھی نہیں ! اقامت ؟ کہیں نہیں !
وقوف ! آدھے دن ، ایک رات ، دو تین دن ، اور بس !
کل جو خیمے لگے تھے آج وہ سب اُٹھ جائیں گے !
تمھارے ساتھ گفت گو ہو رہی ہے !
تمھارے ساتھ ، اے..... "میں" !
اے وہ کہ جو اس پشتِ زمین پر تھوڑی دیر کے لیے آئے ہو اور بس !
اے وہ کہ جو زمانے کی ابدیت پر ایک لمحہ ہو اور بس !
اے....... ہیچ !
اے وہ موج کہ جس کی آسودگی ، اس کی ہستی کو نیستی میں
بدل دیتی ہے ۔
اے وہ کہ جو صرف "حرکت" میں "ہے" !
اے وہ کہ جو ہر چیز کو مطلق بنانے کے ارادے میں ہے !
اے...... ہیچ !
اے "قطرے" !
انبوہِ خلائق کے موجیں مارتے ہوئے نہر میں اپنے آپ کو ملا دو ،
اور جاری ہو جاؤ !

"فَإِذَآ أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَٰتٍ فَٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ
عِندَ ٱلْمَشْعَرِ ٱلْحَرَامِ ۖ وَٱذْكُرُوهُ كَمَا هَدَىٰكُمْ
وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِۦ لَمِنَ ٱلضَّآلِّينَ ۝
ثُمَّ أَفِيضُوا۟ مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ ٱلنَّاسُ....."[۱]

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رات کو مشعر میں رہنا ہوگا۔

عرفات سے نکلنے والی دو گھاٹیوں کے درمیان کی وہ راہ کہ جو منیٰ اور مکہ کی طرف آتے ہوئے تنگ ہوتی چلی جاتی ہے اور انبوہِ خلائق اس میں افشردہ تر ہو جاتے ہیں۔

اچانک مغرب کا طوفان عرفات کو برہم کر دیتا ہے اور پورا شہر ایک دن میں سمٹ جاتا ہے اور انسانوں کا موجیں مارتا ہوا طوفان — ایک رنگ و ایک رو کے ساتھ — جبل الرحمۃ کے گرد ایک گرداب کی صورت میں چکر کاٹتا ہے اور رات کے ڈر سے پریشان اور گریزاں وادی کے نشیب میں اُتر جاتا ہے اور شب میں موجیں مارتی ہوئی نہر کی طرح، انبوہِ خلق کا سفید ریلا تاریکیٔ شب میں شب سے بھاگتا ہے اس لیے کہ رات نے عرفات کی وادی پر اپنا تسلط جما لیا ہے۔

اور تم، "راستے کے اس خط" میں ایک "نقطہ" ہو،
ایک قطرہ ہو، دوسرے قطروں کی طرح۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) سورۂ بقرہ۔ آیت: ۱۹۸-۱۹۹: "پس بعد ازیں کہ تم نے عرفات سے اپنے اندر جوش و جذبہ اور بہاؤ پیدا کیا (دریا سے انبوہِ خلق کی تشبیہ!) مشعر الحرام میں خدا کی یاد کو اپنی آگاہی اور اپنے احساس میں جگاؤ۔ اس کو یاد کرو کہ جس نے تمھیں راستہ دکھایا ہر چند کہ تم اس سے پہلے گم گشتہ راہ لوگوں میں سے تھے اور پھر جاری ہو جاؤ جہاں سے کہ انبوہِ خلق جاری ہے۔" یہ قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ دورِ جاہلیت میں بڑے لوگ اور اشراف اس ساحل سے ہٹ کر کہ جس سے عام لوگ مشعر کو جاتے تھے اپنے لیے ایک الگ خصوصی راہ متعین کیے ہوئے تھے اور وہیں سے ان کا سفر جاری ہوتا تھا۔

اے ریلے ! اے سیلاب !
اے شب میں پرجوش و پرخروش جستجو !
اے ظلمت میں ایمان و امید کی کرن !

حیرت ہے ! ایسا لگتا ہے جیسے "سورج کا شہر" عرفات کی گرمی سے پگھل گیا ہے۔ اور اب "شہرِ خواب" کی صورت میں ایک سیّال آگ کی طرح اس وادی کی سطح پر بہہ رہا ہے۔

سب اپنے اندر گم ہیں !
ہر کوئی شب میں اور اس انبوہِ خلق میں غرق ہے۔
لیکن ڈر کس بات کا ؟ اس لیے کہ راستہ ہموار اور قابلِ اطمینان ہے !
خود کو پانا اور راہ کو گم کرنا ایک المیہ ہے ،
اپنے آپ کو راہ میں کھو دینا ، نجات ہے ،
اور اس سے بڑھ کر خود کو راہ بنانا عبادت !
اس لیے کہ "عبادت" یعنی : اے "ناہموار پتھریلی زمین"، "اے رُکے ہوئے متعفن پانی"، اے غرور کی بلندی اور اے ذلّت کی پستی ، اپنے آپ کو کُوٹو ، کچلو اور ارادۂ الٰہی کے زیرِ قدم ایک ہموار راہ بن جاؤ تاکہ تمھاری ایک اچھی اور آسودہ زندگی گزرے اور تمھارے اندر وہ خصوصیات موجزن ہوں کہ جو جوہرِ حیات اور فطرتِ عالم میں ہیں۔
اے کہ انتہائے راہ میں ، خدا تمھارا منتظر ہے.....
اب ہم مشعر میں پہنچے ہیں ، مفعل ؛ اسمِ مکان ، مکانِ شعور !
ہوش مندی کو دیکھو ،

عرفات میں ، "شناخت" ، "جمع" تھی اور مشعر میں، شعور مفرد! یعنی واقعیتیں گوناگوں ہیں اور بہت ، لیکن حقیقت ایک ہے اور راہ بھی ایک ! انبوہِ خلائق کی راہ ، کہ جو خدا کی سمت جا رہے ہیں!

پیغمبرؐ اپنے اصحاب کے ساتھ ، مٹی پر بیٹھے تھے اور اپنے ہاتھ کی چھڑی سے زمین پر لکیریں کھینچ رہے تھے ، بے قید تھے ، اس لیے کہ شناخت "واقعیت" کا جاننا ہے ، "علم" ہے ، "جو کچھ کہ ہے اس کے بارے میں آگہی ہے۔" عرفات وہ آئینہ ہے کہ جس پر تمام صورتیں، تمام رنگ ، تمام نقش اور تمام کیفیتیں اسی طرح منعکس ہوتی ہیں جس طرح کہ وہ ہیں ۔ اور علم، دین و دنیا کے مقابل قرار پانے والا آئینہ کہ جس کا نام : "فقہ" یا "فزکس" ہے !

اور بس ——— !

اس میں اچھا اور بُرا نہیں ہے ، خدمت اور خیانت والی بات نہیں ہے ، پاکی اور ناپاکی بے معنی مفہوم ہے ۔ علم ہے اور علم ہر جگہ اور ہمیشہ ایک ہے ۔ یہاں کافر یا مسلمان ، لوگ یا لوگوں کے دشمن اور خائن یا خادم کی گفتگو نہیں ہے !

یہ قیود ، "شعور" میں آتے ہیں ۔ وہ قوت کہ جو علم کو اپنی خدمت پر مامور کرتی ہے ، اسے جہت بخشتی ہے ۔ اور وہی فجور پیدا کرتی ہے یا تقویٰ ، صلح کے لیے کام کرتی ہے یا جنگ کے لیے ، عدالت کو مدنظر رکھتی ہے یا ظلم کو ....

سرمایہ دارانہ نظام میں شناخت وہی ہے کہ جو غیر جانبدارانہ نظام میں ہے ۔ نازی فزیشنس نے نظرت سے وہی شناخت حاصل کی ہے کہ جو

نازیوں کی بھینٹ چڑھنے والے فزیشنس نے حاصل کی تھی، اور اسی طرح مسندِ خلافت کا مذہبی پیشوا شناخت کو دین سے اسی طرح لیتا ہے جس طرح کہ خلیفہ کے زیر اثر رہنے والا مذہبی پیشوا۔

وہ چیز کہ جو کسی کو جلاّد بناتی ہے اور کسی کو شہید، ایک کو حریت پسند اور دوسرے کو جبّار، اِس کو پاک اور اُس کو پلید، وہ "شناخت" نہیں "شعور" ہے۔

کون سا علم؟ بے معنی بات ہے، اس لیے کہ علم، ایک ہے۔
"کس طرح کی شناخت"؟ یہ بھی ایک مہمل گفتگو ہے۔ اس لیے کہ شناخت کی صورت بھی ایک سے زیادہ نہیں ہے،

لیکن کون سا "شعور"؟ یہ وہ سوال ہے کہ جس کے لیے جواب کی ضرورت ہے۔ اور حج اس کا جواب دیتا ہے:

"شعورِ حرام"!

وہ کہ جس کی عفت و تقویٰ اور حرمت و طہارت کے حریم میں نگہداشت ہوئی ہے،

یہی وجہ ہے کہ پہلا مرحلہ صرف "عرفات" کا تھا، لیکن یہاں، صرف "مشعر" نہیں، "مشعر الحرام" ہے۔

اور عجیب بات ہے کہ وقوف مشعر الحرام "رات" میں ہے!
جبکہ وقوفِ عرفات "دن" میں تھا!
کیوں ____؟

اس لیے کہ عرفات "آگاہی" کا مرحلہ ہے، [1] شناخت

---

[1] SCIENCE

ایک عینی رابطہ ہے [1] ذہن کا رابطہ بیرونی واقعیت سے دنیا، بیرونِ ذات یہاں آنکھ چاہیئے اور روشنی۔ لیکن "شعور"، "خود آگاہی" کا مرحلہ ہے [2] قوتِ "فہم" ہے اور یہ ایک ذہنی مسئلہ [3] ہے "درونِ ذات" کا ہے۔

وہاں مرحلۂ "حس" ہے اور مشاہدۂ عینی : "نظر"

اور یہاں مرحلۂ "فکر" ہے اور شہودِ ذہنی : "بصیرت"! [4]

لیکن غیر ذمہ دارانہ فکر نہیں، "آلودہ و بیمار" فہم نہیں، لااُبالی پن والا شعور نہیں بلکہ ذمّہ دارانہ شعور، فرض شناس اور ثابت قدم رہنے والا شعور جس کا شعار خلوص و تقویٰ ہو، جو ایمان کے حرمِ قداست و امنیت میں ہو، "مشعر الحرام" کا شعور، بالکل مسجد الحرام، ماہِ حرام اور شہرِ حرام..... کی طرح! کہ جن میں گناہ اور جھگڑا حرام ہے، جدال حرام ہے، جارحیت حرام ہے، یہاں تک کہ کسی جاندار کو تکلیف پہنچانا اور گھاس تک کو اکھاڑنا حرام ہے۔ یہ زمین و زمانِ حرمت ہے، جائے امن ہے اور جائے آزادی و

ا؎ OBJECTIVE

۲؎ CONSCIENCE

۳؎ SUBJECTIVE

۴؎ یہاں میں نے "نظر" اور "بصیرت" کے ان دو جملوں کو قرآن ہی کے مفہوم میں لیا ہے جہاں اس نے "نظر" کا استعمال فطرت کی مادی چیزوں کو دیکھنے کے لیے اور "بصر" کا استعمال بینائی حقائق کے لیے کیا ہے: اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ۔" اور "اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ہ

عصمت ہے ! یہ مقام تقویٰ اور خاص طور پر صلح وصلاح کے حصار میں، طہارتِ روح سے پاکیزہ اور فطرت کی روشنی سے تابناک ہے !

جائے حیرت ہے ! "شناخت" سے پیدا ہونے اور "عشق" کو جنم دینے والا شعور کہ جس کی دیوار، "علم" و "ایمان" کی دیوار سے ملی ہوئی ہے، عرفات اور منیٰ کے درمیان ! عرفات کے بعد اور منیٰ سے پہلے۔

یہ اس لیے ہے کہ شعور از خود روشن ہے اور دل کی قندیل میں اندیشے کے روغن سے شعلہ ور ہے۔

حکمت، وہ "خود آگاہی" کہ جو ہمیں انبیاء سے ملی، یہ ہے، نہ کہ فلسفہ، نہ کہ علم۔ اور وہ "علم" جس کے بارے میں اسلام نے بات کی ہے یہی علم ہے، یہ وہ علم ہے کہ جو عالم نہیں بلکہ روشن فکر اور خود آگاہ افراد کو وجود میں لاتا ہے۔ یہ حقائق و قواعد کی ذہنی تصویر نہیں ہے، روشنی اور نور ہے، ظاہر کا نہیں باطن کا نور ہے۔ "یہ وہ علم ہے کہ جو بہ تعبیر پیغمبر اُمّیؐ، ایک ایسا نور ہے کہ جسے خدا، جس کے دل میں چاہے ڈالتا ہے۔"[1]

"علم راہ" اور "علمِ ہدایت"، علم عرفات کو ہر کوئی سیکھ سکتا ہے، علمِ مشعر، وہ نور ہے کہ جسے خدا، جس کے دل میں چاہے ڈالتا ہے !

خدا کا وہ پسندیدہ شخص کون ہے ؟

وہ ہے کہ جو اپنی راہ میں نہیں، خدا کی راہ میں کوشاں ہوتا ہے اس کے لیے مجاہدہ کرتا ہے، جدوجہد کرتا ہے، " وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا

---

[1] العلم نور یقذفہ اللّٰہ فی قلب من یشاء

فِینَا لَنَہْدِیَنَّہُمْ سُبُلَنَا۔" !

علم راہ ، ہدایت ! خود آگاہی ، رستگاری ، نورِ نجات ، شعور وہ مخصوص چیز جو ایک اُمّی کو ، ایک بدوی کو "قوم کا قائد" اور مشعلدارِ راہ بناتا ہے۔ یہ علم پڑھنے لکھنے سے حاصل نہیں ہوتا ، کاپی ، کتاب اور کلاس اسے فروغ نہیں دیتے ، کسی حوزہ یا کسی یونیورسٹی میں اسے پڑھایا نہیں جاتا۔ اس کی درس گاہ میدانِ جہاد اور اس کے طالب علم مجاہدانِ ملت اور متلاشیانِ راہِ حق ہیں۔ اس علم کے لیے چراغ اور چراغ کے دھوئیں کی ضرورت نہیں ہے ، بنفس خود روشنی اور نور ہے۔

اور تم اس کے ذریعے دیکھ سکتے ہو اور خوب اچھی طرح دیکھ سکتے ہو ہر چند کہ شب ہو ، پر ہو وہ مشعر کی شب ، مشعر الحرام کی شب !

اور اس بات کا کیا ڈر کہ رات ہے اور گھپ اندھیرا ، کیا تم راہ میں نہیں ہو ؟ انبوہِ خلائق میں نہیں ہو ؟ قافلہ کے ساتھ نہیں ہو ؟ خلقت کی اس سفید نہر میں قطرہ بن کر نہیں جا رہے ہو کہ جو اپنی راہ پر جاری و ساری ہے ؟ اس لیے کہ فرمانِ الٰہی ہے کہ :

"اَفِیضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ۔"

وہیں سے جہاں سے کہ لوگوں نے جوش مارا اور جاری ہوئے تم بھی اُبل پڑو اور روانہ ہو جاؤ۔ فیضانِ خلق میں ، اور آگے بڑھتے ہوئے لوگوں کے ریلے میں تم بھی بہ نکلو۔

اور کتنا شور انگیز ہے !

سرزمینِ شعور میں رات کے وقت اسلحے کی جستجو !
اگر رات نہ ہوتی تو اسلحہ کیوں اکٹھا ہوتا !

صبح کا انتظار کیوں ہوتا ؟
کل کا جہاد کیوں ہوتا ؟
مشعر،

وقوف۔ سوچ بچار کے لیے، ترتیب و تنظیم کے لیے، روح کی آمادگی کے لیے، اسلحہ جمع کرنے کے لیے، اس سرزمین پر لوگوں کو یکجا کرنے کے لیے کہ جس کی سرحد میدانِ نبرد سے ملی ہوئی ہے،

ایسے وقت میں کہ جو روز نبرد سے متصل ہے۔

اور یہ سب کچھ، شب کی اوٹ میں، ناپیدا کمین گاہ میں، منیٰ کی سرحد میں اور حکومتِ ظلم میں روبعمل آرہا ہے!

اسلحہ کا ذخیرہ، شب کی تاریکی میں، لیکن شعور کی روشنی کے ساتھ، شعورِ حرام، شناخت کے ذخیرہ کے ہمراہ، عرفات کے اُجالے میں!

اور رات، شبِ انتظار، صبح کے انتظار میں! صبح۔ اجالا، کامیابی اور عشق، منیٰ میں!

سپاہ، جوش و خروش کے ساتھ مشعر میں پہنچتی ہے اور اس پتھریلے کوہستان میں "جمرات" کو جمع کرنے کے لیے ٹوٹ پڑتی ہے اور پھر،

خاموشی، سکون!

اور تامل!

اس صحرائے محشر"......نہیں، میرے خدا! "مشعر" میں!

اب نہ کوئی خیمہ ہے، نہ نشان، نہ قافلہ، نہ دیوار و در و سقف، نہ کوئی عارضی سڑک، نہ چراغ، نہ جگہ کا تعین نہ حفاظت کا سامان، اس کوشش

ہیں بے ہودہ اپنا وقت ضائع نہ کرو کہ کسی کو پہچانو یا اپنے قافلہ کو ڈھونڈو۔ مشعر میں ہر کوئی اپنے ساتھ ہے! اور بس! رات ہے اور وہ ہے۔

آدمیوں، سواریوں اور قافلوں کا ایک محشر ہے جو تلے اوپر آرہا ہے۔

محشر! "یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ○ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ ○ ......!

"بے خودی" سے اب تم "خود" میں آگئے ہو، اور اپنی نفی میں اثبات کو پہنچے ہو۔

احرام میں تم نے خود کو اتار پھینکا، میقات میں خود کو انبوہِ خلائق میں ڈال دیا، طواف میں خود کو گرداب کے سپرد کیا، سعی میں خود کو پالیا، عرفات میں خود کو دجلہ میں ڈال دیا اور اب اسے مشعر میں پھر واپس لے لو،

اس لیے کہ ع "ایزد، در بیابانت، دھد باز"!
اس انبوہِ خلائق میں ہر کوئی تنہا ہے۔

اے "خود" کو پالینے والے! "خود" بن جانے والے! اے "اپنے" ہو جانے والے (پرائے نہیں) کہ اب تم نے حقیقت کا رنگ پکڑا ہے! اے بلا جھوٹ کے "میں"،

بے لباس، بے نمود، نہ اب کوئی آرائش، نہ رنگ، نہ نقاب، نہ امتیاز! اے سراپا "متن"، اے بے نقاب انسان، اے خالص "تم"!

آج رات، اپنے دوست کے ساتھ مقامِ خلوت میں رہو!

جس "خود" ی کو تم چھپائے پھرتے تھے اس کا اعتراف کرو،

"خود کو آزاد کرنا، اپنی انانیت کا صراحت سے اعتراف کرنا" جانتے ہو کہ کتنا شور انگیز اور مسرت آفریں ہے؟

اب وہ وقت آگیا ہے کہ تم حصار کو توڑ دو، پردہ کو اٹھا دو، اس چیز کو کہ جو تمام عمر تمہارے وجود کے "سیاہ چال" (بلیک ہول) یا سیل میں مقید تھی اسے رہا کر دو، یہاں تم ہو اور صرف تم!

تم نے تنہائی میں ہجوم سے اتصال کیا اور اب انبوہِ خلائق میں تنہائی کو پہنچ رہے ہو۔

کتنی گراں بہا ہے وہ فردیت جو تمہیں لوگوں کے ہجوم میں مل رہی ہے۔ یہ وہ موتی ہے کہ جسے تم نے سمندر کی گہرائی میں غوطہ زن ہو کر حاصل کیا ہے۔ انبوہِ خلائق کے شانہ بہ شانہ رہنا اور اپنے آپ کو تنہا کرنا! کتنا عظیم کام ہے!

کن مع الناس، ولا تکن معھم

یہاں "مزدلفہ" ہے: کساؤ اور فشار میں لانے والا، ایک دوسرے کو قریب کرنے والا!

ایک ایسی وادی کہ جس نے اپنی آغوش کو اور زیادہ تنگ کر دیا ہے اور یہ ان سپاہیوں کو اپنے اندر سختی سے بھینچتی ہے۔

لاکھوں انسان کسی ایسے صحرا میں بکھرے ہوئے نہیں کہ جو بے حد و حصر وسعت کا حامل ہو۔ ہر کوئی، دوسرے سے دور ایک الگ مقام پر ہو، نہ کسی ایسے شہر میں ہیں کہ جہاں ہر طرف دیوار ہی دیوار ہو، ہر چند آدمیوں کی ٹولی دوسروں سے الگ کسی گھر کے حصار میں، کسی کمرے کے قفس میں، چھپی اپنے آپ سے وابستہ ہو!

بلکہ یہ سب ایک تنگ وادی میں ہیں جن کو اس وادی نے تنگی سے اپنے اندر سمیٹ لیا ہے اور یہ سب ساتھ ساتھ پہلو بہ پہلو ایک دوسرے میں سمٹے بیٹھے ہیں۔

لیکن اس کے باوجود اس آسمان اور اس عالم کے ساتھ ہر کوئی اپنے آپ میں تنہا ہے!

گویا، تم اس پُرہجوم حاکمیتِ مطلق میں، اور زیادہ تنہا ہو جاتے ہو!؟

کوئی کسی کا نہیں ہے، گھبراؤ نہیں رات نے تمھیں اپنی حریمِ عفّت میں رکھا ہوا ہے۔

کوئی نگاہ تمھاری "اصلیت" کو نہیں پڑھتی، خود کو رات میں رہا کر دو!

میں کیا کہہ رہا ہوں ــــــ؟ مشعر میں، صرف زمین، شب کے اندھیرے میں پوشیدہ ہے، آسمانِ مشعر، حریمِ سلطنتِ الٰہی ہے۔ اس خاموش نخلستان کی چاندنی میں جب تم اپنے خوں بھرے مضطرب قلب کی ہتھیلی کو اس کی خاموش غیبی بارش کے نیچے بلند کرتے ہو اور اپنی محصور و اسیر نگاہوں کو مستانہ وار پروانوں کی طرح اس "سبز مزرعہ" میں چھوڑ دیتے ہو تو اس بے درد صحرا کی غربت و اجنبیت۔ کہ جس میں تم زندگی گزارنے پر مجبور ہو۔ تمھیں اپنی فطرت کی گہرائی میں محسوس ہونے لگتی ہے اور تم خدا کی آواز کو سنتے ہو اور عالمِ خاک کے اس عظیم قیدی' انسانوں کے اس برحق امام کے درد آلود نالے تمھارے کانوں میں گونجنے لگتے ہیں کہ جو "زندگی کے پلید شہر" اور "زمین کے خالی از فریاد صحرا" کے سینے میں اپنا سر

کنوئیں میں ڈال کر رو رہا ہے۔

مشعر کی شب ایک مرموز اور ماورائی شان وشوکت کے ساتھ طلوع ہو رہی ہے اور اس کے مقابل "ہستی"، اپنے ہونٹوں پر مہرِ خاموشی لگا کر سکوت اختیار کر رہی ہے۔

اچانک ایک چڑھ آنے والا سیلاب مشعر کے درّہ سے اپنے آپ کو ٹکراتا ہے اور زور وشور کے ساتھ درّہ کے راستے پر دوڑنے لگتا ہے اور آہستہ آہستہ مشعر کی تنگ آغوش میں اور اطراف کے پہاڑوں اور ٹیلوں کے دامن پر بیٹھنے لگتا ہے اور مشعر پھر اپنی ماورائی چھت کے نیچے دوبارہ سکوت اختیار کرتا ہے۔

مشعر کی رات کا آغاز ہو چکا ہے۔ مشعر میں چراغ نہیں ہے، 'رات' چاند کی روشنی اور ان ستاروں کے موٹے اور تابناک قطروں کی بارش سے روشن ہے کہ جو مصابیح آسمان یا آسمان کی قندیلیں ہیں۔

مشعر کی رات کو، اس "خوبصورت آسمانی موجود" کو کہ جسے شہر والے اور زندگی کے مارے لوگ ..... وہ لوگ کہ جنھوں نے مٹی میں منہ ڈال رکھا ہے اور لقمہ کو خاک میں ڈھونڈتے ہیں نہیں پہچان سکتے۔ جس شب کو وہ پہچانتے ہیں، دوسری ہے۔ شبِ مشعر تعریف سے باہر ہے!

شبِ مشعر، جنت کی خیال پرور اور دل انگیز راتوں کا ایک سایہ ہے۔ اس کی چاندنی ٹھنڈی، نکھری اور پُرکشش ہے اور خدائے مہربان کی مسکراہٹ ہے اور اسی کے چہرے میں یہ بات ہے کہ تمھارا دل " ماہ و مہتاب پر خدا کی قسم " کی گواہی دیتا ہے۔

آلودۂ غبار آبادیوں، دھوئیں سے اَٹے شہروں اور سانسوں

کے بھپکوں سے ڈھکی ہوئی چاندنی، مرطوب، میلی اور غمناک ہے اور اس کے ستارے بھی زرد اور بیمار ہیں!

ذی الحجہ کی دسویں رات ہے اور توحید کے عظیم سپاہی، یہ عبادت گزار مجاہد، مسلح "عارفانِ حق" —— اس کوہستانی اردوگاہ میں سستا رہے ہیں اور اپنے عاشقانہ غور و فکر کے جذبہ میں ڈوب کر مشعر کے آسمان کو تک رہے ہیں اور بڑی سرگرمی سے اس معلق سبز دریا کا تماشا کر رہے ہیں کہ جس پر ستاروں کے الماس پَر والے پرندے ایک ایک کر کے غیب سے اُبھر رہے ہیں اور زمینِ شب کی سیاہ چھت پر دوسری دنیا کی سمت روشندان کھول رہے ہیں۔

چاند بھی اپنی پُرشکوہ چمک کے ساتھ —— کہ جو شفقت و عنایت کی صرف ایک ہلکی سی مسکراہٹ ہے کہ جس سے فطرت، زمین کے پھٹکارے ہوئے لوگوں کے چہروں کو نوازتی ہے —— پہاڑ کی اونچی چوٹی سے مشعر کے دّرے پر گرتا ہے اور الماس کے پھول کھلاتا ہے، اور "پروین" کی خوبصورت قندیل کو ایک دکھائی نہ دینے والا فرشتہ آسمان کے ایک گوشے سے لاکر مشعر کی چھت پر آویزاں کرتا ہے اور پھر وہ روشن اور پُراسرار سڑک کہ جو گویا سیدھی ابدیت سے جا ملتی ہے کہکشاں بن جاتی ہے، "علیؑ کی شاہراہ"! اے "مکہ کا راستہ"!

یعنی کیا؟ وہ راستہ کہ جس سے "علیؑ" "مکہ" جاتے ہیں؟!

کتنے مفاہیم ہیں ان عام تعبیروں میں کہ جن پر علماء —— وہ علماء جو عرفات میں رہ گئے ہیں —— ہنستے ہیں! اور کتنی "حقیقتیں" ہیں ان

لے ایک باطنی مفہوم ہے جس کی وضاحت آگے اسی مشعر کے موضوع میں ہوتی ہے "اردو مترجم"

"اساطیر" ہیں کہ جو "تاریخ" سے زیادہ عمیق اور زیادہ شاداب ہیں مگر ان کا جرم صرف یہ ہے کہ انھوں نے "واقعیت" کو نہیں پایا ہے ——!
اور مورخین —— کہ جو صرف واقعات کو جانتے ہیں —— نہیں جانتے کہ انھوں نے کن حقیقتوں کو چھوڑ دیا ہے اور وہ کتنے بے مغز خرافات، بدنما گندگیوں اور ناپسندیدہ غلط باتوں میں مصروفِ عمل ہیں اور عمر اور علم دونوں کو تباہ کر رہے ہیں۔ جن چیزوں کو انھوں نے لکھا ہے ان کی فضیلت صرف یہ ہے کہ وہ چیزیں "رونما ہوئی ہیں"! یا پھر ان کا "ظاہری جسم ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ وہ کہتے ہیں "پرومتھ" جھوٹ ہے، اور سلطان محمود کا داڑھی مونچھ والا معشوق —— "ایاز"، سچ!

مشعر کے آسمان کو دیکھو،
اور نور کے ان تیروں کو بھی جو گاہ بگاہ شب کی سیاہ روح میں اُتر جاتے ہیں۔ آسمان کے پاکیزہ حرم میں ملکوتِ الٰہی کے نگہبان فرشتوں کا تیر! کہ جب کبھی پلیدی پھیلانے والے دیو ظلمت کی آڑ میں رات کے کسی گوشے کو چیر کر وہاں اُتر جائیں کہ "جس کی بلند و متعال قداست" کو کسی پلید کے قدم آلودہ نہیں کر سکتے اور جس کے شکوہ و زیبائی کے حرمِ خلوت میں کسی نامحرم کو قدم رکھنے کی اجازت نہیں تو پردہ دارانِ "حرمِ سترِ عفاف ملکوت" اُن کو ان آگ برسانے والے شہابوں سے مارتے ہیں اور خاک کے ریگستانوں کی طرف بھگا دیتے ہیں تاکہ وہ اس راز کو نہ پائیں اور نہ سمجھیں کہ جس کو بلند و بالا عصمت نہیں چاہتی کہ وہ پلید ذہنوں کے کاسۂ فہم میں اترے۔

اور تم! اے انبوہِ خلائق کے پہلو بہ پہلو قرار پانے والے،

اے ہجوم میں گم ہو جانے والے اور اس کے باوجود" اپنی ذات کی خلوت میں خدا سے متصل رہنے والے "!

اے " مسلح عارف " ، آج رات کے شبِ مشعر کے پارسا ، اور آنے والے کل میں روزِ منیٰ کے شیر ، آج رات جب تم ان سپاہیوں میں ہو کہ جو صبحِ جہاد کا انتظار کر رہے ہیں اور خود آگاہی کی منزل گاہ میں کیمپ لگائے ہوئے ہیں ، تمھارے پاس کیا ہے ؟ موت کا لباس تن پر اور جنگ کا اسلحہ ہاتھ میں ، اور بس !

اپنے اسلحہ کو آج رات اپنا تکیہ بناؤ اور اپنے سر کے نیچے رکھ کر خدا کے ساتھ تنہائی اختیار کرو ، اس آزاد اور پاکیزہ تنہائی میں تم ہو گے اور وہ ، تمھارا اسلحہ ہو گا اور تمھارا ایمان ، اور بس !

کچھ گھڑی مشعر کے ستاروں کے روزن سے بامِ آفرینش پر پہنچو ، فضائے ملکوت میں پرواز کرو ، اپنے وجود کے تنگ حصار اور زندگی کے عالمِ پست سے اپنے آپ کو آزاد کرو ،

اے محمدؐ کے پیروکار ! "اسرائی" بنو اور کسی "معراج" تک پہنچو۔ عشق کو اپنی فطرت کے آتش دان میں روشن کرو ، اُن کمزوریوں ، دغدغوں ، بدگمانیوں اور شکایتوں کو جلا دو کہ جنھیں زندگی نے تمھارے اندر انڈیل دیا ہے — کل کے لیے ، آج رات اپنے آپ کو سنوارو ، سدھارو ، آمادہ کرو —— ! اے "بندۂ آزاد" ! "مجاہد عاشق" ، "انصاف پسند خدا پرست" ! منیٰ کے محاذ پر خناس انتظار میں کھڑا ہے ، ابلیس ، ایمان کی سرزمین پر چھائے ہوئے ہیں ،

کل کے لیے ، آج رات اپنے آپ کو سنوارو ، سدھارو ، آمادۂ سحر

پر ہولناک جنگ کا سامنا ہے۔ "شعور اور اسلحے" کے گھر میں اپنی مٹھی کے اندر "خود آگاہی" کے کارتوس بھرو اور "دعا" کے ذریعے دل میں عشق کی جوت جگاؤ ــــــ!

تم پوچھتے ہو کہ یہاں کون سی "چیز" ہے کہ جس کی زیارت کے لیے ہمیں یہاں آنا پڑ رہا ہے؟ کس عمل کو انجام دینے کے لیے ہم یہاں آئے ہیں ــــــ؟

کوئی چیز نہیں! کچھ نہیں! صرف آزادی، انسانوں کے اس گہرے سمندر میں غوطہ زن ہونے کے لیے!

جس طرح چاہو تم اپنی یہ رات گزار سکتے ہو، حتیٰ مرضی ہو تو سو بھی سکتے ہو ــــــ!

لیکن اس طرح "چاہو" کہ دھیان میں یہ بات رہے کہ تم مشعر میں ہو!

یہاں نیز دیکھنے والی کوئی چیز نہیں ہے، "کوشش کرو کہ عظمت تمھاری نگاہوں میں رہے"!

اور اس مقام پر کوئی تکلیف بھی تم پر عاید نہیں ہے، اس لیے کہ جو کچھ ہے اس سے کہیں بلند تر ہے کہ جو تکلیف کے قالب میں سما سکے، اور وہ ہے:

تأمل، غور و فکر!

لاکھوں بے نام و نشان انسانوں کا ایک ہجوم ہے کہ جو پشتِ زمین پر اس وقت جب کہ رات نے ہر طرف اپنے خیمے گاڑ دیے ستاروں سے بھرے آسمان کا تماشا کر رہا ہے!

اپنی ساری پیاس کو آسمانِ مشعر کے نیچے قرار دو تاکہ وحی کی غیبی بارشیں تمھیں سیراب کریں۔ مشعر کا سکوت اس غوغائے قیامت میں ایک محشر بپا کر رہا ہے! تم اس سکوت اور اس خاموشی کی آواز کو بخوبی سُن رہے ہو۔

اس فضا میں کوئی ایسی چیز نہیں کہ جو تمھارے فہم میں خدا کے لیے جگہ کو تنگ کرے، پوری فضا خدا سے لبریز ہے۔

تم اس کی خوشبو کو پھول کی خوشبو کی طرح بہت صاف اور سادگی سے سونگھتے ہو،

اس کے حضور کو اپنی روح کی گہرائی میں، اپنی ہڈیوں کے گودے میں، اپنی آنکھ سے دیکھتے اور اپنے کانوں سے سنتے ہو....... جانے کیا کہہ رہا ہوں ـــــــ؟ اپنے جسم پر لمس کرتے ہو، عشق کی طرح، دستِ شفقت کی طرح!

مشعر، اسلام کے چہرے کا حامل ہے، علیؑ کی شبیہ ہے: دل "عشق" سے موجزن، اور ہاتھ، تلوار کے قبضے پر۔ مشعر میں مسلمان ہونے کی تمرین کی جاتی ہے:

"شب کے پارسا، دن کے شیر"![1]

مشعر کی شب کو اپنی نسبت غور و فکر میں سحر کرنا، اپنی تلاش میں۔ مشعر کے آسمان میں روح کی معراج سے پرواز کرنا، خدا کی جستجو میں، اور مشعر کی زمین کا آمادگیٔ جہاد میں آماجگاہ بننا، بڑا عجیب منظر ہے،

عرفات سے پہنچنے والا مہاجروں کا موجیں مارتا ہوا سیلاب، سپاہیوں کی طرح پہاڑوں کے دامن میں پھیل جاتا ہے۔ یہ لوگ تیزی سے اپنی

---

[1] "زهاد اللیل و اسد النهار" (رسالتمآبؐ)

سواریوں سے اُترتے ہیں اور تیزی ہی سے اسلحہ کی تلاش میں پہاڑوں پر چڑھ جاتے ہیں۔

یہ سب توحید کے سپاہی ہیں، ان میں سلسلۂ مراتب نہیں، ہے، مگر افراد کی نسبت سے نہیں، خدا کی نسبت سے ہے۔

درجہ نہیں، ہے، مگر نام ونشان پر نہیں، فطرت پر، "خود" میں، اپنی نسبت سے: "آج کا خود"، "گزرے ہوئے کل کا خود" اور تمھارے "ہر لمحہ کا خود"،

سپاہِ توحید ہے،

ابراہیمؑ حکم دے رہے ہیں!

اسلحہ اکٹھا کرنے کے لیے تلاش، شب میں، کوہستان میں، سب ایک دوسرے کے ساتھ، ایک ہی وقت میں، ایک ہی ساتھ اور ہر کوئی خود اپنا ذمہ دار!

اس کے بعد کی منزل منیٰ ہے، جائے نبرد۔ دوسرے دن روزِ قربان ہے اور وقتِ نبرد،

جنگ کل شروع ہوگی۔

پس، آج رات مسلح ہونا ہوگا،

لڑائی دن کی روشنی میں ہوگی۔

لیکن رات کی تاریکی میں ہمیں اسلحہ جمع کرنا ہوگا!

بڑا عجیب منظر ہے! یہ ایک عظیم رات ہے، عظیم سے بھی عظیم تر، زمانہ ایک ایسی رات کو نہیں سمجھتا، مگر نہیں، خوب سمجھتا ہے۔

انسانوں کا سمندر طوفانی کیفیت میں پرجوش انداز کے ساتھ

ذہن میں جنگ کا تصور باندھے اسلحہ اکٹھا کر رہا ہے۔ لاکھوں مختلف شکل و صورت کے مرموز اشباح، سب ایک دوسرے کے ساتھ بھائی بہن، ہم فکر، ہم رزم، ہر کوئی ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتا ہے، پہچانتا ہے، مگر اس کے باوجود بھی نہ بھائی، نہ بہن، نہ شوہر نہ بیوی، نہ ماں، نہ باپ، نہ دوست نہ دشمن کوئی کسی کو نہیں جانتا، کوئی کسی کی طرف نہیں دیکھتا، ہر کوئی اپنے کام کی دھن میں ہے، مشعر کی تاریکی میں خاک پر جھکا ہوا پتھر تلاش کر رہا ہے، "جمرہ" کی جستجو میں ہے تاکہ وہ منیٰ کے میدان میں "رمی" کرے۔

"جمرہ"! سنگریزہ، مگر ہر سنگریزہ نہیں، دیکھ بھال لو! تاریکی ہے اور ملنا دشوار، لیکن ڈھونڈنا لازم ہے اور اس کا، مطابقِ قانون ہونا ضروری ہے، اچھی طرح سنجیدگی سے دیکھو۔ اس کا ایک معیار ہے، ایک دستور ہے، سب کے لیے ضروری ہے کہ وہ قوانین کی مُو بہ مُو پابندی کریں، ڈسپلین، وحدت، نظم، ہم آہنگی، اطاعتِ امر، ذمّہ داری ......

صورتِ حال بڑی سنجیدہ ہے،

ہر وہ جمرہ جسے تم اٹھاتے ہو تمھارا اسلحہ ہے، دشمن کے ساتھ تمھاری جنگ کا اسلحہ،

قانون وضع ہوا ہے، دستور دیا گیا ہے:

بتایا گیا ہے کہ تمھیں کس طرح کے "جمرات" کو اکٹھا کرنا ہے:

صاف، چمکدار، گول، اخروٹ سے چھوٹا، پستہ سے بڑا......

یعنی کیا ——؟ یعنی گولی!

ہر چیز کو قاعدہ میں لایا گیا ہے، بڑی سنجیدگی سے بیش بینی عمل میں آئی ہے۔ کل کے دن ابراہیمؑ کے کیمپ کا ہر سپاہی، منیٰ میں

ستر گولیاں دشمن کے حساس مقامات پر مارے گا:

سر پر، سینے پر، دماغ پر اور دل پر ——!

وہ گولی جو ماری جائے اور نشانہ پر نہ لگے یا دشمن کے پیر، پیٹ یا حساس مقام کو ضرب نہ پہنچائے وہ حساب میں نہیں آتی۔ تمھیں خود از قبل اندازہ کرنا ہوگا کہ اگر تمھارا نشانہ درست نہیں ہے تو زیادہ اٹھاؤ۔ اپنی مہارت کی کمی کو، زیادہ قوت کے تدارک سے پورا کرو، بہرصورت محاذ پر تمھیں کمی کا سامنا نہیں ہونا چاہیے۔ اگر تم نے ایک گولی بھی کم ماری تو تم سپاہی نہیں ہو، تم نے جنگ میں شرکت کی ہی نہیں، تم حج میں شریک ہوئے ہی نہیں۔

یہاں گفتگو ایک فوجی ڈسیپلین سے ہے۔

یہ بات بھی نہ بھولو کہ تمھیں منیٰ میں تین دن رہنا ہے، تین دن "وقوف" کرنا ہے۔ دسویں، گیارہویں اور بارہویں دن۔ پہلے دن ایک "حملہ" ہے آخری مثالی پیکر یا مجسمہ یا بُت پر، سات گولیوں کے ساتھ۔

جو کچھ تم مارتے ہو اس کا حساب نہیں ہے، جو نشانہ پر لگتی ہے اس کا حساب ہے، یہ اعمال، فوجی اعمال ہیں۔ یہاں واقعیت معیار ہے اور عمل، اس کے لیے خارجی اثر اور عینی نتیجہ درکار ہے۔

یہ سرزمینِ عمل ہے، کوئی خانقاہ نہیں، یہاں میدان، میدانِ عمل ہے ——————!

یہاں کے تمام دستور محکم، قطعی، اجتناب ناپذیر اور دو اور دو چار کے ہیں۔ صوفیانہ، فلسفیانہ اور زاھدانہ توجیہ و تاویل کی یہاں گنجائش نہیں۔ اور نہ ہی دعا، توسل، شفاعت، نالہ و استغاثہ، نذر و نیاز، مذہبی رشوت، شرعی ٹوپی، فقہی فریب، یاری، دوستی اور

قرابتی ہتھکنڈوں، فلسفیانہ خیال پردازیوں اور صوفیانہ لاابالی بن سے کوئی کام بنتا ہے، یہ اطاعتِ محض اور عمل واثر کی جگہ ہے۔ یہاں احکام پر مُو بہ مُو عمل کرنا ہے۔ اطاعت، یہاں، بےچون وچرا ہے۔ بھاگنے کی کوئی راہ نہیں، یہاں، تمھارے قصور اور تمھاری تقصیر کو کوئی معاف نہیں کرتا، معاف نہیں کرسکتا...... ان کوہستانوں میں کوئی کسی کے لیے کچھ نہیں کرسکتا۔ ابراہیمؑ اور محمدؐ سے بھی اگر ایک گولی غلط یا کم لگے گی تو وہ بھی مسئول ہوں گے اور ان کا بھی حج نہیں ہوگا۔

اگر تم نے غلطی کی تو جُرمانہ بھرنا ہوگا اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔ "شرعی ٹوپی" بننے والوں کے سر یہاں بے کلاہ ہیں۔

پہلے دن: ایک حملہ، سات گولیوں کے ساتھ،

دوسرے اور تیسرے دن، ہر روز تین حملے، اور ہر حملے میں پھر "سات گولیاں"، یہاں تک، ۴۹ گولیاں،

چوتھے دن تم کو اختیار ہے، چاہے منیٰ سے جاؤ، چاہے رہو، لیکن اگر تم رہے تو پھر تمھیں دو دن پہلے کی طرح تینوں محاذوں پر لڑنا ہوگا۔ منیٰ میں کوئی دن نہ آرام سے گزارا جاسکتا ہے اور نہ جنگ سے صرف نظر کیا جاسکتا ہے۔ اس صورت میں گولیوں کی تعداد ستر ہوجائے گی۔

اسلحے کے تدارک اور فریضۂ جہاد سے فراغت کے بعد تمھارا فوجی جذبہ ختم ہوجائے گا اور جنگ، فولاد، گولی، ڈسیپلین، طبیعت کی سختی، سپاہیانہ خشک اندازِ فکر اور قانون کی بےچون وچرا تعمیل کی بات اچانک عرفانی جذبہ میں بدل جائے گی اور صلح کا سکون، دل کی صفا، عاشقانہ اندازِ فکر اور روح کی معراج سامنے آئے گی۔

شیر کی دھاڑ اچانک درد کے نالوں میں بدل جائے گی اور گولیوں کے شور کی جگہ وہ خاموش جملے لیں گے کہ جو عمقِ شب میں آسمان کی مجذوب آنکھوں سے روشنی برساتے اور خدا سے گفتگو کرتے ہیں!

ایک عجیب منظر ہے!

یہ کوئی میکانکی معاشرہ نہیں، ایک "انقلابی امّت" ہے۔ اہلِ علم، اہلِ عمل، اہلِ سیاست، اہلِ دنیا اور اہلِ دین .... مصنوعی سرحدی بندشیں ہیں مصنوعی اور ناقص لوگوں کے لیے، امّت، ایک جماعتی معاشرہ ہے، ایسا معاشرہ نہیں کہ جو سنخی اور طبقاتی مراتب کے سلسلے پر قائم ہو۔ یہ ایک ایسا معاشرہ ہے کہ جو راہ میں ہے، وہ قافلہ ہے کہ جو سفر میں ہے، سب کا خدا ایک، سب کی راہ ایک، سب کا قبیلہ ایک اور سب ایک ہی قبیلے کے ہیں، ایک ہی دادا کے بیٹے اور ایک ہی خدا کے بندے ہیں۔

اس کا روشن خیال آدمی لڑتا ہے، اس کا مبارز، اللہ کے سامنے سر جھکاتا ہے اور اس کا عابد، سوچ بچار کرتا ہے۔

اور اب اس میدان میں کہ جس میں اس امّت کو دکھایا جا رہا ہے، مسلح مجاہدوں نے عبادت گزار عارفوں کا رنگ اختیار کر لیا ہے، جس طرح کہ اس سے پہلے وہ ــــ عرفات میں ــــ آگاہ روشن خیال چہروں کے حامل تھے۔

مشعر کی رات گواہ ہے کہ اچانک مشعر ہول انگیز سپاہیوں کے جوش و خروش میں چھپ گیا اور یہ سب لوگ ایک اسرار آمیز شب کی پناہ اور کل کے محاذ کی سرحد میں ایک بڑے لائحۂ عمل کی تلاش میں اور پھر ایک بار وہ ایک ایسے پُرسکون اور صاف و شفاف دریا کی طرح ہو گئے کہ

جو ستاروں کی بارش اور چاند کی روشنی تلے، شب کے ہمراہ خاموش اور پرسکون ہو کر رحمتِ خدا اور خوبصورتی کے فرشتوں کی مہبط ہو گئی ہو اور حیرت نے اس طرح اسے ساکت کر دیا ہو کہ جیسے کوئی پرندہ اس کے سر پر آ بیٹھا ہو۔ ایک ایسا سکوت کہ جس میں محبوب کے اشکوں کی "صدائے پا" کو سُنا جا سکتا ہو اور سوائے عشاق کے دلوں کی دھڑکن کے ـــــ کہ جن میں ہر کسی کی ایک حکایت ہے ـــــ مشعر کے لطیف سکوت کو اور کوئی نہیں توڑ سکتا!

مشعر، دنیا بیں اُن سپاہیوں کی واحد کوہستانی اردوگاہ کہ جس کا ہر سپاہی کمانڈر ہے۔ غفلت کی جگالی اور غرور کی بد مستیوں کے بجائے، شبِ جنگ میں ـــــ جس میں کہ کل کی کامیابی کو ابھی سے شبِ عید کہا جاتا ہے۔ ترنمِ عشق، فروتنی خشوع، بارگاہِ احدیت میں اپنی سرنوشت اور اپنے بے قرار شوق و جذبوں کے مقابل حیرت آمیز خاموشی، بارانِ وحی کے نیچے اپنے دل کی عطش کے التہاب، جی سے گزرنے ـــــ پارسائی میں ـــــ "خود" کی تطہیر اور ـــــ بذریعہ دعا ـــــ روح کی قوت و غذا کے حصول کی ضرورت ہے، تاکہ کل کے محاذ پر وہ، "یوسفؑ کے فراق میں یعقوبؑ کی طرح، موت کے لیے بےچینی کرے"، اور جنگ میں اپنی لیاقت کے عوض، اپنے عظیم اور اعلیٰ کمانڈر کے ہاتھ سے ـــــ کہ جس کے ہاتھ میں ہم سب کی زندگیاں ہیں ـــــ "شہادت" کا بلند درجہ حاصل کرے۔

تعجب ہے! مشعر! لب پر دعا، ہاتھ میں اسلحہ، اور صبح نبرد کا انتظار!

صبح قریب آ رہی ہے۔

نسیم سحر نے ایک عجیب اسرار آمیز جوش و ولولہ کو اُردوگاہ

میں برپا کر دیا ہے۔

اچانک، صبح کی اذان کی آوازیں ہر سمت سے بلند ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ سر جوڑتی ہیں اور دُور، دُور کے علاقے ان کے زیرِ نگیں آتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا از ہمہ سُو ساحلِ ہستی سے ٹکرا کر پھر مشعر واپس پہنچ رہی ہیں۔

لاکھوں "قامت"، ابہامِ سحر میں، رکوع و سجود سے ٹوٹ جاتے ہیں، جُھک جاتے ہیں۔

نسیمِ اذاں، توحید کی اس سفید کھیتی پر کہ جس کی شان و شوکت کو کوئی سائبان اور کوئی چھت نہیں توڑ سکتی، چھا جاتی ہے اور اپنی نرم اور لطیف موجوں کو اس پر دوڑاتی ہے۔

اور اب فجر کی نماز، ہمیشہ ادا کی جانے والی نماز،

لیکن یہاں، پھر کبھی ادا نہ ہونے والی نماز ہے!

اذانوں کی آوازیں تھم جاتی ہیں اور مشعر کچھ دیر کے لیے سو جاتا ہے۔

رات عرفات سے چوکڑی بھرتی ہوئی پہاڑوں کی بلندی سے نیچے آتی ہے اور مشعر کے سوئے ہوئے لوگوں کے سر سے گزر کر منیٰ کی وادی میں اُترتی ہے اور پھر بھاگ جاتی ہے اور صبح کا اُجالا اس کا تعاقب کرتا ہے!

———— * ————

منیٰ

طویل ترین وقوف۔ آخری وقوف اور آخری منزل!

یعنی: خواہش، ارمان، منتہائے آرزو وغیرہ۔ منیٰ،

منیہ، امانی، تمنّا، عشق! آخری مرحلہ، شناخت وشعور کے مرحلہ کے بعد!

وہ چیز کہ جسے "دینٹے" بلند ترین اوجِ آگاہی کی تقلید میں دو مرحلوں سے گزارتا ہے، عرفانِ شرق اور حکمتِ اشراق:

عقل (ورژل) اور عشق (بئاٹرس)!

"الٰہی کامیڈی" میں،

لیکن حج میں ــــ اس "اعلیٰ ترین الٰہی تمثیل" میں، اس کے تین مرحلے ہیں:

شناخت، شعورحرام اور عشق۔

اب ایک بڑے کام کا آغاز ہو رہا ہے۔ حج، اپنی بلندی سے قریب ہو رہا ہے۔

آج دسویں ذی الحجہ ہے، عید کا دن، قربانی کا دن!

صبح، مشعر کی وادی میں اُترتی ہے اور مسلمانوں کو روشنی کے بلاوے پر اُٹھاتی ہے۔

وادی کی گزرگاہ، پہاڑوں کی کمرگاہ، مختلف شگافوں اور مختلف راستوں سے قطار در قطار مجاہدوں کی بڑی، چھوٹی نہریں آہستہ آہستہ آگے کی طرف بڑھتی ہیں، ایک دوسرے سے ملتی ہیں اور ایک بڑی نہر وجود میں لاتی ہیں، وادی تنگ سے تنگ تر ہوتی چلی جاتی ہے اور نہر بھرتی اور طاقت ور ہوتی چلی جاتی ہے۔

وقوف، مشعر میں اختتام کو پہنچتا ہے اور پھر ہنگامِ کوچ ہے۔ ایک منزل سے دل اٹھانا، اور دوسری منزل کا رخ کرنا۔

توحید کے سفید پوش سپاہیوں نے راہِ سفر اختیار کر لیا ہے۔ رات

انھوں نے اسلحہ جمع کرنے خدا سے گفت گو کرنے اور انتظارِ صبحِ نبرد میں گزاری!
مشعر کے "پارسا" اور اب منیٰ کے "شیر"!

سر میں شورِ جنوں، دل میں شرارۂ سوزاں، سراپا قہر، دولتِ عشق سے مالا مال، "اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ"، اور "رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" عازمِ منیٰ ہیں۔

خدا اور ابلیس کی سرزمین!

مشعر، حرکت میں آگیا ہے اور مغرب کی سمت آگے بڑھ رہا ہے، پرشکوہ ترین منزل اس کے سامنے ہے۔ صبحِ عید کی مسکراہٹ نے ہر ایک کو بے قرار کر دیا ہے۔

سپاہی، محاذ کی بلندی پر واقع ایک دشوار گزار تنگ گھاٹی "مُحَسِّر" میں پہنچتے ہیں۔ "حملے" کا حکم پہنچنے والا ہے، "دوڑو! تیز اور چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھو!"

سیلاب اور زیادہ سمٹ جاتا ہے اور اس میں اور زیادہ بے تابی آتی ہے۔ محاذ قریب ہے اور وادی سنگلاخ اور سخت، گزرگاہ تنگ، اور تیزی سے آگے بڑھنے کا حکم! سپاہی کہ جن کے پاس ابھی تک رات کے وقوف کا آرام اور باطنی تأمل محفوظ ہے تیزی کے ساتھ، ہوشیاری اور ہجوم کی کیفیت میں آتے ہیں اور جوشِ جنوں کے ساتھ منیٰ کا رخ کرتے ہیں۔

اچانک یہ پرہجوم موجیں مارتی ہوئی نہر ایک بڑے اور ناقابلِ تسخیر بند سے ٹکراتی ہے!

پیچھے سرکتی ہے، اور پھر بے موقع رک جاتی ہے اور ایک گام بھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ صرف سپاہیوں کے آخری سرے پر ایک ہلکی سی حرکت دیکھنے

یں آتی ہے ـــــ!

کیا ہوا ـــــــــ؟

دنیا میں کس رکاوٹ کو یہ طاقت حاصل ہے کہ وہ اس طرح کی موجیں مارنے والی نہر کو ایسے مقام پر اچانک اپنی جگہ ٹھنڈا کر دے ؟

کس حکم میں یہ دم ہے کہ وہ اتنی قاطعیت اور اتنی طاقت سے اس طوفان کو روکے ؟

کس نے رکنے کا حکم دیا ـــــــ؟

طلوع ـــــــ!

وہی ہے کہ جو حملے کا حکم دیتا ہے۔

سپاہی منیٰ کی سرحد پر پہنچ گئے ہیں۔

اس بے نظم و بے ترتیب طویل قطار کے حامل ہجوم کو کہ جو لاکھوں آزاد اور جنگجو رضا کار سپاہیوں کے سمٹے ہوئے اژدحام سے وجود میں آیا ہے اور جو دنیا کی کسی بھی طاقت سے ڈکٹیشن نہیں لیتا ، ایک "تیغ قاطع" سے کاٹ دیا گیا ، سب کے سب ایک فرضی خط پر ایک "ضابطہ والی لکیر" پر سرتاسر کھڑے ہو گئے۔ اس پُرجوش و پُرخروش مضطرب گروہ میں سے کسی کو یہ ہمت نہیں تھی کہ وہ ایک قدم بھی آگے رکھے ،

ایک نامرئی دیوار مشعر کو منیٰ سے جدا کرتی ہے۔ اس فولادی دیوار کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں توڑ سکتی ، حتیٰ کہ ابراہیمؑ اور محمدؐ بھی ، کیونکہ یہ کوئی "معاہدہ" نہیں ، کوئی "قانون" نہیں جسے توڑا جا سکے ، ایک روش ہے ایک فطری طرزِ عمل ہے۔ اِس کو اُس نے جاری کیا ہے کہ جس نے علم کو جاری کیا ہے ، جس نے فطرت کے قواعد کو منظم کیا ہے ، جس نے پوری کائنات

پر مسلط نظام کی بنیاد رکھی ہے۔

"اور تم اس کی سنت میں کوئی تبدیلی کوئی تغیر نہیں پاؤ گے"!

جیسے: "کشش ثقل"، حیات و موت کا عمل، سورج کا ایک متعین خط پر آنا اور جانا وغیرہ۔

اور یہاں صرف "صبح" ہے کہ جو حکم فرمائی کرتی ہے۔ اس کی لطیف انگلیوں کے سرے اس بات پر قادر ہیں کہ وہ اس ناقابلِ تسخیر بند کو اچانک اس چڑھ آنے والے سیلاب کے پیروں کے سامنے سے ہٹا لے۔

رُکو، صبح کو آنے دو۔

جس طرح سایہ، نور کی مسکراہٹ سے دوڑ جاتا ہے اسی طرح یہ ناقابلِ تسخیر دیوار بھی کہ جس نے اس ہجوم کے طاقتور سیلاب کو اس طرح اپنی جگہ گاڑ دیا ہے ایک "مسکراہٹ" میں محو ہو جائے گی۔

ایک نظام سے وابستہ خط کی نامرئی دیوار کے پیچھے، مسلح حملہ آور، بے چینی سے اس انتظار میں کھڑے ہیں کہ آفتاب اپنا حکم جاری کرے۔

طلوعِ آفتاب کے ہراول دستے نے شب کی تاریکی کو ہر جگہ سے بھگا دیا ہے، لیکن افقِ مشرق کی بلندی تک پہنچنے کے لیے ابھی کچھ لمحے باقی ہیں۔

زمین کے کسی نقطہ پر، زمانے کے کسی حصّہ میں، دنیا کی کسی امّت پر صبح کی اس طرح حکمرانی نہیں ہے۔

یہ سودائی لوگ کہ جو جنگ اور عشق کے لیے بے قرار ہیں—' دروازہ' منیٰ کی پشت پر سورج کے انتظار میں کھڑے ہیں جو دروازۂ طلوع کی پشت تک آگیا ہے۔

لاکھوں آنکھیں اور لاکھوں دل، ایک التہابی سکوت میں روشنی

یا نور کے حکم کے منتظر ہیں۔ بعض افراد تو اپنی بے تابی اور میلان کی شدت کے سبب اعلان سے پہلے ہی اسے سُن لیتے ہیں!

کیوں ——— ؟

حکم ہے، یہ فوج کہ جو زمین پر توحید کی پوری قوت ہے دنیا کی وہ واحد فوج ہے کہ جو سورج سے حکم لیتی ہے۔

یہ وہ تنہا امّت ہے کہ جس نے صبح کی حکومت کو تسلیم کیا ہے۔

صبح، عرفات سے سر اٹھاتی ہے اور لپس کوہ "سانس لینے لگتی ہے"، شفق کی سُرخی "غاسق واقب" یا چھا جانے والی تاریکی شب کے سیاہ خیمے کو گریبان تک چاک کر دیتی ہے اور شہیدانِ جور، اور شرک کی بھینٹ چڑھنے والوں کے لہو کو "عیدِ قربان" کے چہرے پر بکھیر کر توحید کی فوج کو کہ جو تاریخ کے تین طاغوتوں کے کیمپوں پر آمادۂ یورش ہیں انتقام اور جوابی کارروائی کے لیے بلاتی ہے۔ یہ لمحے بڑے پر شکوہ اور شور انگیز لمحے ہیں۔ سورج اور اس کی چمک، شفق اور اس کی دو نیم کرنے والی سُرخ تلوار، اور صبح اور اس کی سانسوں کی گرمی ...... نے سب کو بے تاب کر دیا ہے۔ "اللہ کی یہ مقدس آیتیں" آج، نوید و نوازش بھرے دست و دامن، امید و ایمان، حکمِ جنگ اور فتح کی خوشخبری کے ساتھ آ رہی ہیں تاکہ بت شکنوں کے حملے کا حکم صادر کریں۔

آج، زمین پر ابلیس کے سب سے بڑے اڈے کو تباہ کیا جائے گا،

آج شرک تہس نہس ہو جائے گا۔

آج توحید، عشق اور ایثار اپنے پر شان و شوکت ترین چہرے کے ساتھ رونما ہوں گے۔

اچانک نور کا سیلاب وادی میں گرتا ہے اور سورج پہاڑ کی بلندی

سے سر اُٹھا کر اذنِ عبور دیتا ہے !

مسرتوں کا غُل ، سورج کی نہر اور انسانوں کا سیلاب تینوں ایک دوسرے سے مل کر منیٰ کی وادی میں اُتر جاتے ہیں ۔

لوگوں کی یہ بھیڑ اب صرف صلح کے سفید کبوتر نہیں بلکہ اس سے پہلے یہ جنگ کے مسلح مجاہد ہیں ۔

اسی لیے یہاں پھر ، نظم وضبط ، ڈسیپلین ، اور دستور کی بات آتی ہے :

" رات کو مشعر میں " وقوف " کرنا ہوگا " !

" منیٰ میں دسویں دن داخلہ ہوگا " !

صبح کی سرحد ، منیٰ کی سرحد ہے ، صبح کی لکیر ، رات کو دن سے جدا کرتی ہے ،

یہی وجہ ہے کہ سرحد سے گزرنے کا حکم ، منیٰ میں حملے کے آغاز کا حکم دسویں ذی الحجہ کی صبح کے سورج کے ہاتھ میں ہے ۔

منیٰ مغرب میں ہے اور عرفات مشرق میں ، فوج منیٰ کا رخ کیے کھڑی ہے ۔ سورج پس پشت سے طلوع کرتا ہے ، عرفات کی بلندی سے منیٰ کی تنگ وادی میں گرتا ہے ۔ سورج نیز رج کرتا ہے : عرفات میں طلوع کرتا ہے اور مشعر سے گزر کر منیٰ میں آتا ہے ۔

اور جہاد وعشق کے سپاہیوں کو ، ان مجاہدوں کو کہ جو عرفات سے آئے ہیں اور رات انھوں نے مشعر میں گزاری ہے اور وہاں سے ایمان اور اسلحے کا ذخیرہ کیا ہے ، منیٰ کی سرحد پر رکنا ضروری ہے —— اس شہر کے دروازے پر کھڑا ہونا ضروری ہے کہ جو شہادت گاہ بھی ہے اور رزم گاہ بھی ، چشم براہ آمادہ

اور طلوع کے حکم پر گوش بر آواز،
سورج کے صدائے پا کے انتظار میں !
کیوں ـــــــ؟
اس لیے کہ شب کی حکومت میں، اپنی تعمیر کرو ـــــــ!
شب کی پناہ میں اسلحہ اکٹھا کرو !

طلوع سے پہلے، منیٰ میں قدم نہ رکھو، ـــــ اس لیے کہ رات مشعر میں وقوف سے مختص ہے۔ طلوع کے بعد مشعر میں نہ رہو ـــــ اس لیے کہ دن منیٰ میں وقوف سے مختص ہے ـــــ طلوع کے موقع پر نکل پڑو،

یہ آفتاب دسویں ذی الحجہ کا آفتاب ہے،
منیٰ میں ہلّہ بولنے کا وقت آپہنچا ہے،
سورج کا حکم "زمانہ" کا حکم ہے،
زمانہ کے جبر کے آگے گردن جھکالو،
صرف سورج کے حکم پر گوش بر آواز رہو،
صرف، طلوع کے انتظار میں چشم براہ رہو،
صرف، دسویں کا سورج،
صرف، طلوعِ عید ـــــــ!
تعجب ہے!
منیٰ کی سرحد سے ابلیس کے اڈے تک تفاوتِ راہ ہے،
منیٰ میں داخلہ سے محاذ تک پہنچنے میں، فاصلہ ہے۔
اصولاً عید کو محاذ سے باہر کی فضا میں منانا چاہیئے۔
ـــــ ابلیسوں کی شکست کے بعد، کامیابی کے حصول کے بعد،

رمی جمرات کے بعد ــــــ!

اور تم ـــــ میرے بھائی، ملّتِ توحید کو دیکھو، اس قوم کے طرزِ عمل کا مشاہدہ کرو!

عید کو دشمن کی شکست میں نہیں، دوست کی کامیابی میں نہیں بلکہ آغازِ جنگ سے پہلے، عید کی فضا آنے سے پہلے مناتی ہے!

یعنی تم نے کامیابی اس وقت سے حاصل کی ہے جس وقت سے کہ تم نے "ارادہ" کیا ہے!

یعنی جونہی تم نے منیٰ کی حدود میں قدم رکھا، تم فاتح ہو!

اور..... جانے میں کیا کہہ رہا ہوں؟

کتنا دشوار ہے اس آسان اور سلجھی ملّت کا سمجھنا!

اور کتنی پیچیدہ ہے، یہ سادہ سی امّت!

یعنی کہ جب اس کا وقت آئے گا، تم کامیاب ہو،

کب اس کامیابی کا وقت آتا ہے؟

"اگر"،

تم "عرفات" سے آئے ہو گے،

"اگر"،

تم نے شب کو، "مشعر" میں، غور و فکر اور تیاری میں "صبحِ عید" سے ملایا ہو گا.......،

نہیں، نہیں ـــــ!

میں نے اساسی ترین سلسلہ ہائے "اگر" کو بیان نہیں کیا، یہ حج نیچر یا فطرت کی طرح ہے، بذاتِ خود اسلام ہے، وہ اسلام کہ

جو "لفظ" سے نہیں بلکہ "حرکت" سے بیان ہوتا ہے ، ایک "متشابہ حقیقت"!
تم جتنا بھی اس کی گہرائی میں جاؤ گے انتہا تک نہیں پہنچو گے ،
لا یتناہی ہے ۔ جس حد تک تم "سمجھو" معنی سے بھرا ہے ، صرف وہی اس بات کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے پوری طرح اسے سمجھا ہے کہ جس نے اسے کچھ بھی نہ سمجھا ہو۔

میں نے اساسی سلسلہ ہائے اگر کو تحریر نہیں کیا :
اگر تمھاری آمد "موسم" میں ہوئی ہو گی !
اگر تم "میقات" میں رہے ہو گے !
اگر تم نے "احرام" پہنا ہو گا ________ !

اور ...... جانے میں کیا کہہ رہا ہوں ؟
"تم" کون ہو ؟
"میں" کون ہوں ؟

"فرد" کچھ نہیں ہے ،
قرآن نے "انسانوں" کی بات کی ہے "انسان" کی نہیں ،
کتنا خوبصورت لفظ استعمال کیا : "الناس" !
مفرد نام اس کے دفتر میں نہیں !
"دستِ خدا ، جماعت کے ساتھ ہے"
حرکت ___ کمال ___ خلافتِ الہٰی ، فطرت میں اور ..... کامیابی "لوگوں کی تقدیر" میں لکھی ہوئی ہے ، جب کہ خدا کی ناقابلِ تغیر سنت ، اجتماعی زندگی میں ہے ۔
اور نظامِ الہٰی کے انطباق کی سمت تاریخ کی جبری راہ ، انسان کی

خلقت میں "میں" اور "تم" جو کام کر سکتے ہیں وہ اس سنّت کی دریافت، اور اس مسیرِ مقدر، جبرِ تاریخ، وقت کی الٰہی تقدیر، انسان کی زندگی کی حتمی سرنوشت اور انجام کار دنیا کے عدالت گستر انقلاب کے حتمی عمل کا صحیح انتخاب ہے۔ اس لیے کہ خدائے ابراہیمؑ اور خالقِ بشر اس بات کی خبر دیتا ہے کہ:

"اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ"

"زمین کی وراثت میرے صالح اور شائستہ بندوں کو ملے گی۔"

وہی ہے کہ جس نے خوشخبری دے کر کہا:

"وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ"

"ہم نے اس بات کا ارادہ کر لیا ہے کہ ان لوگوں پر احسان کریں کہ جن کو زمین پر کمزور بنا دیا گیا ہے اور ان کو زمانے کے پیشوا اور زمین کے وارث بنائیں!"

استضعاف یا کمزور بنا دیا جانا، ایک ایسی چیز ہے کہ جو انسان کو مسخ کر دیتی ہے، توڑ دیتی ہے، تمام انسانی وسائل اور آدمی کی تمام مادی اور معنوی قوتوں کو ختم کر دیتی ہے۔ استضعاف وہ لفظ ہے کہ جو اپنے اندر تمام انسان دشمن نظاموں اور نوعِ بشر کو مفلوج کرنے والے تمام عوامل کو سمیٹے ہوئے ہے: استبداد، استعمار، استعباد، استثمار، استحمار، اور ہر وہ چیز کہ جس کو نوعِ بشر کے دشمن اس کے بعد ایجاد کریں۔

ان کو ایجاد کرنے دو، لیکن، خدا نہ صرف اپنے ارادے کو مظلوم و

محکوم لوگوں کی نجات اور زمین کے دھتکارے ہوئے لوگوں کی آزادی کے سلسلے میں ظاہر کرتا ہے بلکہ اطمینان دلاتا ہے کہ تقدیر الٰہی ۔ تاریخ ، عنانِ رہبری اور کل انسانوں کی پیشوائی کو اس طبقہ کے حوالے کرے گا اور پوری زمین و زمان میں ہمیشہ کے محروم لوگوں کو ، طاقت کے تمام قصروں ، دولت و ثروت کے تمام گنجینوں اور مذہبی پیشوائیت اور کلچر کے تمام سرمایوں کا وارث بنائے گا ۔

اثر قانون میں مستضعفینِ زمین کی مغضوبینِ زمین[1] سے شباہت دیکھیے ـــــــ ! ،

قیامت میں تقدیر ساز افراد ـــــ کہ جو خدا کی طرف سے مامور ہیں ـــــ انسانوں کو پرکھ کر دو گروہوں میں تقسیم کریں گے ، ایک ناجی گروہ کہ جو جنتی ہوگا اور دوسرا محکوم و مغضوب[2] گروہ کہ جو دوزخی ہوگا ۔ زمین پر بھی تقدیر ساز افراد نے ـــــ کہ جو یہاں ابلیس کے مامور ہیں ـــ انسانوں کو جنتی اور دوزخی دو گروہوں میں تقسیم کر رکھا ہے ۔ سارتر کی تعبیر کے مطابق جو اسی کتاب کے مقدمہ میں ہے :

" زمین کی دو ارب آبادی میں سے بہ زبانِ استعمار ، پانچ سو ملین یا نصف ارب " انسان " ۔ اور باقی تمام لوگ " پینڈو " ہیں ، زمین کے دھتکارے ہوئے لوگ ہیں ۔ تیسری دنیا کی دوزخ میں رہنے والے ہیں ۔"

لیکن " تاریخ کے علمی جبر " یا " تاریخ کی الٰہی تقدیر "

LES DAMNES DE LA TERRE ۱ے

CONDAMNES ۲ے

نے ـــــ بات ایک ہی ہے ـــــ "زمین کے مغضوبین" یا "زمین کے مستضعفین" ـــــ بات ایک ہی ہے ـــــ کی کامیابی کی ضمانت دی ہے۔ "امتِ بشری کے قافلے ـــــ ہابیل شہید کے فرزندوں ـــــ کے سلسلے میں مشیت الٰہی نے ان کی راہ کا تعین کر دیا ہے۔

تاریخ کا جبر[۱] خداوندِ عالم کی تبدیل نہ ہونے والی سنت ہے۔

"وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا" [۲]

خداوند عالم اپنی خلقت کو "وجود" بھی دیتا ہے اور "جہت" بھی

لـه "الخلق" ولـه "الامر" [۳]

---

[۱] "جبر" سے مراد علمی تقدیر یا DETERMINISME ہے۔ یعنی ہر چیز۔ یہ تمام دنیا، انسان اور زمانہ۔ ایک معین شدہ علمی قوانین کے تابع ہے اور ہر خلقت اور ہر وجود کی ایک انتہا اور ایک حد ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ قرآن میں بیان ہونے والی "تقدیر" یا "قدر معلوم" "یا" اجل مسمیٰ" بھی یہی ہے اور (TERME = قدر سے) -DETERMINISME) کی اصطلاح اسی کی ہم ردیف ہے!

[۲] "سنت" دنیا، معاشرے اور تاریخ پر مسلط علمی قانون ہے اور میں اس کا ترجمہ FAIT (واقعہ) کرتا ہوں، اور "آیت" ایک "واقعیت" ہے کہ جو توحیدی نقطۂ نظر سے "نشان یا علامت" ہے اور آج کی علمی تحقیق میں اسے "مرئی شے" کے مفہوم میں لیا جاتا ہے اور میں اس کا ترجمہ PHENOMENE کرتا ہوں، باوجود اس کے کہ ہر "سنت" خود نیز ایک آیت ہے، یعنی ایک علمی قاعدہ "ایک "اصل"، نیز ایک "مرئی شے" یا "فنومن"!

[۳] "خلق" "ایک شے یا ایک "مرئی چیز" کی ایجاد ہے: ستارہ، انسان وغیرہ "امر" وہ کردار یا وہ کام جو اس کے ذمہ ہوتا ہے اور وہ کیفیت کہ جس میں (باقی اگلے صفحہ پر)

اگر تم اس کی ایک آیت، ایک نشانی ہو، تمھاری سرنوشت کا دارومدار اس بات میں ہے کہ تم جبرِ "سنت" کو دریافت کرو، "اختیار کرو"۔ فطرت کی اپنی ایک جبری حرکت ہے۔ تاریخ بھی اپنی ایک جبری حرکت پر قائم ہے اور انسان بھی اپنی جبری راہ کو طے کر رہا ہے۔

اور تم، چار "جبر" کے قیدی، "فطرت" — "تاریخ" — "معاشرہ" — اور — "اپنی ذات"، کے چار بڑے قید خانے کے اسیر، تمھیں چاہیے کہ تم فطرت کے جبر کو دریافت کرو اور اپنے علم اور اپنی آگاہی کے ساتھ اپنے آپ کو اس کی راہ میں ڈالو۔ اس طرح جبرِ فطرت کے ساتھ ہم آہنگی سے تمھیں اس سے رہائی حاصل ہوگی [1]

تمھیں چاہیے کہ تم تاریخ کو بھی کھرچو (فلسفۂ علم تاریخ کو سمجھو) اور سمجھ بوجھ کر اس میں اپنی جگہ بناؤ۔ اس طرح جبرِ تاریخ کے ساتھ ہم آہنگی سے تم اپنی تاریخ کی جبری راہ کو بدل دوگے اور اسی طرح (عمرانیات سے) اجتماعی ماحول کے جبر کو دریافت کرو، معاشرے کے قوانین کو پہچانو، اسے اپناؤ اور پھر اس طرح تم ایک باخبرانہ انقلاب کے ساتھ معاشرے پر مسلط نظام کے زندان سے چھٹکارا پاؤگے۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) وہ رہتا یا رہتی ہے۔ خلق کی گفتگو "وجود" سے ہوتی ہے CREATION اور امر میں جہت اور ہدایت کی بات ہوتی ہے : (ORIENTATION)

[1] ایک ماہر علم فزکس کی طرح کہ جو کشش کی قوت کو توڑتا ہے اور علم زراعت کے ایک اعلیٰ سند یافتہ کی طرح جو اپنے ارادے کو پھیلے ہوئے جبر اور پودوں پر لاگو کرتا ہے۔

ان تینوں زندانوں سے رہائی بذریعۂ "علم" ہوگی۔
لیکن چوتھا زندان "اپنی ذات" کا زندان ہے، خواہشوں کا زندان۔
یہ وہ زندان ہے جسے تم اپنے ساتھ لیے پھرتے ہو۔

"علم" اس چوتھے زندان کی رہائی سے عاجز ہے۔ اس لیے کہ یہ تینوں زندان تمھاری ذات کے باہر تھے اور یہ چوتھا زندان تمھارے اندر ہے۔ اپنے اندر یا اپنی ذات میں تمھارا "عالم ہونا" ہے۔ یہاں ایک ایسے علم کی ضرورت ہے کہ جو تمھیں تمھاری شناخت کروائے، تمھاری ذات کو دریافت کرے۔ ایک ایسی قوت کی ضرورت ہے جو تم پر چھا جائے اور تمھارے اندر ہلچل پیدا کر دے، ایک ایسے طاقتور ہاتھ کی ضرورت ہے کہ جو تمھیں، تم سے علیحدہ کر کے بدل دے۔

یہاں، اب اس منزل پر علم نہیں، اس لیے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ علم خود عالم کے انسانوں کا اسیر ہے، بلکہ "حکمت" کی ضرورت ہے!
علمِ فطرت، خود آگاہی،
وہ نور کہ جس کو انبیاء نے زمین کے شبستان میں افروختہ کیا ہے۔
دین! وہ دانش کہ جو تمھارے اندر کے زندان کو تمھیں پہچنواتی ہے، تمھارے وجود میں چھپے ہوئے زندانبانوں کو تم پر منکشف کرتی ہے۔ اور وہ قوت کہ جو تم کو اپنے زندان سے چھٹکارا دلاتی ہے؟ "صنعتِ علم" نہیں، "ہنرِ عشق" ہے!
اگر تمھاری جان" بھی تمھارا زندان بن گئی ہو تو وہ اسے بھی توڑ دے گا شہادت سے —— اور اگر تمھارے اسمٰعیل نے تمھیں پابند کر دیا ہو تو وہ اسے بھی تمھارے ہاتھ سے ذبح کروا دے گا —— شہادت سے بالاتر مرتبہ میں ——!

چوتھے زندان سے رہائی، بذریعۂ عشق!

وہ علم کہ جو تمھیں خود آگاہی اور خدائی فطرت بخشتی ہے تاکہ تم اپنے آپ کو ـــــ اس طرح جس طرح فطرت کا عمل ہے ـــــ ویران کرو، اور ـــــ اس طرح جس طرح کہ خدا چاہتا ہے ـــــ سنوارو!

اس لیے کہ تم صرف ایک "وجود" ہو۔ تمھیں اپنی "ماہیت" خود تخلیق کرنی ہے ـــــ اس لیے کہ انسان ایک ایسی مخلوق ہے کہ جس کا اس صحرا میں "ہبوط" ہوا ہے اور اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے[۱] تم ـــــ؟ ایک "بے وضع وجود" ہو، ایک لاشئے ہو جو ہر شئے بن سکتے ہو، ایک مرکز پر جنبش میں ہو، ایک "امکان" ہو، ایک "عبث شئے" ہو کہ جو "آدمی" بن سکتے ہو، "آدم" کو انتخاب کر سکتے ہو، اپنی فطرت کو پا سکتے ہو (دین)، خود آگاہی اور باخبری سے اپنے آپ کو اس راہ پر ڈال سکتے ہو اور آدم کی تقدیر سے ہم آہنگ ہو کر اپنے اندر کے زندانِ جبر سے آزاد ہو سکتے ہو، "انتخاب" کر سکتے ہو اور تاریخ کی جبری راہ کو سمجھ سکتے ہو، اس لیے کہ یہ "آدم" کی تاریخ ہے کہ جو زمانے کی رہگزر پر چلی جا رہی ہے، ایک جبری سفر ہے اللہ کی سمت ایک دائمی حرکت ہے۔ اور تم، اے "ایک جگہ پر جم جانے والے

---

[۱] "تفویض" یا خودسپردگی اور "صداقتِ انسان" کی بنیاد ـــــ ہیومینزم ـــــ، اگزسٹنیلزم کے فلسفہ میں یہ اصطلاح سارتر DELAISSEMENT ہے! کہ جس کا صحیح ترجمہ تفویض ہے۔ یعنی انسان، جبر طبیعت یا تقدیر میں کہ جس کی حکومت تمام موجودات پر ہے، واحد آزاد مخلوق ہے کہ جسے "اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے"! اور میں جنت سے زمین پر آدم کے ہبوط کو اسی مفہوم میں لیتا ہوں۔

ہیچ " جاری ہو جاؤ ، حرکت میں آؤ ، آدم کو پہچانو اور آدم ہونے کو اختیار کرو ، اس لیے کہ یہ جبری " نہر " جاری ہے ، اس کی روانی ابدی ہے ، اور مشعر میں شب کی حاکمیت اور منیٰ میں تین " جور " وں کی حکومت ، اس " جبر " کے کامیاب سفر کو نہ روک سکتی ہے اور نہ اس کا راستہ بدل سکتی ہے ، اس لیے کہ یہ خداوندِ عالم کی سنّت ہے " ولن تجد لسنة الله تبدیلا "
ولن تجد لسنة الله تحویلا " !

تمھاری سرنوشت ایک ایسا متن ہے کہ اگر تم " نہ جانو " تو لکھنے والے ہاتھ اسے لکھیں گے اور اگر " جانو " تو خود لکھ سکتے ہو۔

اور تم ' اے " ہیچ " اے خارج از طلب (بے کار) انسان کہ جو " آگاہ " ہو اور " آزاد " ، اگر تم " موسم " میں " میقات " آؤ اور اپنی فطرت کی گزرگاہ —— آدم کے جبری خطِ سیر —— کو " پہچانو " اور اسے " انتخاب " کرو تو تم ارادۂ الٰہی کے زیرِ قدم ایک ہموار راہ بن سکتے ہو ، ایک ایسی راہ کہ جو گھر سے کعبہ کی سمت جاتی ہے ، وہ راہ کہ جو تمھیں " بدبودار کیچڑ " سے " خدا " تک لے جاتی ہے !

اس لیے کہ یہاں حکومت ، " تقدیرِ الٰہی " کی ہے ۔ حاکمیت ، " جبرِ علم " ہے ، اور اس " جاری و ساری نہر " کے ساحل پر " جبرِ کامیاب "

یہ تم ہو کہ جو آزاد ہو ، مختار ہو ، انتخاب کر سکتے ہو ،
ساحل پر بیٹھے رہنے کو ، اپنی موت کو
اور حرکت و خلود کی جبری گزرگاہ کے ساتھ ، خلق کو
جاری رہنے کو ،
اور دیکھ رہے ہو کہ —— امامؑ کی تعبیر کے مطابق —— نہ " جبر "

ہے اور نہ "اختیار" بلکہ یہ امر ہے، ان دونوں کے درمیان!
کیا ہے ـــــــ؟ "اختیارِ جبر"!
"تفویض تفویض"! طاعت و تسلیم! اسلام!
اور یہ "امّت" کی عظیم نہر، یہ لوگوں کا نہ ٹوٹنے والا ریلا منیٰ کی سرحد سے گزرتا ہے اور ابلیس کے مقابل کامیابی حاصل کرتا ہے۔ انبوہِ خلائق کی یہ سپاہ جونہی منیٰ میں اپنا پہلا قدم رکھتی ہے دسویں ذی الحجہ کا سورج سحر گاہ کے برج سے فتح کا پرچم بلند کرتا ہے اور اپنی پہلی مسکراہٹ سے، عبور اور آغازِ راہ کی اجازت بھی دیتا ہے، حملے اور آغازِ جنگ کا فرمان بھی صادر کرتا ہے اور ساتھ ہی فتح اور اختتامِ کار کے جشن کا اعلان بھی کرتا ہے!
یہ "تاریخ کا جبر" ہے، انبوہِ خلائق کے "مقدر" کا سرانجام،
لیکن "انسان کے اختیار" میں، تم، فرد کے "تفویض"
کا سرانجام،
سلسلۂ اگر کا اگر ـــ؟
اسی سبب سے:
تم کامیاب ہوتے ہو،
"اگر تم نے اس رواں دواں ہجوم سے اپنا تعلق قائم کیا ہوگا ـــ
ـــ اس خلقت سے کہ جنھوں نے خدا کا عزم کیا ہوا ہے ـــ
"امّت" سے!
اس چلتے چلے جانے والے معاشرہ سے!
لوگوں سے، اس موجیں مارتی ہوئی نہر سے کہ جس کی راہ میں حائل آنے والی ہر چٹان اور ہر بند کو مشیتِ تقدیر اور جبرِ تاریخ، ریزہ ریزہ

کر کے "سمندر" میں پھینک دیتی ہے۔

ہاں ، اگر تم مشعر سے گزرنے اور منیٰ پہنچنے کی راہ میں نہ اٹکے نہ بھٹکے، نہ اپنے من کی چال پر چلے ، نہ تمھاری راہ ، لوگوں سے ہٹ کر رہی اور تم منیٰ پہنچے ، تم نے ابلیس کو رمی کیا ، اسماعیل کو ذبح کیا تو تم اپنے ارمان وایمان کی بلند ترین چوٹی پر ہو گے ۔ اگر تم نے "ہجومِ خلائق" کے قدم پر قدم رکھا اور وہیں سے آغاز کیا جہاں سے کہ پوری خلقت آغاز کرتی ہے ۔ اگر تم نے دریا سے اتصال کے لیے اپنے جوش وخروش کو مشعر میں انبوہ خلائق کے جوش وخروش کے ساتھ ـــــ کہ جو رات کو زمزمۂ عشق سے سرشار کل کے جہاد کے لیے اسلحے کی جستجو میں ہیں ـــــ ہم آہنگ کیا تو یقیناً کامیاب ہو۔ اس لیے کہ حکم بھی یہی ہے ، حج کرنے والوں کے لیے خدا کا صریح ارشاد ہے :

" اَفِیضُوا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ "

—— ✳ ——

سپاہِ توحید ، مسلح ومصمم ، منیٰ کی وادی میں اترتی ہے ۔ منیٰ کا درّہ ، میدانِ جنگ ۔

رمی جمرات

تین فوجی اڈے ایک دوسرے کے پیچھے ، ہر ایک چند سو میٹر کے فاصلے پر ، ایک خطِ مستقیم کی لمبائی میں ، ایک راستہ پر ،

لیکن آج وہ "شارع ملک" ہے ـــــ ہر ایک ، ایک "یادگار ستون" ، ایک "مجسمہ" ایک سمبلیک تعمیر ، ایک "بت"!

ہر سال ان کے چہرے سفید کر دیے جاتے ہیں !!

اللہ اکبر ! کتنی معنی خیزی ہے ــــــ !

حملہ آور سپاہ، منیٰ میں پہنچتی ہے، "جمرات" ہاتھ میں آمادہ و تیار !

"پہلے بت" پر پہنچتے ہو، (جمرۂ اولیٰ)
مارو نہیں، گزر جاؤ !

"دوسرے بت" پر پہنچتے ہو، (جمرۂ وسطیٰ)
مارو نہیں، گزر جاؤ !

"تیسرے بت" پر پہنچتے ہو، (جمرۂ عقبیٰ) [1]
گزرو نہیں، مارو !

کیوں ــــــ ؟

کیا حکماء، عاقل اور تجربات سے گزرنے والے ناصح لوگ، معلم حضرات، اہلِ منطق کہ جو دوسروں کی رہنمائی کرتے ہیں نہیں کہتے :

آہستہ، دھیرے، بتدریج، ترتیب سے، ضابطہ کے ساتھ....؟

لیکن یہاں ابراہیمؑ حکم دیتے ہیں :

"پہلے حملہ میں آخری کو مارو" !

ــــ مارا ــــ ؟

ــــ ہاں ــــ !

---

[1] "جمرۂ عقبیٰ"، "عقبہ" کے قریب ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں جناب رسالتمآبؐ نے یثرب (بعد کے مدینہ) کے لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ پیمان باندھا تھا اور اسی رو سے اسے جمرۂ عقبہ بھی کہتے ہیں۔

—— کتنی مار ماری ؟

—— سات مار ——،

—— یقینی طور پر لگی —؟

—— یقینًا لگی ——،

—— پیسر اور پیٹ پر مارا ——؟

—— نہیں ——،

—— ٹھیک اس کے سر پر ؟ اس کے چہرے پر —؟ اس کے رو در رو ——؟

—— ہاں

—— بس ، اب اختتام ہوا !

جنگ ختم ہو گئی ہے ، آخری جیب گر جائے تو پہلا اور دوسرا اس بات پر قادر نہیں کہ اپنے پیروں پر کھڑا رہے ، یہ آخری ہے کہ جو پہلے اور دوسرے کو سنبھالے رکھتا ہے ۔

آخری محاذ سے لوٹ رہے ہو ؟ سوائے قربانی کے اب تمھارا کوئی کام نہیں رہا ، فتح کا اعلان کرو !

آخری مرکز جب ڈھلا تو تم کامیاب ہو ۔

کامیابی کا جشن مناؤ ، احرام سے باہر آؤ ، زندگی کا لباس پہنو عطر لگاؤ ، اپنے آپ کو سنوارو (حلق و تقصیر کرو) [1] منکوحہ کو آغوش میں لو ،

---

[1] میرا خیال ہے کہ حلق یا تقصیر (سر کے بال مونڈنا یا چھوٹے کرنا) حکم نہیں ، رفع نہی ہے ۔ اس لیے کہ (حج کے دوران) حلق یا تقصیر نہ کرنے کا (باقی اگلے صفحہ پر)

اب تم آزاد ہو، انسان ہو، منیٰ پر غالب ہو، فاتح ابلیس ہو،
میں کیا کہہ رہا ہوں ——— ؟
ابراہیم ہو ——— !
اب تم وہاں تک پہنچے ہو کہ "اس کی راہ میں اپنے اسماعیل کو قربان کر سکتے ہو ——— !

❋

قُربانی

آخری بت کی رمی کے بعد، فوراً قربانی کرو! اس لیے کہ یہ تین "بُت" تثلیث کا مجسمہ ہیں، "ابلیسی" مرحلہ کے تین مظہر، بھولو نہیں "یہی مفہوم نیت ہے"! ہمیشہ نیت کے ساتھ رہو، "خود آگاہ"۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حکم تھا اور محرمات احرام میں اس کا شمار ہوتا تھا، مگر جب تم احرام سے باہر آتے ہو تو اس کے ساتھ اس کے محرمات بھی ختم ہو جاتے ہیں جس میں سر کے بالوں کا تراشنا، ان کو چھوٹا کرنا بھی اسی طرح ہے جس طرح عطر لگانا اور اپنے آپ کو سنوارنا۔ گزشتہ میں چونکہ لوگ سنورنے کے عنوان میں سر کے بال ترشواتے تھے، عید قربان کے موقع پر، بندشوں کے ہٹنے کے بعد حاجی حضرات اصلاح یا حجامت کرتے تھے اور یہ خود عید قربان کی ایک نشانی اور مراسم حج کے اختتام کا جشن تھا اور اسی کو مناسکِ حج میں شمار کیا جانے لگا۔ دوسرے سورہ کی ۱۹۶ آیت کہ جس کے استناد پر حلق کو حج کے اعمال میں شمار کیا جاتا ہے میرے خیال میں بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ سر تراشنے کو حج کے اعمال میں توفیق کی علامت گردانتی ہے۔ یہ ایک گمان ہے اور (باقی اگلے صفحہ پر)

سمجھو کہ کیا کر رہے ہو اور کیوں کر رہے ہو، ان اعمال کی ظاہری صورت تمھیں اپنے اندر گم نہ کر دے، مفاہیم سے غافل نہ رہ جاؤ، یہ سارے اشارے ہیں۔ ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی نظر کو اس طرف سے نہ ہٹاؤ جس طرف اشارہ کیا جا رہا ہے، "فارمولیٹزم" یا آئین رسومات تمھیں پیچیدہ ٹیکنیکی پیچ و خم میں بھٹکا نہ دے،

حج معانی کرو، نہ حج مناسک۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ اس کے اثبات میں مجھے کوئی تعصب نہیں، اور شاید معاصر کے بعض بڑے شیعہ مراجع بھی حلق کے مسئلہ میں تعصب سے کام نہیں لیتے اور تقاضائے مشاغل، اجتماعی صورتِ حال، یہاں تک کہ کسی شخص کی زندگی کے ذاتی حلقہ میں اس کی ناپسندیدگی کے پیش نظر۔ خود اس کی اپنی تشخیص کی بنیاد پر۔ کافی سمجھتے ہیں کہ حلق نہ کرے۔ بعض صرف پہلے حج میں اسے واجب قرار دیتے ہیں اور کچھ نے اسے "احتیاطِ واجب" کے حکم میں لیا ہے۔ یعنی انھوں نے اجازت دی ہے کہ ان کا مقلد اس موضوع میں دوسرے مرجع کے فتوے پر عمل کرے..... یہی سبب ہے کہ اس طرح گمان کیا گیا ہے اور ایک حکم اور حج کے اصلی مناسک کی ایک کڑی کے عنوان سے اس پر عمل کرنے میں قطعیت سے کام نہیں لیا گیا ہے۔

اس انتہائی حساس بنیادی بات کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری ہے کہ ان مسائل میں مجھے یا مجھ جیسوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ ہم اپنے عقلی استنباط پر تکیہ کریں اس لیے کہ اس صورت میں ایسے ہنگامے برپا ہوں گے کہ جس کا سنبھالنا مشکل ہوگا، لہٰذا ان امور میں، میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم کسی مسئلہ کو پسند نہ کریں حتیٰ کہ درست بھی نہ جانیں، تب بھی ضروری ہے کہ تقلید کریں۔ اس لیے کہ بقول ابوذرؓ باقی اگلے صفحہ پر

یہاں ہر چیز "نیت" ؎ سے وابستہ ہے۔
اس لیے کہ حج سرتاپا "نیت" ہے۔
دیگر اعمال، بلا "نیت"، خود بالذات، کچھ ہیں۔
روزہ میں اگر تم نے "نیت" نہیں کی، اس کے کچھ آثار کو بہرحال پاؤ گے ـــــــ!
جہاد میں اگر تمھاری "نیت" نہیں تھی، تو پھر بھی تم ایک سپاہی کہلاؤ گے۔
لیکن اگر حج میں "نیت" نہ ہو تو بے کار ہے، کچھ بھی نہیں، سب کچھ ہیچ ـــــــ
صرف حرکتوں کا ایک مجموعہ ہو کہ جس کا کوئی فائدہ نہیں۔
اس لیے کہ یہ مناسک سارے اشارے ہیں علامتیں ہیں رمز ہیں ـــــــ،
جو شخص یہ نہ جانے کہ "سجود" کیا ہے اس نے صرف اپنی پیشانی مٹی پر ملی ہے۔
جس کو یہ خبر نہ ہو کہ یہ مناسک کن باتوں کو ظاہر کرتے ہیں وہ مکہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ اتفاقاً اسی حج میں۔" اختلاف زیادہ برا ہے۔"

؎ "نیت" کو بھی مفہوم سے گرا کر ایک "ٹیکنیک" کر دیا گیا ہے۔ ایک "قراردادی عبارت" کا تلفظ! "فنون حج" کا ایک خصوصی ماہر اپنے متعلقہ حاجیوں سے کہہ رہا تھا: آیئے آپ کی نیتوں کی قرائتوں کو درست کریں! جلّ الخالقُ! ملاحظہ فرمایئے۔ کس چیز کو کیا کر دیا گیا ہے!

سے صرف "تحفے تحائف" ہی لائے گا۔

اس کا اٹیچی کیس بھرا ہوگا اور خود خالی ——— !

حج میں تم "توحید" کو عمل میں لاتے ہو، طواف کے ساتھ۔

ہاجرہ کی تلاش اور سرگردانی کو بیان کرتے ہو، سعی کے ساتھ۔

کعبہ سے عرفات تک، آدم کے ہبوط کو۔

اور عرفات سے منیٰ تک، تاریخ کو[1] انسان کی خلقت کے فلسفہ کو ———،

اور علم سے عشق تک فکر کی سیر کو، اور خاک سے خدا تک معراجِ روح کو۔

اور منیٰ میں، کمال کی آخری منزل کو، منتہائے آرزو کو، آزادیٔ مطلق کو، بندگیٔ مطلق کو،

ابراہیم کو،

اور اب تم ابراہیمؑ کے منیٰ میں ہو اور اپنے اسماعیل کو مقتل میں لائے ہو ——— !

تمہارا اسماعیل کون ہے ؟

کیا ہے ——— ؟

---

[1] "تھائن بی" کی عمیق تعبیر کے مطابق "تاریخ، خلقت انسان میں خدا کی ایک اسکیم ہے"، اور اسی سے ملتی جلتی تعبیر "سارٹر" کی ہے کہ: "فطرت یا خدا نے انسان کو وجود بخشا ہے اور یہ تاریخ ہے کہ جو اس کی ماہیت کو خلق کرتی ہے" اور تاریخ کی علمی تعریف کے مطابق: دائمی عمل کے ساتھ "ہونے" کا علم انسان ہے۔

تمھارا مقام ـــــ؟ تمھاری آبرو ـــــ؟ تمھارا مرتبہ ـــــ؟
تمھارا مشغلہ ـــــ؟ تمھارا پیسہ ـــــ؟ تمھارا گھر ـــــ؟ تمھارا
باغ ـــــ؟ تمھاری گاڑی ـــــ؟ تمھارا معشوق ـــــ؟ تمھارا گھرانہ؟
تمھارا علم ـــــ؟ تمھارا رتبہ ـــــ؟ تمھارا ہُنر ـــــ؟ تمھاری
روحانیت ـــــ؟ تمھارا لباس ـــــ؟ تمھارا نام ـــــ؟ تمھارا
نشان ـــــ؟ تمھاری جان ـــــ؟ تمھارا جوان ـــــ؟ تمھاری زیبائی...؟

مجھے کیا معلوم؟ اسے تو تم خود جانتے ہو، جو بھی ہے، اسے خود تمھیں منیٰ میں لانا ہوگا اور قربانی کے لیے اس کا انتخاب کرنا ہوگا۔

میں صرف قبل کی "نشانیاں" تمھیں دے سکتا ہوں:

وہ کہ جو تمھیں ایمان کے رستے میں کمزور کر دے، وہ جو تمھیں "جانے" میں "رہ جانے" پر بلائے،

وہ کہ جو تمھیں اپنے فرائض کی راہ میں متردّد کر دے، وہ کہ جس نے اپنے آپ کو تم سے باندھ کر تمھیں روک رکھا ہے۔

وہ کہ جس کی وابستگی نہیں چھوڑتی کہ تم "پیام" کو سنو تاکہ حقیقت کا اعتراف کرو، وہ جو تمھیں "فرار" کو کہتی ہے،

وہ جو تمھیں مصلحت آمیزانہ تاویل و توجیہ کی طرف لے جاتی ہے اور اس کی لگن تمھیں اندھا اور بہرا کر دیتی ہے،

تم "ابراہیمی" ہو اور "تمھارے اسماعیل" کی کمزوری تمھیں بازیچۂ ابلیس بنا دیتی ہے۔ تم شرف کی بلند چوٹی پر ہو اور سراپا فخر و فضیلت۔ تمھاری زندگی میں صرف ایک چیز ہے کہ جس کو حاصل کرنے کے لیے تم بلندی سے نیچے آتے ہو، اس کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دینے کے لیے تم ابراہیمی انداز

ہیں حاصل کی ہوئی ہر شئے کو اپنے ہاتھ سے کھو دیتے ہو۔

اور وہ تمہارا اسماعیل ہے، تمہارا اسماعیلؑ ممکن ہے ایک شخص ہو، یا ایک شئے، یا ایک حالت، یا ایک کیفیت، اور حتیٰ ایک "کمزور نقطہ" ——— !

لیکن ابراہیمؑ کا اسماعیلؑ، اس کا فرزند تھا!

ایک سن رسیدہ انسان، اپنی عمر کے آخری حصہ میں، اپنی ایک صدی پر محیط پُرکشاکش اور زیروبم سے بھری زندگی کے بعد کہ جو سرتاسر، سرگردانی، جنگ وجہاد، جستجو، قوم کی جہالت سے جنگ، جورِ نمرود سے دوچار، متولیانِ بت پرستی کے تعصب، ستارہ پرستی کے خرافات، اور زندگی کے دباؤ جیسی مشکلات کا شکار رہا۔ اور جس نے اپنی آزاد اور روشن جوانی، ایک انتہائی سخت اور متعصب بت پرست و بت تراش باپ کے گھر گزاری ! [1] اور پھر اس کے گھر میں بڑے گھر کی حامل ایک متعصب عورت: سارا ——— اور،

---

[1] آزر کے باب میں قرآن کہتا ہے: "اپنے باپ" کو.... (قال ابراھیم لابیہ: آزر) اور ہماری تفاسیر اسے "ان کے چچا" کے مفہوم میں لیتی ہیں۔ میں نے یہاں اسی قرآن کے لفظ کو لیا ہے، اسی مفہوم میں کہ جس مفہوم میں قرآن نے لیا ہے۔ میرے والد اور میرے استاد محمد تقی شریعتی کا کہنا ہے کہ لفظ "اب" اس مقام پر ان دلائل کی رو سے باپ کے مفہوم میں نہیں ہے:

"شیعہ مفسرین نے تین دلائل کی بنیاد پر کہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کے چچا یا ان کی والدہ کے شوہر ہیں اور ان کے والد تارخ: (باقی اگلے صفحہ پر)

ان کیفیات کے ساتھ اب وہ رسالتِ توحید کے بوجھ تلے ، جور وجہل کے نظام میں " آزادی اور روشنگری کی ذمّہ داری " کے شکنجے کو ایک صدی تک برداشت کرنے کے بعد ، عصرِ ظلمت میں ان لوگوں کے درمیان کہ جن کو ظلم کی عادت ہوگئی تھی ، بوڑھا ہوگیا ہے اور تنہا ، اور نبوّت کی بلند چوٹی پر پہنچنے کے باوجود ابھی "بشر" ہی ہے اور اپنی عظیم الٰہی رسالت کے دورِ آخر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الف : اس سلسلے میں بڑی معتبر روایات ائمہ اہلِ بیت علیہم السّلام سے ملی ہیں۔

ب : شیعہ اور سنی طریق سے بہت زیادہ اور معتبر روایات ، جناب رسولِ خداؐ سے نقل ہوئی ہیں کہ پیغمبرِ اکرمؐ کے آبا میں کسی مشرک کا وجود نہیں رہا ہے اور چونکہ پیغمبرِ اکرمؐ ، حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ہیں اس لیے ان کے والد بت پرست نہیں ہو سکتے۔ اور نہج البلاغہ کے کئی خطبوں میں بھی اس کی تصریح ہوئی ہے۔

ج : اور خود قرآن سے بھی یہ دعویٰ بڑے واضح طور پہ پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ اس لیے کہ وہ آزر کو ہمیشہ "اب" کی تعبیر کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ جس کا اطلاق سربراہِ خانہ ، معلم ، سسر ، سربراہ مملکت ، ماں کے شوہر اور بہت سے دیگر مفاہیم میں ہوتا ہے اور خود قرآن میں جد اور دادا کے مفہوم میں آیا ہے جبکہ "والد" کا لفظ صرف حقیقی باپ کے لیے آتا ہے ، اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آزر سے ابراہیمؑ کی بیزاری کے بعد جس میں انھیں آزر کے لیے دعا اور استغفار کی ممانعت ہوجاتی ہے ، ابراہیمؑ اپنے والد کے حق میں کہ جوان کے حقیقی باپ ہیں بڑی صراحت سے دعا کرتے ہیں ، اور سورۂ ابراہیمؑ کی اکتالیسویں آیت (باقی اگلے صفحہ پر)

میں بھی ایک "بندۂ خدا"[1] اس بات کا متمنی ہے کہ اس کا کوئی لڑکا ہو۔ لیکن اس کی عورت بانجھ ہے، خود بوڑھا ہے، سو سال سے زیادہ کی عمر ہو چکی ہے، ایک ایسا آرزومند کہ جس کی امید اب ختم ہو گئی ہے، حسرت و ناامیدی کی دیمک اس کی جان کو چاٹ رہی ہے۔ خداوندِ عالم، اس رسولِ امین اور اپنے وفادار بندے کی پیری، مایوسی، تنہائی اور دکھ پر کہ جس نے اپنی ساری عمر اس کی فرمانبرداری میں صرف کی، رحمت کے دروازے کھولتا ہے، اور سارا کی کنیز سے —— ایک سیاہ فام عورت سے کہ جو اپنی برتری کے فقدان کے سبب سوکن کے جلاپے کو بھی اپنے دل پر نہیں لیتی، اسے ایک فرزند عطا کرتا ہے، وہ بھی ایک لڑکا! اسماعیل،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) میں کہتے ہیں: "ربنا اغفرلی ولوالدی....."

[1] یہ ابراہیمی کلچر کی خصوصیت ہے، دگرنہ ہندوستانی، چینی اور خاص طور پر یونانی تہذیبوں میں جونہی کوئی عوام کی سطح سے بلندی اختیار کرتا ہے خدا ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے آسمان چھوٹے چھوٹے خداؤں سے پُر ہیں اور ان کی زمین "ممتاز آدمیوں" سے خالی! وہاں بڑے بڑے پہلوان، بادشاہ، اور صاحبانِ عقل و دانش سب خداؤں میں شامل ہیں، اور یہاں تاریخ کا پرشکوہ ترین خدائی چہرہ، تہذیب کا قدیم ترین آغاز کنندہ، توحید کا موسس، اولوالعزم انبیاء کے سلسلے کی پہلی کڑی، سرخیلِ انبیاء (کہ جن کی راہ کو موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمدؐ جیسے دنیا کے بڑے مذاہب کے پیشوا لے کر آگے بڑھے ہیں) ابراہیمؑ پھر بھی ایک انسان رہتا ہے۔ فلسفیوں، شاعروں اور عارفوں کے ذہنی ساخت کا انسان نہیں، ایک عینی اور واقعی انسان، اپنے تمام بشری فطری عواطف کے ساتھ، خدا کا بنایا ہوا ایک انسان!

اسماعیلؑ ، ابراہیمؑ کے لیے اس طرح نہیں تھے جس طرح کہ کوئی بیٹا باپ کے لیے ہوتا ہے ۔

ان کی پوری عمر کے انتظار کا ثمر تھے ،
ایک صدی کے رنج و غم کا صلہ تھے ،
ایک پُر ماجرا زندگی کا حاصل تھے ،
ایک بوڑھے باپ کے تنہا پسر تھے ،
اور ایک تلخ ناامیدی کے بعد ، ایک خوش آہنگ نوید تھے ،

ابراہیمؑ کے لیے اسماعیلؑ تھے ، تمھارا اسماعیل شاید "تم خود" ہو ، شاید تمھارا گھرانہ ہو ـــــ تمھارا شغل ہو ـــــ تمھاری دولت ہو ـــــ تمھاری حیثیت ہو .... ؟ مجھے نہیں معلوم ، ابراہیمؑ کے لیے ان کے بیٹے تھے ، وہ بھی ایسا بیٹا ، ایسے باپ کے لیے !

اب وہ اپنے باپ کی آنکھوں کے سامنے ، ـــــ ان آنکھوں کے سامنے کہ جو سفید بھوؤں کے سایہ تلے خوشی سے دمک رہی ہیں ـــــ پروان چڑھتے ہیں اور اپنے والد کی محبتوں اور مہربانیوں کی بارش اور شفقتِ پدری میں ان کی روح کا حصّہ بن کر کمال کی منزلیں طے کرنے لگتے ہیں ۔ باپ ایک باغبان کی طرح اپنی زندگی کے گرم اور وسیع صحرا میں اپنے واحد خوش و خرّم نونہال پر پوری توجّہ مبذول کیے ہوئے ہے ۔ گویا وہ اس کی روئیدگی کو دیکھ رہا ہے اور اپنی روح کی گہرائی میں نوازشِ عشق اور امید کی گرمی کو محسوس کر رہا ہے ۔

ابراہیمؑ کی طویل عمر میں کہ جو شروع سے آخر تک سختی اور خطرے میں گزری ، یہ وہ دن ہیں جن میں وہ اسمٰعیلؑ کو دیکھ دیکھ کر جی رہے ہیں ۔ یہی وہ دن ہیں زندگی کے آخری دن کہ جن کے بارے میں "ژید" کہتا ہے کہ "اس کے ہر لمحہ کو مزے لیکر جینا چاہیئے ۔"

یہی وہ لڑکا ہے جس کی آمد کے لیے باپ نے سو سال تک انتظار کی گھڑیاں کاٹیں،

اور ایسے وقت آیا ہے کہ جب باپ کو اس کی امید نہ تھی!

اسماعیلؑ نے اب ایک پھل دار پودے کی صورت اختیار کی اور جوانی کی سرحد میں جانِ ابراہیمؑ بنا، ابراہیمؑ کی زندگی کا واحد ثمر، ابراہیمؑ کی ساری امیدوں، آرزوؤں، مسرّتوں اور چاہتوں کا مرکز!

"ابراہیمؑ! اپنے دونوں ہاتھوں سے چھری اسماعیل کے حلقوم پر رکھ کر اسے کھینچو"!

کیا ایک ایسے پیغام کی ضرب میں اس باپ کی وحشت کو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے ——— ؟

اگر ہم ہوتے اور دیکھتے تو جب بھی ہمارا احساس اس کا احصا نہیں کر سکتا تھا، درد کا اندازہ، خیال کے سینے میں نہیں اُتر سکتا!

ابراہیمؑ اللہ کے خاضع بندے اور تاریخِ بشر کے عاصی انسان، اپنی پوری عمر میں پہلی بار خوف سے کپکپاتے ہیں، رسالت کا فولادی بطل پگھل جاتا ہے، تاریخ کا عظیم بت شکن اندر ہی اندر ٹوٹ جاتا ہے، پیغام کے تصور سے وحشت میں مبتلا ہوتا ہے، لیکن، حکم حکمِ خدا ہے۔

جنگ! سب سے بڑی جنگ، اپنے آپ سے لڑائی، جہادِ اکبر!

تاریخ کی عظیم ترین جنگ کا فاتح، اس سمے، مغلوب، ضعیف، خائف اور آشفتہ و بے چارہ ہے!

جنگ، جنگ خدا اور اسماعیلؑ کے درمیان، ابراہیمؑ میں۔

"انتخاب میں دشواری"!

کس کو انتخاب کرتے ہو؟ ابراہیمؑ!
"خدا" کو یا "خود" کو ____؟ "نفع" کو یا "قیمت" کو ____؟ "رشتہ" کو یا "رہائی" کو ____؟ "مصلحت" کو یا "حقیقت" کو ____؟ "رہ جانے" کو یا "آگے بڑھنے" کو ____؟ "خوش بختی" کو یا "کمال" کو ____؟ "لذت" کو یا "فرض" کو ____؟ "زندگی برائے زندگی" کو یا "زندگی برائے مقصد" کو ____؟ "چاہت و راحت" کو یا "عقیدہ و جہاد" کو ____؟ "غریزہ" کو یا "شعور" کو ____؟ "جذبہ" کو یا "ایمان" کو ____؟ "باپ پن" کو یا "پیغمبری" کو ____؟ "تعلق" کو یا "پیام" کو ____؟....

اور آخرکار، "اپنے اسماعیلؑ" کو یا "اپنے خدا" کو ____؟
انتخاب کرو! ابراہیمؑ۔

مخلوق خدا کے درمیان ایک صدی کی خدائی رسالت، توحید کی نبوّت، لوگوں کی امامت اور شرک کے خلاف جہاد میں ایک عمر گزارنے اور پھر بتوں کو توڑنے، جہل کو مٹانے، غرور کو کچلنے، ظلم و جور کو ختم کرنے، تمام محاذوں سے ظفریاب لوٹنے، تمام ذمہ داریوں کو کامیابی سے پورا کرنے، کسی منزل پر اپنی پرواہ نہ کرنے، اپنی ذات کے کسی مسئلہ میں راستے سے ایک گام بھی الگ نہ رکھنے، ہر انسان سے زیادہ خدا کا قرب حاصل کرنے، امتِ توحید کی پی ریزی کرنے، انسان کی امامت کو آگے بڑھانے اور ہر جگہ سے ہمیشہ کامیاب لوٹنے کے بعد کہیں تم مغرور نہ ہو جاؤ، آرام کرنے بیٹھ نہ جاؤ، یہ نہ سمجھو کہ تم ایک سورما ہو، ناقابلِ شکست ہو، ضعف سے دور ہو، تمھارے جہاد کی سو سالہ کامیابیاں کہیں تمھیں دھوکہ نہ دے بیٹھیں۔ اپنے آپ کو "معصوم" نہ سمجھو،

زوال کے خطرے سے محفوظ نہ جاؤ ، شیاطین کے وسوسے سے برحذر نہ سمجھو ، اُن دکھائی نہ دینے والے ہاتھوں کے مقابل اپنے آپ کو لوہا لاٹ نہ جانو کہ جو ہمیشہ "انسان صفت" لوگوں کو اپنا نشانہ بناتے ہیں ، تمھاری آنکھوں کا جھروکا خطرناک تیروں کی گزرگاہ ہے ۔ نہ سمجھو کہ تم نے رستم کو بوڑھا کر دیا ہے ' اسے زمین سے لگا دیا ہے ، افسانوی سیمرغ تم کو تم سے بہتر جانتا ہے' جانتا ہے کہ تم اب بھی خطرے سے باہر نہیں ہو ، اب بھی محفوظ نہیں ہو ، تم نے سر سے پیر تک اپنے آپ کو فولادی لباس میں ڈھانک لیا ہے اور سمجھتے ہو کہ لوہا لاٹ ہو ، تم نہیں جانتے وہ جانتا ہے کہ اب بھی ایک جھروکا ہے جس سے وہ اندر آسکتا ہے ، تم پر تیر چلا سکتا ہے ، تمھیں زخمی یا مسموم کر سکتا ہے ، اسی مقام سے جس مقام سے کہ تمھاری آنکھ دنیا پر لگی ہوئی ہے وہ تمھیں نشانہ بنائے گا ، تمھیں اندھا کر دے گا اور دنیا کو ، اے فولادی انسان ، اسی جگہ سے جہاں سے کہ تمھاری دنیا سے پیوستگی ہے ، اسی راہ سے کہ جس سے تم نے دنیا سے رشتہ جوڑ رکھا ہے ، اسی جھروکے سے جس سے کہ تم دنیا کو دیکھتے ہو تمھاری آنکھیں تاریک کر دے گا ، اے ناقابلِ شکست انسان ـــــ کہ جو کھڑے بڑ بولیاں کر رہے ہو ـــــ تمھیں سرنگوں کر دے گا ، خاک و خون میں ملا دے گا ۔ سیمرغ ، "رستمِ دستاں" [1] کا "ہمدست" (یعنی ہمنوا) ہے ۔

اور تمھارے زوال میں "ہمداستان"

اے ابراہیمؑ ! اے تاریخِ نبرد کے پرشکوہ ترین کامیاب سورما !

---

[1] رستم کے والد کا نام "دستاں" تھا ۔ اسی لیے اسے رستمِ دستاں کہا جاتا ہے ۔

اے ناقابلِ تسخیر فولادی روح کے مضبوط انسان ، اے رسولِ اولوالعزم نہ سمجھو کہ ایک صدی کی الٰہی رسالت میں تمھارا کام ختم ہو گیا ہے ! انسان اور خدا کے درمیان کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ، "خدا ، آدمی سے اس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے " لیکن خدا تک انسان کا راستہ ، ابدیت کے فاصلے میں ہے ، لا یتناہی ہے ! تم کیا سوچ رہے تھے ؟

تم نے رسالت میں ، کمال کی بلند ترین چوٹی سر کی ہے ، لیکن "بندگی" میں ابھی ناقص ہو ، اے "خلیلِ خدا " ! اے " زمین پر توحید کی بنیاد قائم کرنے والے " ، اے "موسیٰؑ ، عیسیٰؑ اور محمدؐ " کی راہ ہموار کرنے والے ، اے آدمی کے کمال ، اور اس کی عزت وشکوہ کے مظہر ! تم ابراہیمؑ تو ہو گئے ہو لیکن " بندہ ہونا " دشوار تر ہے ۔ تمھیں "پوری طرح آزاد " اور " مطلق آزادی " ہونا پڑے گا !

اپنی تعریف کے گن نہ گاؤ ، رجز نہ پڑھو اس لیے کہ آدمی کو بلندیوں کی چوٹی پر بھی ہمیشہ گرنے کا خطرہ رہتا ہے ،

اور اس کا گرنا اور اس کا ڈھلنا کہ جس نے زیادہ بلندیاں طے کی ہوں زیادہ خطرناک اور زیادہ المناک ہوتا ہے !

" اپنے اسماعیل کی قربانی دو " !

" اپنے ہاتھ سے اسے ذبح کرو " !

اپنے دل نشیں فرزند کو ، میوۂ دل کو ، پارۂ جگر کو ، نورِ نظر کو ، حاصلِ عمر کو ، اپنے گوشت پوست کو ، اپنے سرچشمۂ مسرّت کو ، اپنی بہارِ زندگی کو ، اپنی کل کائنات کو ، اس چیز کو کہ جس نے تمھیں

زندگی سے باندھ رکھا ہے، اپنے ہونے، جینے اور زندہ رہنے کے مفہوم کو، اپنے بیٹے کو، نہیں، ـــــ اپنے اسماعیل کو، قربانی کے ایک گوسفند کی طرح پکڑو، خاک پر لٹاؤ، اس کے ہاتھ پیر کو اپنے ہاتھ پیر کے نیچے دباؤ تاکہ وہ ہاتھ پیر نہ مارے۔ اس کے سر کے بالوں کو مضبوطی سے اپنی مٹھی میں پکڑو اور سر کو کھینچ کر پیچھے کی طرف خم دو تاکہ شہ رگ تن جائے اور فولادی تیغ کی دھار سے نہ کھیلے، اس کی گردن کی کھال نہ سمٹے اور قربانی کو زحمت میں مبتلا نہ کرے ـــــ!

اس کی شہ رگ کاٹ دو،

اپنے پیروں تلے اس وقت تک دابے رکھو جب تک تمھیں یہ نہ محسوس ہو جائے کہ اس کا تڑپنا ختم ہو گیا ہے۔ اور اس کے بعد تم اٹھ کھڑے ہو اور اپنی قربانی کے سرد بدن سے الگ ہو جاؤ،

اے "تسلیمِ حق" اے "بندۂ خدا"

یہ ہے وہ چیز کہ جسے "حقیقت" تم سے چاہتی ہے۔

یہ ہے "دعوتِ ایمان" اور "پیامِ رسالت"

یہ تمھاری ذمّہ داری ہے، اے "ذمّہ دار انسان"

اے "اسمٰعیل کے پدر"

اب یہ ابراہیمؑ ہے کہ جو رسالت کی طویل راہ کے اختتام پر ایک "دوراہہ" پر آگیا ہے:

اس کا سراپا وجود چیخ رہا ہے: اسمٰعیل!

اور حق اس کے سر پہ کوبہ زن ہو رہا ہے: "ذبح"!

اسے انتخاب کرنا ہے!

"حقیقت" اور "منفعت" دونوں اس میں، ایک دوسرے کے ساتھ دست وگریبان ہیں، وہ منفعت کہ جس کا رشتہ اس کی جان سے ہے اور وہ حقیقت کہ جس کا تعلق اس کے ایمان سے ہے!

اگر حقیقت اس سے اس کی موت کا تقاضا کرتی تو وہ اس کے لیے آسان تھا۔ ابراہیمؑ برسہا برس سے اس کی راہ میں اپنی "جان" سے گزر چکے ہیں اور اسی بات نے انھیں مطمئن کر دیا تھا کہ: وہ "بندۂ آزادِ حق" ہو گئے ہیں اور یہ نیز ان کے لیے ایک "خود خواہی" ہے ایک "ضعف" ہے'

وہ باتیں کہ جو اچھی روحوں اور اچھے انسانوں کے لیے اچھی ہیں' ابراہیمؑ کے لیے —— روحِ خدا اور بلند پایہ انسان کے لیے —— بُری اور بدنما ہیں۔ [1]

"اخلاق کی نسبیّت" کو ابراہیمؑ کی تعلیمات میں ملاحظہ فرمائیں کہ کیونکر تھیں اور کہاں تک تھیں؟!

اے "اپنی جان سے ہاتھ دھونے والے"، اسماعیلؑ سے ہاتھ دھو لو!

"تردید"،
کتنی جانکاہ! کتنی خطرناک!
اور نتیجہ میں "توجیہ"!
ایسے موقع پر کہ جب آدمی کو اس کا ایمان بلائے اور دل نہ مانے!

---

[1] "حسنات الابرار، سیئات المقرّبین"، اچھے آدمیوں کی اچھائیاں، مقرب انسانوں کی برائیاں ہیں۔

اس کی ذمہ داری اس کو "دل پھیرنے" کے لیے کہے ، اس بات کو کہے
کہ جو آسانی سے اس کے دل سے نہ نکل سکتی ہو تو وہ "گریز کی راہ" ڈھونڈتا ہے :

اور "صحیح توجیہات" ، "غلط توجیہات" سے بدتر ہو جاتی ہیں ،
یعنی ایک "حقیقت" کو کچلنے کے لیے دوسری "حقیقت" پر تکیہ !

اور کیا المیہ ہے کہ "باطل" ایک ہاتھ میں "عقل" کو تلوار پکڑواتا
ہے اور دوسرے ہاتھ میں "شرع" کو سپر !

اور یہی وہ منزل ہے کہ جس میں قرآن بھی شرک کا پرچم بن جاتا
ہے اور علیؑ کو بھی ہتھیار ڈالنے پڑتے ہیں !

"حسینؑ کی امت" کو ، "یزید کی عاقبت" ملتی ہے !

توجیہ !

اور اس کی بدترین قسم ـــ : عقلی توجیہ !

اور المناک ترین قسم ـــ : شرعی توجیہ !

"ذمہ داری" سے گریز ـــ !

"اپنے اسمٰعیلؑ کو ذبح کرو" !

"کیسے معلوم کہ اس عبارت میں یہی مفہوم لیا گیا ہے جو ہم سمجھ
رہے ہیں ـــــ ؟"

کیسے معلوم کہ لفظ "ذبح" سے مراد اس کے لغوی معنے ہیں اور یہ
مجازاً استعمال نہیں ہوا ہے"؟ جیسا کہ ـــ فی المثال ـــ کہا جاتا ہے :
"نفس کو مارو" اس سے مراد یہ ہے کہ "نفس کے وسوسے سے
پرہیز کرو ، پابندِ نفس نہ رہو" ، یا معصوم کا کلام ہے : "موتوا قبل
ان تموتوا" (مرنے سے پہلے مرجاؤ) اس میں پہلا مرنا حقیقی اور دوسرا

مجازی ہے ، ایک ارادی موت ہے یعنی " اپنے آپ کو مار دو " اور ظاہر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ : خود پرستی کو اپنے سے دور کر دو" پس ثابت ہوا کہ اس بیان میں " موت " بہ معنائے " موت " نہیں ۔

کیسے معلوم کہ " اپنے اسماعیل " میں " اپنے " کی ضمیر خصوصی طور پر میری طرف لوٹتی ہے اور اس خطاب میں اس کا مخاطب میں ہوں ؟ کیسے پتہ کہ اس منزل پر خطاب ، عام نہیں ؟ اور خاص خطاب کی صورت میں اسے مجازاً لایا گیا ہے ؟ جس طرح کہ علم معانی و بیان کا طریقہ ہے اور کئی آیات و روایات اور شعراء کے اشعار سے اس کا ثبوت مہیا ہو سکتا ہے ۔

" کیسے معلوم کہ بنیادی طور پر لفظ " اسماعیل " سے مراد ، یہی میرا بیٹا اسماعیل ہو ؟ ممکن ہے یہ کسی اور مفہوم کا کنایہ ہو ، مصداق ، کوئی اور ہو ، ہو سکتا ہے کہ اسماعیل کا لفظ اسم معانی یا اسم صفت ہو ، کوئی مشتق لفظ ہو ، بعید نہیں کہ یہ اپنے لغوی مفہوم میں آیا ہو اور اس عبارت میں علمیت (یا اسم معرفہ) نہ رکھتا ہو ...... ؟ "

" کیسے معلوم کہ " ذبح اسماعیل " کے اضافے میں لفظِ اسماعیل مضاف الیہ نہ ہو اور اس نے مضاف کی جگہ لے لی ہو اور مضاف عقلی قاعدے کی رو سے حذف ہو گیا ہو اور یہ قاعدہ لسانِ عرب میں رائج ہے اور کلامِ الٰہی میں بھی آیا ہے جیسے : " سـأل القـريـه " ، یعنی : "سأل اهـل القـريـه " اور یہاں " ذبح اسماعیل " سے مراد " اسماعیل کی چاہت" کا ذبح ہو ۔

بالفرض اگر ہم ان تمام مذکورہ احتمالات کو رد بھی کر دیں یعنی اگر ہم ان تمام احتمالی مفاہیم کو محال فرض کریں اور خداوندِ عالم کے ارشاد کو اسی

مفہوم میں لیں کہ جو ظاہرِ الفاظ سے فوری طور پر سامع کے ذہن میں اترتا ہے، اور ان تمام الفاظ میں سے کسی ایک لفظ کے بھی ممکنہ مفہوم کو تسلیم نہ کریں، یہ بات کیسے معلوم ہوگی کہ اس حکم کے اجرار کا موقع اور باری تعالیٰ کے امر کا تعین "ابھی اور اسی وقت" ہے؟ "

اسس حکم کی "نص" میں اس پر عمل کا وقت معین اور مقید نہیں ہوا ہے، اور یہ عقلی اصل، واضح ہے کہ جس چیز کو شرع نے متعین نہیں کیا اور وہ وحی میں منصوص نہیں ہے اسے عقل کے تعین پر چھوڑتی ہے اور یہ مکلف پر ہے کہ وہ اس کو اپنے تقاضوں، مصلحتوں، زمان و مکان کی ضرورتوں، سہولتوں، اور موجودہ اسباب و لوازم کی بنیاد پر اختیار کرے،

جس طرح کہ کتاب اللہ میں حکمِ جہاد آیا ہے لیکن جہاد کی صورت کو افراد۔ حالات و کیفیات اور عقل کے تقاضوں کے مطابق معین کرتے ہیں۔ یا پھر سنت میں، "طلبِ علم" کا حکم ہوا ہے اور ہر مومن پر طلبِ علم ایک فریضہ ہے اور یہ حکم سب کے لیے ہے لیکن کوئی، اس بات کا پابند نہیں کہ جونہی وہ اس واجب تکلیف کا مکلف ہوا، طلبِ علم کے لیے اقدام کرے۔ اگر وہ اپنی عمر کے آخری لمحوں میں بھی کہ جب وہ بسترِ مرگ پر موت و زیست کے درمیان ہو اور اس واجب پر عمل کرے تو اس کی جانب سے اطاعتِ امر "ہو گیا"

اور اسی حکم کی طرح "حج" ہے کہ جو حاجی کو زندگی میں مقید کرتا ہے اور اسے رکھ چھوڑا جاتا ہے اس وقت کے لیے کہ جب وہ اپنے تمام فرائض سے فارغ ہو جائے اور اس میں کوئی شرعی اشکال بھی نہیں ہے کیونکہ یہ "وہ دَین ہے کہ جسے سر سے اُتارنا ضروری ہے" اب جب بھی اُتارا، اُتارا۔

چونکہ یہ بندۂ مومن حج کے بارے میں یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں مسئول ہے دنیا میں نہیں۔ اور شرع کے احکام، موت کے بعد ثواب و صلہ حاصل کرنے کے لیے ہیں، موت سے پہلے کی زندگی میں حصولِ کمال، اور فکر و احساس کی تربیت کے لیے نہیں ہیں۔

کیسے معلوم کہ بنیادی طور پر یہ فعلِ امر کہ "اسمٰعیل کو ذبح کرو" علمِ اصول کے اعتبار سے ——— ایک "انشائی امر" ہو؟ بلکہ بہ احتمالِ قوی، بلکہ اقوی اور بہ ظنِ متصل بہ یقین اس کو ایک "ارشادی امر" کہنا مناسب ہوگا لیکن "آتوا الزکاۃ" کی آیت کی طرح نہیں کہ لوگوں پر یہ فرض ہوجائے کہ وہ اسے فوری طور پر اس کے اہل کو ادا کریں۔ اس لیے کہ یہ ایک "مولوی" یعنی منسوب بہ مولیٰ امر ہے، یعنی اس امر کی طرح ہے کہ جو "مولیٰ" یا آقا اپنے عبد یا اپنے غلام کو دیتا ہے کہ جس کا انشار ——— یعنی انجام دہی اور عمل پذیری ——— اس کے غلام پر واجب ہے اور ضروری ہے کہ وہ فوری طور پر اس کی اطاعت کرے، بلکہ "تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ" کی آیت کی طرح ہے کہ جس میں باری تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہمیں اس امر پر ارشاد کرے کہ 'حاکموں کا' یتیموں کے مال کو کھانا، حق تعالیٰ کی نگاہ میں ایک قبیح فعل ہے، لہٰذا، اس آیت میں امر' ارشادی ہے، اور ارشادی امر وہ ہوتا ہے کہ اگر شارع نہ بھی کہے تب بھی یہ امر بہ حکمِ عقل لازم ہوتا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر ارشادی امر وہ امر ہے کہ جس کے ذریعے شارع، انسان کو عقل کے حکم کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

اس بنا پر اگر ہم دوسرے احتمالوں، تفسیروں اور تاویلوں کی بھی نفی کریں تو قدرِ متیقن یہ ہے کہ اس حکم سے باری تعالیٰ کا مقصد، یہ بیان کرنا ہے کہ: اصولاً بندگی اور اطاعت الٰہی کی منزل پر فرزند کی محبت بے معنی ہے،

اور اس کا "مُحَصّل" مفہوم، یہ کلّی حقیقت ہے کہ: حق تعالیٰ کے سامنے ضروری ہے کہ مطلق خود سپردگی، اور مکمل تسلیم کا عالم ہو، اس کے سامنے ہر چیز کو بھلانا ایک امرِ واقع ہے اور زندگی کی عزیز ترین چاہتیں، حق سے رجوع، اور اس سے اتصال کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننی چاہئیں، اور چونکہ اولاد کی شدید محبت، بندہ کو اپنی ذات میں مشغول اور ذکرِ خدا سے باز رکھتی ہے اور ابراہیمؑ کو اسماعیلؑ سے شدید محبّت ہو گئی تھی اس لیے لسانِ وحی میں "ذبح کرو" کے لفظ کے ساتھ اس کی نفی کی گئی ہے، اور اس نفی سے بھی مراد خوشی اور مسرت کی نفی ہے، یعنی اس مفہوم کی طرف ابراہیمؑ کو توجّہ دلانا ہے کہ اسماعیلؑ سے تمھاری شدید محبّت اس بات میں رکاوٹ بنتی ہے کہ تم اپنی روح اور اپنے قلب کو مکمل طور پر حق تعالیٰ کے عشق میں مصروف رکھو، اور اس کے غیر کی محبّت سے سمجھ لو —— جس طرح کہ اپنے مقام پر تحقیق کو پہنچی —— کہ "اسمٰعیل کے ذبح" سے مراد "اسمٰعیل کی چاہت" کا ذبح ہے، اور یہ وہی مفہوم ہے کہ جو بصورتِ خبر، "اَنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ" کی آیت میں آیا ہے۔

ان تمام عقلی اور شرعی وجوہ، آیتوں اور روایتوں کے استناد، علم کلام واصول کے پیمانوں اور عقلی ونقلی شواہد سے ہٹ کر، ان قوانین کی رو سے جو ہمارے پاس ہیں، "بنیادی طور پر یہ عمل، خلافِ شرعِ مبین ہے!"

پس معصیت اور فعلِ حرام کو کسی طرح بھی ذاتِ باری تعالیٰ کی سند نہیں بنایا جا سکتا۔

ہاں "توجیہ"! "گریز کی راہ" ڈھونڈنا، اس موقع پر کہ جب "ذمّہ داری" سخت ہو جاتی ہے اور اس امر کے مناسبِ حال نہیں ہوتی

جسے آدمی چاہتا ہے۔ لیکن جب حقیقت "زندگی کے پہلو" میں آتی ہے بہت سے "حق طلب" ہوجاتے ہیں، کام کاج، بازار کی مصروفیتوں اور اچھی آرام دہ بے دغدغہ و بے دردِ سر زندگی کے حوالے سے "نیک کاموں" کی انجام دہی کے ذریعے حق کو راضی کیا جاسکتا ہے۔ اور جب "حقیقت"، "زندگی کی گزرگاہ" میں آجائے اور خود سامانِ زندگی بن جائے اور سرمایۂ کار اور روٹی پانی دینے لگے اور اس کے نتیجے میں: پیشہ، ایک باضابطہ پیشہ اور کام کاج کا لائسنس بن جائے اور سامانِ خورد ونوش فراہم کرے، نام ونشان دے تو پھر ہر کوئی حق پرست ہوجاتا ہے اور باحمیّت مومن، اور اس آرزو میں بھی رہتا ہے کہ وہ اس راہ میں سرپرستِ امور اور صاحبِ اثر شخصیت بن جائے۔

لیکن جب حق "زندگی کے مقابل" آتا ہے اور "حق پرستی" باعثِ زحمت باعثِ دردِ سر اور باعث خطر وضرر ہوجاتی ہے .... اور ایک ایسی ذمّہ داری لاد دیتی ہے کہ جو بہت بھاری ہے اور راستہ بھی پتھریلا اور چڑھان والا، اور پھر اس میں جگہ جگہ گرنے کا خطرہ اور کثرت سے رہزنوں کی پناہ گاہیں، ہوا طوفانی، رات کالی اور ہول انگیز، ساتھی بھی مختصر اور ہر قدم پر ان کی کمی اور آخر میں تنہا! اور ہر اُس چیز سے دل اُٹھا لینا جو تمھیں نیچے درہ میں رہنے کو کہتی ہے اور اس قوم اور قبیلے کے ساتھ ہمساز ہونا کہ جس نے رات کی خو پکڑی ہو اور درہ میں رہ گئے ہوں اور سب ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے ہوں، حق کا پیغام تم سے کہتا ہے کہ تم اپنے نام ونان اور جان وعشق کے اسماعیل سے وابستگی کو ختم کردو اور چل پڑو، تمھارے دل کا وسوسہ تم سے کہتا ہے کہ رہ جاؤ، رکے رہو، سمجھوتہ کرو۔ ایسی منزل پر انسان کا آخری فریب کہ جو آگاہ بھی ہے اور ذمّہ دار بھی "توجیہ" ہے: اس راستے

کی دریافت کہ جو اسے روک سکے اور وہ رہ جائے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے وجدان اور اپنے ضمیر کو بھی مطمئن کرے، اپنی ملامت کی آواز کو اپنے اندر گھونٹ دے، دین میں اس طرح تحریف کرے کہ وہ دنیا سے میل کھائے، وہ راستہ اختیار کرے کہ جس سے دوسروں کی طرح وہ بھی اپنے اسمٰعیل کو بچالے لیکن دوسروں کی طرح، حق سے کفر، خدا کی نافرمانی، اور خلقِ خدا سے خیانت اور بد دیانتی کا الزام اس کے سر نہ آئے۔ شراب پیئے لیکن بقصدِ شربت، بہ نیتِ دوا! توجیہ یعنی ناحق کو حق کی صورت دینا،

اب تم جو چاہو اس کا نام رکھو:

توجیہ فقہی، توجیہ شرعی، توجیہ عقلی، توجیہ عُرفی، توجیہ علمی، توجیہ عمرانی، یا پھر نفسیاتی توجیہ، سماجی علوم پر مبنی توجیہ، ڈیالکٹیکی (Dialectique) یا منطقی اور جدلی توجیہ، روشن خیالانہ توجیہ، جو بھی ہو.......

لیکن، حج میں، وہ بھی عالی نسب بوڑھے ابراہیمؑ کی سرگزشت میں، وہ بھی ایسا ابراہیمؑ کہ جو تمام آزمائشوں میں کامیاب رہا اور جو تقویٰ، صداقت، علم و عمل، مشقّت، جہاد اور حق پرستی میں یکتا اور مطلق تھا۔

انھیں آشکارا "کیسے معلوم" موں میں سے ایک معلوم، ابراہیمؑ کی پختہ عقل، اس کی ہموار اور اٹھلی صداقت کے گلے پڑ گیا:

اس پیام کو میں نے خواب میں سُنا، کیسے معلوم کہ......"!

ابلیس ان کے دل میں "بیٹے کی محبت"، کو ابھارتا ہے اور ان کی عقل میں "منطقی دلیل"، پھونکتا ہے۔

یہ پہلی بار،

"جمرۂ اولیٰ" رمی کرو۔
ابراہیمؑ، حکم کی تعمیل سے پہلوتہی کرتے ہیں اور اپنے اسمٰعیلؑ کو بچا لیتے ہیں،

"ابراہیمؑ، اپنے اسمٰعیلؑ کی گردن پر چھری چلاؤ"
اس مرتبہ، پیام صریح تر اور قاطع تر ہے ——!
جنگ ابراہیمؑ کے اندر ایک غوغا برپا کرتی ہے۔ تاریخ کا عظیم سورما' بےچارگی کے عالم میں ہے اور پریشانی، تردید، خوف اور کم طاقتی نے اسے عاجز کر دیا ہے،
توحید کی عظیم رسالت کا محافظ، بازیچۂ ابلیس ؟!
خدا اور ابلیس کے درمیان کشاکش میں وہ چکنا چور ہو گیا ہے، اور درد و غم نے اس کی ہڈیوں تک کو جلا دیا ہے۔
بشری وجود، اور اس بشری وجود کی گہرائی میں عقل و عشق، شعور و وجدان، زندگی اور ایمان! اور خود اور خدا کا تضاد!
بشر —— حیوان و انسان، فطرت و خدا، غریزہ و خود آگاہی، زمین و آسمان، دنیا و آخرت، خود خواہی و خدا خواہی، واقعیت و حقیقت، لذّت و فضیلت، رہنے و چلنے، شہود و غیبت، ہونے و ہوتے رہنے، اسارت و نجات، رہائی و ذمہ داری، خود پسندی و خدا پسندی، شرک و توحید،
"میرے لیے" اور "ہمارے لیے"
اور آخر میں "وہ جو ہے" اور "وہ جو ہونا چاہیئے" کے درمیان

واسطہ کی ایک کڑی ہے۔

دوسرا دن ہے، "ذمّہ داری" کا بوجھ "چاہت" کی کشش پر پچھلے دن سے زیادہ بھاری ہو رہا ہے۔

اسماعیلؑ خطرے میں پڑا ہے اور اس کی حفاظت دشوارتر، ابلیس کو، ابراہیمؑ کے فریب کے لیے زیادہ ہوشیاری، زیادہ منطق اور زیادہ مہارت کی ضرورت ہے۔

کچھ اس طرح کی ترکیب کرنی ہے کہ جس طرح اس کے "آدم" کو "ممنوعہ میوہ" کھلایا ——— !

ابراہیمؑ: ایک انسان، جمع ضدین، نور و ظلمت کی جنگ کے محاذ، آھورا اور اھریمن، کیچڑ اور روح کے بنے ہوئے، بدبودار کیچڑ اور روحِ خدا، یہ "فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا" کا نفس!

اور "تم" ایک تردید، ایک "پس و پیش"، ایک "انتخاب" اور بس۔

"رشتہ" کو یا "پیام" کو ——— ؟

اے خدا کے رسولؑ! اے "مسئول"! اے لوگوں کے پیام آور! تم چاہتے ہو کہ اپنے اسمٰعیلؑ کے باپ رہو؟

لیکن ...... میں اسمٰعیلؑ کو ذبح کروں —؟ یا — اپنے ہاتھوں کو ——— ؟

ہاں ——— !

حق کے سامنے اسماعیلؑ سے ہاتھ دھونا پڑے گا، عقیدہ

کا تقاضا، جذبہ اور محبّت کے تقاضے سے برتر ہے۔

دعوت "پیام"؟ یا "باپ ہونے" کی لذّت؟

ابلیس ان کے دل میں "بیٹے کی محبّت" کو بڑھاتا ہے، اور ایک، "منطقی دلیل" دیتا ہے،

لیکن .... میں نے تو اس پیام کو خواب میں سُنا، کیسے معلوم کہ .... ؟

یہ دوسری بار،

"جمرۂ وسطیٰ" رمی کرو ——— !

حکم کی انجام دہی سے اپنے آپ کو باز رکھتے ہیں اور اسمٰعیلؑ کو بچا لیتے ہیں،

"ابراہیمؑ! اپنے اسمٰعیلؑ کو ذبح کرو"!

زیادہ صراحت اور زیادہ سختی سے،

"توجیہ"، سخت مشکل ہوگئی، حقیقت کی روشنی اور ذمّہ داری کا دباؤ راہِ فرار سے زیادہ صریح اور زیادہ بھاری ہوگیا۔

ابراہیمؑ سخت بے چین ہیں اور محسوس کررہے ہیں کہ اب پیام میں تردید، توجیہ نہیں بددیانتی ہے، "رشد" و "غی" کی سرحد ان کے سامنے اتنی صاف اور اتنے صریح انداز میں نمایاں ہوئی ہے کہ ابلیس کی ساری فریب کاری معطل ہوگئی ہے۔

ابراہیمؑ کو احساس ہوتا ہے کہ انھوں نے اس پیام کے انکار میں ابلیس کی بات مانی ہے۔

بس گرنے میں ایک قدم رہ گیا ہے !

ابراہیمؑ کا سقوط ——— !

بُت شکن ابراہیمؑ ، اولوالعزم رسول ، اسلام کی بنیاد مستحکم کرنے والے ، خلق کے راہبر . . . . . .

توحید کی بلند چوٹی سے ،

"شرک" کے پست ترین کیچڑ کی طرف !

میں کیا کہہ رہا ہوں ——— ؟

شرک ——— ؟ نہیں ! شرک ، خدا کے ساتھ کسی دوسرے یا دوسروں کی پرستش ہے ۔

اور اس وقت ——— اس زبان میں جس زبان میں کہ قرآن عبادت اور توحید و شرک کی بات کرتا ہے ——— ابراہیمؑ ، خدا کے بجائے اس ابلیس کی پرستش کے دہانے میں ہیں ۔ کہ جو ——— منیٰ کے محاذ میں ——— اللہ کے روبرو دھڑلے سے کھڑا ہے !

کسی تدبیر سے یہ ممکن نہیں کہ دونوں کے ساتھ دوستی کی جائے ، اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ خود کو ان سے علیحدہ کرلیا جائے ۔

نہ "مشترک زندگی" ، نہ "غیر جانبداری" !

اُہ ——— ! کہ یہ داستان کتنی دشوار اور کتنی ہولناک ہے ۔

اور انسان ، دنیا کا یہ خدائی چہرہ کہ جو کائنات کو اپنے زیرِ فرمان لاسکتا ہے کس قدر کمزور اور ناتواں ہے !

اپنے اندر روحِ خدا رکھتا ہے ،

اور ———

"ضعف" سے آغشتہ ہے ——— ! [1]

حج میں کوئی مقام، سقوط یا زوال سے محفوظ نہیں ! زندگی میں، پاؤں پاؤں چلنے والے بالک کی طرح اور اس دہانے پر، جہاں سے گرنے کا خطرہ ہے، ہمیشہ اس بات کی ضرورت ہے کہ احتیاط سے کام لیا جائے! توحیدی پیغمبروں کے خاتم بھی ——— کہ جو سلسلۂ معصومین میں پہلے معصوم ہیں ——— اگر اپنے آپ کو نہ سنبھالیں، تو پھسل جائیں گے اور جو کچھ کیا ہے وہ سب برباد ہو جائے گا، حتیٰ کہ وہ شرک کے خطرے سے بھی محفوظ نہیں ! [2]

ابراھیمؑ صاحبِ عزم پیغمبروں کے پدر۔ تاریخِ انسان میں قاتلِ شرک اور بتوں کے توڑنے والے، عمر کے آخری مرحلہ میں اپنی الٰہی عزت اور انسانی طاقت کی بلندی پر صرف "فرزند کی چاہت" انھیں ابلیس کی تباہی کے دہانے تک لے آئی ہے !

باہمت ترین بطلِ توحید، پیغمبرانِ الٰہی کے پدر بزرگوار، ایک صدی کی ابراہیمی زندگی گزارنے کے بعد بھرپور افتخار و یقین کی الٰہی صورت بن کر ابلیس کا شکار ہو گئے ہیں۔

اب تمھارے لیے کوئی راہ نہیں رہی ہے۔ خدا اور شیطان تمھارے دونوں طرف کھڑے ہیں، کس کو انتخاب کرتے ہو ؟ ابراہیمؑ !

ابراہیمؑ پر حجت تمام ہو چکی ہے۔ اور یہ بات اب ان پر کھل چکی ہے کہ یہ "پیام" پیامِ حق ہے اور اب اس میں کوئی شک نہیں ہے

---

[1] خُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا۔

[2] لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ

کہ اس کی تردید ابلیسی عمل ہے۔

وہ اس سلسلے میں اور بھی "منطقی دلیل" لا سکتے ہیں۔ ان کی منطقی دلیل ابھی اسی طرح باقی ہے مگر ان کا ضمیر ان کا مذاق اڑا رہا ہے۔

وہ حقیقت کی روشنی اور گرمی کو ایک انگارے کی طرح اپنی فطرت کی گہرائی میں، اپنے احساس میں اور اپنے پورے وجود میں محسوس کر رہے ہیں۔

"حقیقت"، عقلی دلائل کی محتاجی سے کہیں زیادہ طاقتور، کہیں زیادہ واضح، اور کہیں زیادہ قریب تر ہے۔ حقیقت شناس مرد، اس کو سورج کی گرمی کی طرح محسوس کرتا ہے اور جس طرح اپنی موجودگی اسے دکھائی دیتی ہے اسی طرح وہ حق کے وجود کا بھی وجدان کرتا ہے۔

حق پرست انسان، حق کو پانے والا شامہ رکھتا ہے، ایک ایسا شامہ کہ جو کبھی خطا نہیں ہوتا۔ بالکل شہد کی مکھی کی طرح کہ جو میلوں دور سے، کوہ و دشت و تاریکی و طوفان اور کوہستانی، بری اور بحری اُلٹے سیدھے راستوں سے اپنے نظر نہ آنے والے چھتے کی راہ کو اپنے اندر کی سمت معین کرنے والی طاقت سے ڈھونڈتی ہے اور پہنچ جاتی ہے۔ حق شناس انسان بھی اسی طرح حق کو ڈھونڈ لیتا ہے اور اس کی سمت کو، راتوں میں، طوفانوں میں، سازشوں میں، ہزاروں وسوسوں میں، شعبدہ بازیوں میں، چکرا دینے والی نظر بندیوں میں.... تشخیص دیتا ہے۔ اور ابراہیمؑ ـــــ تاریخ کے حق پرستوں کا سرخیل ـــــ کہ جس نے اپنی ایک طویل عمر حق پرستی میں گزاری حق کی گود میں پلا بڑھا، پختہ و بار آور ہوا، اس سے کس طرح ممکن ہے کہ وہ حق کے پیام کو نہ سمجھے اور ابلیس کے وسوسے کو نہ جانے؟

ہر چند کہ اس وقت دوست نے، اس کے لیے ایک ایسی آگ

روشن کی ہے کہ جو اس آگ سے زیادہ ہولناک اور زیادہ جلانے والی ہے کہ جسے دشمن نے افروختہ کیا تھا۔

اور ہر چند کہ، دشمن، اس وقت اس کوشش میں ہے کہ وہ اس آگ کو اس کے لیے گلزار بنادے!

دوست اور دشمن اور حق و باطل کا معیار، وہ سلوک نہیں ہے جو تمھارے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ان کا معیار، کچھ اور ہے، میرے اور تمھارے نفع نقصان سے بالاتر۔

ابراہیمؑ اب سمجھ رہے ہیں کہ انھیں کیا کرنا چاہیے۔ انھوں نے پیام مفہوم کو یقین سے پالیا ہے —— جانتے ہیں کہ وہ تمام تردیدات شروع ہی سے شیطان کی کارگزاری تھی۔ اس بوڑھے باپ کی ناقابل بیان محبت نے کہ جس نے ایک عمر انتظار کے بعد، ناامیدی کے عالم میں، ایک بیٹا پایا ہے اسے ناخود آگاہ طور پر اس طرح کی توجیہات و تردیدات میں الجھا دیا تاکہ کسی طرح گریز کی راہ کھل جائے، ایک ایسی راہ کہ جس میں شاید وہ خدا کے مقابل آئے بغیر، حق سے سرتابی کیے بغیر اپنے لیے اسماعیلؑ کو باقی رکھ سکے۔ لیکن اب ہر چیز اس پر کھل گئی ہے۔

دردناک، دردناک!

آہ —— کتنی عظیم مصیبت! کتنا ہولناک موقف!

ابراہیمؑ فرائض کی ادائیگی کی راہ پر ہیں، ہاں، وہ اس کو اب اچھی طرح جانتے ہیں۔ لیکن یہ فریضہ، تصور پدری سے زیادہ تلخ اور زیادہ دشوار ہے۔

وہ بھی ابراہیمؑ جیسے تنہا اور بوڑھے باپ!

اور وہ بھی اسمٰعیلؑ جیسے تنہا فرزند کی قربانی!

کاش کہ یہ قربانی، اسمٰعیلؑ کے ہاتھوں ابراہیمؑ کی ہوتی، کتنا آسان تھا ــــــ!

اور کتنا لذّت بخش!

لیکن نہیں، نوجوان اسماعیلؑ کو مرنا اور بوڑھے باپ کو زندہ رہنا ہوگا، اکیلا اور مصیبت زدہ......

اپنے بوڑھے خون سے رنگین ہاتھوں کے ساتھ!

ابراہیمؑ جب بھی اس پیام کے بارے میں سوچتے ہیں سوائے تسلیم اور کوئی بات ان کے ذہن میں نہیں آتی اور اب معمولی سی تردید بھی ان کے نزدیک نہیں پھٹکتی، پیام، پیامِ خدا ہے اور ابراہیمؑ، تاریخ کے یہ بڑے گنہگار، اس کے سامنے، تسلیم محض!

لیکن ہر بار جب وہ حکم کے اجرار اور اسمٰعیلؑ کے ذبح کے بارے میں سوچتے ہیں تو عاجزی اور لاچاری اس طرح ان پر بوجھ ڈالتی ہے کہ وہ دوہرے ہو جاتے ہیں۔ غم نے آئینہ کی طرح ان کے صاف و شفاف کھلے ہوئے چہرے کو، ایک جلے ہوئے چمڑے کی صورت بنا دیا اور اس پر جھریوں کے اور نیل کے اثرات پیدا کر دیے اور اب وہ غم کے پہاڑ تلے گویا اپنی ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آواز سُن رہے ہیں۔

ابلیس، جب ابراہیمؑ کے پورے وجود پر ضعف، بے چارگی اور ہراس کے غلبہ کو دیکھتا ہے، اور دیکھتا ہے کہ درد و غم اس کا کیا حشر بنا رہا ہے تو اس کی امید بندھ جاتی ہے، اس لیے کہ ابلیس ــــ وہ کینہ پرور دشمن کہ جو زمین پر آدم کے ہبوط سے اس کے بچوں کی تاک میں ہے ــــ

جہاں کہیں بھی آدم زاد کی بُو سونگھتا ہے حاضر ہو جاتا ہے اور جس کسی پر بھی خوف، کمزوری، تردید، یاس، حسد، خود خواہی، بے شعوری، حتیٰ کہ کسی چیز میں حد درجہ دل چسپی کے اثرات کو دیکھتا ہے اپنا کام شروع کر دیتا ہے یہاں تک کہ اچھی چیزیں ابلیس کے لیے بُرا سرمایہ ہو سکتی ہیں اور وہ تمھارے پیروں میں زنجیر ڈال دیتا ہے، تمھیں اپنی طرف بلاتا ہے، فرائض کی انجام دہی سے روکتا ہے، پیامِ حق کی روشنی اور صراحت کو تمھارے دل میں بجھاتا ہے اور تمھارے اندر سستی پیدا کرتا ہے، حتیٰ کہ فرزند کی محبت میں تمھیں اندھا کر دیتا ہے۔" اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ "! فتنہ ــ؟ "آزمائش کی بھٹی"! "عقیدے کے راستے کی رکاوٹ"! اور اسمٰعیلؑ اس وقت ابراہیمؑ کی واحد دل چسپی کا مرکز اور ابلیس کے مقابل ان کی واحد کمزوری ہیں۔

تاہم اب ابراہیمؑ نے اسماعیلؑ کی حیات سے دل اٹھا لیا ہے، پیامِ پیامِ حق ہے۔ لیکن ان کے دل میں "اسماعیل کی موجودگی" کی جائے لذّت کو اس کے کھونے کے درد نے پُر کر دیا ہے۔ غم ایک بپھرے ہوئے بجّو کی طرح ابراہیمؑ کو چمٹے اندر ہی اندر سے انھیں کھا رہا ہے۔ غم کی بُو ابلیس کو مست کر رہی ہے، وہ خوش ہو رہا ہے۔ غم آدم زاد کو ابلیس کا تر نوالہ بناتا ہے۔

ابلیس کی ایک دفعہ پھر امید بندھ گئی،

اس نے پھر غم میں ڈوبے ہوئے ابراہیمؑ پر لالچ کی نگاہ ڈالی، اور ان کی سمت بڑھا اور آہستہ سے ان کے "ناخود آگاہ شعور" میں دوڑ گیا اور پھر وہی کہا جو اس سے دو دفعہ پہلے کہہ چکا تھا،

ابلیس کی منطق ہمیشہ ایک ہے، ایک چیز کی تکرار ہے ہر چند کہ وہ سیکڑوں رنگ و نیرنگ کا حامل ہو:

اسس پیام کو میں نے خواب میں ......!
لیکن نہیں ، بس ہے ، اب بس ہے ابراہیمؑ !
ابراہیمؑ نے فیصلہ کیا ،
انتخاب کیا ،
معلوم ہے کہ ابراہیمؑ نے کس چیز کو "انتخاب" کیا ؟
کس چیز کو ــــــــ ؟
"بندگیٔ خدا کی مطلق آزادی کو" !
ذبحِ اسماعیلؑ کو !
وہ آخری رکاوٹ جو اسے اپنی بندگی کی طرف بُلا رہی تھی !
پہلے انھوں نے ارادہ کیا کہ اس بات کو اپنے لڑکے سے بیان کریں ،
لڑکے کو آواز دی ــــــــ
لڑکا آیا ؛
باپ نے "اپنی اس قربانی" کو سر سے پاؤں تک دیکھا !
اسماعیلؑ ، یہ عظیم ذبیحہ !

☆

اس وقت منیٰ میں ، لوگوں سے دُور ، ایک پتھر پر باپ اور بیٹے نے خلوت اختیار کی ہے ، دونوں میں گفتگو ہو رہی ہے ۔
باپ کے سر اور چہرے پر بڑھاپے کی برف جمی ہوئی ہے ۔ ایک سو سال سے زیادہ کے عرصے نے ان کے دکھ بھرے وجود کو یہ شکل دے دی ہے ،
اور بیٹا ، نوشگفتہ و نازک !
جزیرہ نمائے عرب کے آسمان کو ــــــــ نہیں ، آسمانِ جہاں کو

یہ منظر دیکھنے کی تاب نہیں۔ تاریخ کے بس میں نہیں کہ اسے سُنے۔ روئے زمین پر باپ اور بیٹے کے درمیان اس طرح کی گفتگو ہرگز کسی کے خیال سے بھی نہیں گزری ــــــــ،

گفتگو اتنی صمیمانہ اور اتنی ہولناک!

باپ کو گویا ہمت نہیں ہو رہی ہے کہ وہ اپنی بات کہہ سکے اور اپنی روح کی کشاکش کو بیان کر سکے۔

حتیٰ کہ وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ: مجھے مامور کیا گیا ہے کہ میں تمھیں اپنے ہاتھ سے ذبح کروں۔ اپنا دل خدا کے حوالے کر کے، ہاتھوں سے کلیجہ تھام کے کہتے ہیں:

اسمٰعیلؑ، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں ....!

ان جملوں کو وہ اتنی تیزی سے ادا کرتے ہیں کہ خود نہ سنیں اور نہ سمجھیں اور جملہ جلد ادا ہو۔ اور پھر چپ ہو جاتے ہیں۔ ہولناک چہرہ اور ہراساں نگاہیں اسمٰعیلؑ کو دیکھنے کی ہمت نہیں کر رہی تھیں۔

اسمٰعیلؑ، صورتِ حال کو سمجھ گئے، اپنے والد کے قابلِ رحم چہرہ پر ان کا دل جلا، اسمٰعیلؑ نے انھیں تسلّی دی:

"والدِ گرامی! حق تعالےٰ کے فرمان میں تردّد نہ کیجیے
راضی بہ رضائے الٰہی رہیے۔ مجھے بھی آپ مکمل تسلیم کا
پیکر پائیں گے اور دیکھیں گے کہ میں انشاءاللہ
صابروں سے ہوں گا ــــــــ!"

ابراہیمؑ میں اب ایک عجیب طاقت آگئی تھی۔ ایک ایسا ارادہ پیدا

ہو گیا تھا کہ جو حق پرستی کی طاقت کے علاوہ کسی چیز سے جنبش میں نہیں آتا تھا اب ان میں مطلق آزادی پیدا ہو گئی تھی، ایک مصمم ارادے کے ساتھ وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اتنی پھرتی اور اتنی چستی دکھائی کہ ابلیس کو مایوس کر دیا۔ اور اسماعیلؑ ــــــ جواں مردِ توحید ــــــ کہ جو سرتاپا آزادئ مطلق تھا اور جسے صرف حق پرستی کی طاقت سرکا سکتی تھی، تسلیم حق میں اتنا نرم اور اتنا فرمانبردار ہو گیا تھا کہ گویا ایک نہایت ہی "آسودہ و بردبار قربانی" ہے!

باپ نے چھری ہاتھ میں لی اور ایک ناقابلِ بیان سختی اور طاقت سے پتھر پر تیز کرنے کی غرض سے گھسنا شروع کیا!

وہ باپ کی محبّت کو، اپنی زندگی کے عزیز ترین جگر گوشے کی نسبت اس طرح ظاہر کر رہے تھے۔ یہ وہ واحد محبت تھی کہ جو وہ اپنے فرزند کی نسبت کر سکتے تھے۔

اس قوّت کے ساتھ کہ جو عشق، روح کو عطا کرتا ہے پہلے انھوں نے اپنے آپ کو اندر سے مار دیا اور اپنی رگِ جاں کو کاٹ کر اپنے دروں کو اپنے آپ سے خالی کر لیا اور خدا کے عشق سے معمور ہو گئے۔

ایک ایسا زندہ کہ جو صرف خدا کے ذریعے سانس لے رہا ہے!

پھر وہ خدا کی قوت سے اٹھے۔ اپنی جواں سال قربانی کو ــــــ کہ جو نہایت سکون اور انتہائی آرام سے کھڑا تھا ــــــ قربان گاہ لے گئے، اسے مٹی پر لٹایا، پھرتی سے ہاتھوں اور پیروں کے نیچے دبایا، پتھر پر اس کا سر رکھا، بالوں میں ہاتھ ڈال کر سر کو کسی قدر پیچھے کی طرف خم کیا اور جب اس کی شاہرگ اُبھری تو خود کو خدا کے سپرد کر کے چھُری کو اپنی قربانی کے گلے پر رکھا اور چلایا ــــــ

غیظ آمیز سختی اور ہول آور تیزی کے ساتھ۔

اس عظیم المرتبت بوڑھے انسان کی ساری کوشش یہ ہے کہ وہ قبل اس کے کہ اپنے آپ میں آئے، اپنی آنکھیں کھولے اور دیکھنے کا عمل انجام دے، ایک لمحہ میں اس کی پوری ہستی ختم ہو جائے اور اسے چھٹکارا ملے۔

لیکن ....

اُف ! یہ چھُری !

یہ چھُری ...... نہیں کاٹ رہی ہے !

آزار دے رہی ہے ،

یہ کیا بے رحمی اور تشدّد ہے !

ابراہیمؑ غصّے میں چھُری کو پتھر پر دے مارتے ہیں !

ایک زخمی شیر کی طرح مضطرب ہوتے ہیں، غم اور غصے سے بل کھاتے ہیں، ڈرتے ہیں، اپنے باپ ہونے کی بات انھیں ڈراتی ہے، بجلی کی طرح اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، جھپٹ کر چھری کو پکڑتے ہیں اور اپنی قربانی پر ایک بار پھر جھک جاتے ہیں جو اسی طرح آرام اور خاموشی سے لیٹا ہے اور جنبش نہیں کرتا۔

کہ اچانک ،

ایک دُنبہ !

اور ایک پیام کہ :

" اے ابراہیمؑ ! خدا اسماعیلؑ کے ذبح سے منصرف ہو گیا ہے۔ اس دنبہ کو بھیجا ہے کہ تم اس کی جگہ اسے ذبح کرو، تم نے حکم پر عمل کر لیا ہے۔"

اللہ اکبر ———— !

یعنی کہ خدا کے لیے انسان کی قربانی ـــــــ کہ جو گزشتہ میں ایک عبادت اور رائجہ دینی روایت تھی ـــــــ ممنوع ہو گئی!

"ملتِ ابراہیمؑ" میں، دُنبے کی قربانی، انسان کی قربانی کے بجائے!

اور اس سے زیادہ ممکنہ مفہوم،

یعنی کہ ابراہیمؑ کا خدا، دوسرے خداؤں کی طرح پیاسا نہیں ہے، خون کا پیاسا، یہ خدا کے بندے ہیں جو بھوکے ہیں، گوشت کے بھوکے،

اور اس سے بھی زیادہ پُرمعنی بات یہ کہ،

خدا شروع ہی سے نہیں چاہتا تھا کہ اسمٰعیلؑ ذبح ہو،

بلکہ یہ چاہتا تھا کہ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ کے ذبح کنندہ ہوں،

اور ہو گئے، کتنی جرأت مندی سے!

بس اس کے بعد قتلِ اسماعیلؑ ایک امرِ عبث ہے!

یہاں پر بات "خدا کی چاہت" کی نہیں،

ہر جگہ "انسان کی چاہت" کی بات ہے،

اور یہ ہے، "مہربان، حکیم" اور "انسان دوست" خدا کی "حکمت"۔

کہ جو ابراہیمؑ کو اسماعیلؑ کی قربانی کے بلند ترین نقطے تک لے جاتا ہے،

بغیر اس کے کہ اسماعیلؑ کی قربانی کرے!

اور اسماعیلؑ کو "خدا کے عظیم ذبیحہ" کے مقام پر ارتقار دیتا ہے،

بغیر اس کے کہ اس کو کوئی گزند پہنچے!

اس لیے کہ اس دین کی داستان۔ تشدّد، انسان کی خود آزاری، خون، اور خداؤں کی عطش کی داستان نہیں، "کمالِ انسان" کی داستان ہے۔

قیدِ غریزہ سے آزادی ہے، خود خواہی کے تنگ حصار سے رہائی ہے، اور صعودِ روح، معراجِ عشق اور ارادۂ بشری کا معجزہ ساماں اقتدار ہے، نیز ہر اس قید سے رہائی ہے کہ جو تمھیں "حقیقت کے آگے ایک ذمّہ دار انسان" کے نام پر اسیر و عاجز کرتا ہے،

اور بالآخر، "شہادت" کی بلند چوٹی کا حصول ہے،

اسماعیلؑ کی طرح،

اور "شہادت" سے بالاتر

وہ چیز کہ جس کا قاموسِ بشر میں ابھی تک کوئی نام نہیں ہے۔

ابراہیمی صورت!

اور اس داستاںؑ کا اختتام ؟ ایک دُنبہ کا ذبح،

اور وہ چیز کہ جو خدا اس عظیم ترین انسانی ٹریجیڈی میں اپنے لیے چاہتا تھا ——— ؟

ایک دنبہ کا ذبح چند بھوکوں کے لیے!

اور اب تم، اے وہ کہ جو منیٰ میں پہنچے ہو ضرور ابراہیمؑ کی طرح اپنی قربانی اپنے ساتھ لائے ہو گے۔ تم نے آغاز ہی میں اپنے اسمٰعیل کو منیٰ میں ذبح کرنے کے لیے انتخاب کر لیا ہو گا!

تمھارا اسمٰعیل کون ہے ؟ کیا ہے ؟

ضروری نہیں کہ کوئی اسے جانے، بس تم جانو اور تمھارا خدا،

تمھارا اسمٰعیل، ممکن ہے تمھارا فرزند نہ ہو، تمھارا واحد بیٹا نہ ہو، تمھاری بیوی ہو، تمھارا شوہر ہو، تمھارا کام ہو، تمھاری شہرت ہو، تمھاری

شہوت ہو، تمھاری طاقت ہو، تمھاری پوزیشن ہو، تمھارا مقام ہو.....،

مجھے نہیں معلوم، ہر وہ چیز کہ جو تمھاری نظر میں ابراہیمؑ کے نزدیک اسمٰعیلؑ کی جگہ رکھے،

ہر وہ چیز کہ جو حقیقت کے لیے کام کی نسبت فرض کی ادائیگی میں رکاوٹ بن گئی ہے، تمھاری آزادی کی راہ میں حائل ہو گئی ہے، اس لذت سے مل گئی ہے کہ جو تمھیں اپنے ساتھ رہنے کو کہہ رہی ہے، جو عوامی یا سماجی زنجیر کی طرح تمھیں تمھاری پائیدار زمین پر باندھے ہوئے ہے اور جانے نہیں دے رہی ہے، وہی کہ جو ابلیس کے ساتھ شریک کار بنی ہے تاکہ تم اسے اپنے پاس رکھو، وہی کہ جو تمھارے کانوں کو پیامِ حق کے حضور بہرا کر دیتی ہے۔ تمھاری سوچ کو تاریک اور دل کو میلا کرتی ہے، وہی کہ جو فرمانِ ایمان کے مقابل عصیان کو اور بھاری اور دشوار ذمہ داری سے فرار کی تمھارے لیے توجیہ کرتی ہے، ہر وہ چیز کہ جو تمھیں اپنے پاس رکھتی ہے تاکہ تم اسے اپنے پاس رکھو.......!

یہ سب اسماعیل کی علامتیں ہیں، تم خود اپنی زندگی میں اسے ڈھونڈو، اس کا انتخاب کرو اور اب جب تم نے "خدا کا ارادہ" کر لیا ہے منیٰ میں اسے ذبح کرو!

دُنبے کو ابھی آغاز ہی میں تم خود انتخاب نہ کرو، رُکے رہو کہ خدا انتخاب کرے اور اسے تمھارے اسماعیل کی ذبح کے بجائے تمھیں عطا کرے۔

یہی وہ صورت ہے کہ جس میں وہ دُنبے کے ذبح کو، قربانی کے طور پر تم سے قبول کرتا ہے،

اسماعیل کے بجائے دُنبے کو ذبح کرنا "قُربانی" ہے اور

دُنبے کو بعنوان دُنبہ ذبح کرنا "قصابی" !

تثلیث کے بُت

اب منیٰ میں ان تین بُتوں کو تم نے پہچانا ؟ یہ تینوں وسوسہ ابراہیمؑ میں مظہر ابلیس ہیں !

کیا آدمی جب "اپنے آپ سے جی اُٹھا لیتا ہے" اور مطلق آزادی کی معراج تک پہنچتا ہے ، ہر قید و بند سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے اور سرتاپا الٰہی موجود بن جاتا ہے اور وجود "برائے خود" مگر "بالغیر" [1] کے ــــ گویا اعتباری ــــ مرحلہ سے وجود "برائے خدا" مگر "بہ خود" کے ــــ گویا اصالتی [2] ــــ ابراہیمی مرحلہ تک رفعت پاتا ہے تو ان تین مرحلوں سے اپنے آپ کو گزار لیتا ہے ؟

کیا یہ تین بُت ، اس خطِ سیر کے تین منفی مرحلے نہیں ہیں کہ جس کے تین مثبت مرحلے اس حج اکبر ہیں ۔ عرفات ، مشعر اور منیٰ ہیں ؟

جمرۂ اولیٰ ، عرفات کی ضد ، جمرہ وسطیٰ ، مشعر کی ضد ، جمرِ عقبیٰ [3]

---

[1] EXISTENCE POUR SOI

[2] EXISTENCE EN SOI - AUTHENTIQUE

[3] جمرۂ عقبیٰ کو اس رو سے کہ وہ "عقبہ" کے قریب ہے (وہ جگہ کہ جہاں جناب رسالتمآبؐ نے حج پر آنے والے مدینہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ پیمان باندھا تھا) جمرۂ عقبیٰ کہا جاتا ہے ۔ اسے جمرۂ عقبہ بھی کہا جاتا ہے ۔

منیٰ کی ضد ــــــــ؟

اب اور سوچنے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے، میری سوچ اس سے آگے نہیں بڑھتی۔

لیکن اس سوال کا جواب ضروری ہے کہ یہ تین بُت، ابلیس کے تین طاقت ور اور اصلی عامل ہیں کہ جو ابراہیم بننے کی راہ کے سرے پر انسان کی گھات میں بیٹھے ہیں اور اسے پیغامِ الٰہی کی انجام دہی سے روکتے ہیں۔

ان کا اصلی کام کیا ہے؟

حق کے پیام کو مسخ کرنا اور جھٹلانا۔

آدمی کو، اس کی سب سے بڑی دل چسپی کی بنیاد پر کہ جو اس کا سب سے زیادہ کمزور نقطہ اور اس کے زوال کی لغزش گاہ ہے اسے کمال کی سمت جانے سے اور حق کی سونپی ہوئی ذمّہ داری سے روکتے ہیں اور مفلوج کرتے ہیں۔

ان کی دوسری نشانی یہ ہے کہ وہ ہمیں اپنے عینی مصادیق تک پہنچانے کے لیے کہ جن سے ان کا علامتی یا اشارتی رابطہ ہے، ہماری مدد کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ یہ تین بُت، تین مستقل بُت ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا ایک نام ایک عنوان اور ایک ٹھکانا ہے۔ لیکن یہ تینوں ایک دوسرے کے معاون اور ایک ہی خطِ سیر میں ہیں۔ اور تینوں اس انسان کے راستے پر بیٹھے ہیں کہ جو فرض شناس ہے اور آگے بڑھ رہا ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ تینوں، تین مستقل وجود ہونے کے باوجود ایک وجود کے مظہر ہیں: ابلیس!

ایک ہستی ہے مگر اس کے باوجود "تین"، تین "ہستیاں" ہیں

مگر اس کے باوجود "ایک"!

تعجب کی بات ہے کہ یہ "تثلیث" کی علمی اور مروّجہ تعریف ہے![1]

خدا کی تین صورتیں !

یہودیوں میں : تین اقنوم (تین قالب)، جیسا کہ فیلون نے کہا ہے،

عیسائیت میں : باپ، بیٹا، روح القدس !

یونان میں : تین چہرے، ایک سر میں !

ہندوستان میں : "وشنو" یہاں بھی تین چہرے ایک سر میں۔

ہندوؤں میں : "مَنُو" (برہما کا بیٹا) تین حقیقتوں میں۔ سر، ہاتھ اور سینہ،

قدیم ایران میں : اہورا مزدا تین آتشکدوں (گشنسب، استخر اور برزین مہر) میں۔

اور دوسری جگہ : خدا کا ذریعہ، خدا کا سایہ، خدا کی آیت۔

شرک کیا ہے؟ دنیائی دین، وہی کہ جسے تاریخ کے علمی فلسفہ میں بہت صحیح طور پر کہا ہے کہ یہ معاشرے کے ڈھانچے کی پیداوار ہے۔ موجودہ نظام کی نشاندہی کرنے والا ہے، معاشرے کی مادی بنیاد کے ساتھ سازگار تعمیر ہے اور بالآخر لوگوں کو ان کی خود آگاہی سے غافل کرنے والا ہے!

یہ سب باتیں درست ہیں اور ان مفاہیم سے درست تر ہیں کہ جنھیں اس کے بارے میں بولنے والوں نے سمجھا ہے، لیکن دینِ شرک ہے۔ دینِ توحید

---

[1] TRINITE

شرک کی ضد ہے اور اس کے ساتھ کسی زادگاہ، کسی ذات اور کسی صورت کا تصور نہیں آسکتا۔ تاریخ کی جنگ مذہب کے خلاف، مذہب کی جنگ ہے، شرک کے خلاف، توحید!

لیکن بات یہ ہے کہ توحید کے دین کو بھی، اس کے اجتماعی عمل میں، دینِ شرک کر دیا گیا ہے۔ شرک در نقابِ توحید! اور کتنا ہولناک تر اور پائیدار تر!

عیسائیت کی تثلیث، توحید رہی ہے! کیا "وشنو"، "آہورا" وغیرہ وغیرہ ایک خدا نہیں ہیں ——— ؟

اور میں سمجھتا ہوں کہ تمام ادیان کی بنیاد توحید پر رہی ہے مگر جب اجتماعی نظام کہ جو تاریخ میں شرک سے بدل گیا ہے اور شروع کا واحد متحد روح کا حامل اور طبقات سے پاک معاشرہ، بہت سے طبقات اور بہت سے گروہوں میں تقسیم ہو گیا تو توحید نے شرک کی صورت اختیار کر لی۔

آدم سے دو بیٹوں کا وجود رہا، دو آدم زاد، مویشی پرور ہابیل کو اس کے زراعت پیشہ بھائی قابیل نے قتل کر دیا۔ کسی نے قابیل کے مرنے کی خبر نہیں دی ہے، قابیل نہیں مرا ہے، وہ کہ جو وارثِ آدم ہوا ایک غاصب تھا، ایک قاتل، بھائی کو قتل کرنے والا، بندۂ نفس، صاحبِ مِلک، خدا کا مجرم اور آدم کا خلفِ ناخلف!

تاریخ پر حاکم بنی آدم، بنی قابیل ہیں،

معاشرے نے ترقی کی، اقتدار و نظام پیچیدہ ہو گئے، تفریق، تخصص اور طبقات کے مرحلے سامنے آئے، حکمران طاقت، تقدیر ساز قوت، حق کا غاصب اور ہر سفید و سیاہ کا مالک قابیل بھی تین چہروں میں نمودار ہوا، اور ترقی یافتہ

معاشرے، سیاست اور اقتصاد و مذہب میں اپنی جگہ بنالی اور ان تینوں مراکز پر علیحدہ علیحدہ ڈیرہ ڈال دیا اور زور و زر و زھد کی تین قوتوں کو ابھارا اور اس طرح استبداد، استثمار اور استحمار (استحصال کی تین صورتوں) نے جڑ پکڑی کہ توحید ان کے تین مظاہر کو فرعون، قارون اور بلعم باعور کے نام سے یاد کرتی ہے، لیکن شرک زمین کے ان تین خداؤں کو تین جہتی مسلط نظام میں، دین سے توجیہ کرتا ہے اور تین خدا آسمان پر!

یہ تین صورتیں تمھیں خدا کی بندگی سے اپنی بندگی کی طرف بلاتی ہیں اے کہ جس نے ابراہیمؑ کا لباس پہنا ہوا ہے یہ سب تم کو "اسمٰعیل پرستی" کی طرف کھینچ رہی ہیں تاکہ وہ خود تم پر چھائی رہیں، تمھیں مصروف کردیں، تمھاری جیب کو خالی اور عقل کو معطل کریں اور تمھیں اندھیرے میں کھینچ لائیں!

اے وہ کہ جو منیٰ میں آئے ہو، مارو

اے وہ کہ جو اپنے اسمٰعیل کو بھی قتل گاہ میں لائے ہو!

ابراہیمؑ کی طرح ابلیس کو اس کے تینوں چہروں میں رمی کرو!

اے اس عظیم بت شکن کے پیروکار، توحید کے سپاہی، تینوں بتوں کو توڑ دو۔

اور دسویں ذی الحجہ کے طلوع آفتاب کے ساتھ ہجوم خلائق کے لمحوں کو کہ جس کا اعلان وقت نے کیا ہے امت کے قدم بہ قدم، احرام پوش بھیڑ کے ہمراہ، مشعر سے، منیٰ کی سرحد سے گزر جاؤ اور جمرات کی وادی پر یلغار بول دو، پہلے حملے میں آخری کو مارو!

ذرا یہ تو بتاؤ کہ یہ آخری کون ہے کہ پہلے اس کا ڈھانا ضروری ہے؟

فرعون ــــــــ؟

قارون ـــــــ ؟

بلعم باعور ـــــــ ؟

یہ تینوں بُت، قابیلی قوت کے یہ تین مجسمے، ابلیس کے تین مظہر، توحید کی ضد پر مبنی، تثلیثِ شرک ہیں۔

فرعون کو مارو کہ : ان الحکم الا للہ

قارون کو مارو کہ : المال للہ

اور بلعم باعور کو مارو کہ : الدین کلہ للہ

خدا کے جانشین لوگوں کی فطرت میں ہیں اور خدا کا گھرانہ زمین میں، لوگوں اور زمین کے وارثان نیک اور شائستہ بندے۔

یعنی اللہ کی حکومت لوگوں کے ہاتھ میں ہے،

اور تمام سرمایوں کا تعلق لوگوں سے ہے۔

اور اللہ کے دین کے، مکمل طور پر ذمہ دار، لوگ ہیں!

ان تینوں میں کون فرعون ہے اور زور پرستی ـــــ؟ کون قارون ہے اور زر پرستی ـــــ؟ اور کون بلعم باعور ہے اور مُلّا پرستی ـــــ؟

ہر روشن خیال اپنی فکری بصیرت اور اس سماجی مبارزہ کی روش کے ساتھ کہ جو اس کا خاصہ ہے نیز اس سماجی نظام کے مطابق کہ جس میں وہ جواپدہ ہے بنیادی تکیہ کسی ایک پر دھرتا ہے۔ ایک سیاسی مبارز، زیادہ تر فاشیزم، ملیٹریزم اور استبدادی نظاموں میں آخری کو فرعون گردانتا ہے۔

ایک اقتصادی مفکّر اور معاشی عامل کے تقدیر ساز ہونے کا معتقد، آخری کو قارون سمجھتا ہے۔ ایک مجاہدِ فکر اور روشن خیال آدمی کہ جو جہل و فکری جمود کو اور شعور و خود آگاہی و ارتقا کا گلا گھونٹنے والے عامل کو مذہب شرک یا

مسخ شدہ توحید جانتا ہے اور اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ جب تک اذہان میں حرکت پیدا نہ ہو کوئی چیز اپنی جگہ سے نہیں ہلتی، آخری کو بلعم باعور گردانتا ہے۔

پہلے دو تین سفر میں جب میں گیا تو میں نے آخری کو بلعم باعور قرار دیا اور بلعم کی نیت سے رمی کیا، میں نے اپنے اس انتخاب کے سلسلے میں خاص طور پر قرآن کو اپنا ہمنوا پایا کہ جس نے زیادہ تر نفاق، شرک اور جہل پر حملہ اور ملا پرستی پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے:

"اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ!"

اور کتنا تیز اور غضب آلود لہجہ، خاص طور پر ان مذہبی پیشواؤں کے لیے کہ

"كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا"

"فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ"

(خدا کو چھوڑ کر انھوں نے اپنے ملاؤں کو اپنا ارباب بنا لیا ہے۔ یہ بے مصرف ملا اس گدھے کی طرح ہیں جس پر کتابیں لاد دی گئی ہوں۔ اور منافق ملا اس کتے کی طرح ہے کہ اگر اس پر حملہ کرو تب بھی بھونکتا ہے اور اگر چھوڑ دو تب بھی .....)

اور آخری سورہ میں جس پر کہ قرآن اختتام پذیر ہوتا ہے بڑے اعجاز بیان کے ساتھ بڑی خوبصورتی اور ٹھوس انداز میں میرے نظریہ کی تائید ہوتی ہے سورہ، جناب رسالتمآبؐ سے مخاطب ہے، اس منزل پر کہ جہاں قرآن ختم ہوتا ہے اس شخصیت سے کہ جو رسالتِ الٰہی کی عظیم ترین منزل پر ہے اور بشر کی نجات' اس کی آگاہی اور رہبری کا ذمہ دار ہے کہتا ہے کہ تم ایک "شر" سے محفوظ

نہیں ہو ، اللہ سے اس کے لیے پناہ مانگو ــــــ !

وہاں جہاں خدا کا نام آتا ہے ، تین صفات میں اس کو پہچنواتا ہے :

" قُلْ اَعُوْذُ بِـ " رَبِّ النَّاسِ " ، " مَلِكِ النَّاسِ " ، " اِلٰـهِ النَّاسِ " !

ان تین قوتوں کی نفی کہ جن کو ان تین بتوں نے اپنے سے مخصوص کر لیا ہے اور اس کا اثبات ذاتِ الٰہی کے لیے ۔ توحید !

یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ الٰہی اور روحانی قوت آخر میں آئی ہے ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ جناب رسالتمآبؐ جیسی شخصیت کا لوگوں کے ولیٔ نعمت ، لوگوں کے مالک اور لوگوں کے خدا ۔ مالکیت ، ملوکیت ، روحانیت ۔ سے پناہ مانگنا کس شخص کے شر سے ہے ؟ خناس کے شر سے ، خناس کون ہے ؟ قرآن خود واضح طور پر بتاتا ہے :

" مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ " !

ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں اس قوت کی بات ہو رہی ہے کہ جو لوگوں کے سینوں میں ان کے اندیشہ و احساس و عقیدہ میں وسوسہ ڈالتا ہے ۔

اور منیٰ میں بھی اس ابلیس کی گفتگو ہے کہ جس نے ابراہیمؑ کے سینے میں وسوسہ ڈالا ۔

پس آخری میں یہی وسوسہ گر خناس ہے ...... عالم نما دین فروش ، دانشمند علم فروش اور روشن خیال خائن !

اور قرآن ، تاریخ بشر میں ظلم ، ضلالت اور تفرقہ کے پہلے عامل کو کہ جس نے ابتدار کے بے اونچ نیچ اور بے تضاد والے معاشرہ کو اختلاف و امتیاز میں

بتلا کیا ان لوگوں سے جانتا ہے کہ جو اپنے آپ کو دین اور علومِ دینی کا ذمّہ دار سمجھتے ہیں اور احکامِ شرع و دین کو پھیلانے والے ہیں اور جو اختلافات کو دور کرنے اور حق کی حکومت کے استقرار کے لیے آئے تھے ۔ یہی لوگ کہ جنھوں نے دین کی ذمّہ داری سنبھالی ہوئی تھی ، اختلافات ، تفرقات اور تضادات کا باعث بنے ۔ وہ بھی دینی تعصّبات اور فکری اختلافات کی بنیاد پر نہیں اور نہ ہی ناخود آگاہ طور پر بلکہ جانتے بوجھتے ہوئے ، اس لیے کہ انھیں ظلم و حسد اور سرکشی مطلوب تھی (بغی) !

" كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً " [1]

لوگ ، سب ایک گروہ تھے ۔ ایک یکساں نوعیت کا بے طبقہ و بے تضاد و بے تفرقہ معاشرہ ۔

" فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۠
وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ
بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا
اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ
مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۔۔۔۔ "

" اور پھر خداوندِ عالم نے پیغمبروں کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا خلق کیا اور ان کے ساتھ برحق کتاب کو اتارا تاکہ یہ کتاب ان کے درمیان موجودہ اختلافات کا فیصلہ کرے مگر وہی لوگ کہ جن کے پاس حق کی کتاب آئی بعد ازیں کہ حق و باطل کی واضح نشانیاں انھیں ملیں انھوں نے اپنے درمیان حق تلفی اور

---

[1] سورہ بقرہ آیت ۲۱۳ اور نیز سورہ یونس آیت ۱۹

ستم گری کو رد عمل لانے کے لیے اس میں اختلاف کیا ....! "

لیکن یہ "حج" اس سے کہیں زیادہ عمیق اور اس سے کہیں زیادہ شاداب ہے کہ جو مکمل طور پر مجھ جیسے شخص کی عقل میں سمائے۔

ہر بار جب میں جاتا تھا تو یہی سمجھتا تھا کہ میں نے مکمل طور پر اسے سمجھ لیا ہے اور اگلا سفر، بجز تکرار کے اور کچھ نہیں ہوگا لیکن دوسرے سفر میں مجھے حیرت ہوتی تھی کہ پچھلے سفر میں، میں نے حج کے بارے میں کیا جانا تھا؟

اور تم، اے میری تحریر کو پڑھنے والے، یہ سمجھ رہے ہو گے کہ میں نے حج کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ حج کے پورے مفہوم کو پیش کرتا ہے یا وہ سب باتیں جو میں نے کہی ہیں وہی حج کا مفہوم ہے، نہیں۔ جس بات کا دعویٰ میں خود کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ سب باتیں وہ ہیں جنھیں میں نے حج سے اخذ کیا ہے اور تم کوشش کرو کہ اسے کسی اور طرح سے سمجھو، کہ یہ "مناسک" عملیہ کا رسالہ نہیں ہے، رسالۂ فکریہ ہے۔ یہ سب کا سب ایک عام ذہن کی تاب و توان ہے کہ جس نے یہ کوشش کی ہے کہ اپنی استعداد کے مطابق اس معجزہ آسا اشاریاتی تمثیل کو ۔ کہ جس میں ہدایت کار، عالم کا ہدایت کار ہے ۔ حل کرے، اور سمندر کو کوزے میں سموئے۔

یہی وجہ ہے کہ جب بھی میں اس سفر پر گیا میں نے اپنے گزشتہ کے تاثرات کی تصحیح کی، اپنی پچھلی تفسیر کو مکمل کیا اور نئے نئے راز پائے اور اس پر بہت سے نکتوں کا اضافہ کیا۔ اور وہ کشفِ شہودات کہ جو گزشتہ سفر میں میرے لیے سب کچھ تھا بعد کے سفر میں کچھ نہیں رہا۔

آخری سفر میں، میں نے سوچا کہ آخر میں کیوں ان چیزوں کو معین کروں کہ جن کو خود حج کا عمل کروانے والے نے معین نہیں کیا ہے۔ اگر تعین ہونا

ضروری تھا تو تعین ہو جاتا، کیا یہ بات کہ اس نے ان تینوں کا تعین نہیں کیا ہے خود، ایک طرح کا تعین نہیں ؟

کیا ایسا نہیں ہے کہ یہ تینوں ایک ہیں اور یہ ایک تین ؟

پس ان تین بتوں کی تخصیص، اُن تین "بُعدوں" کی تفکیک کو ذہن میں لاتے ہیں کہ جو لاینفک ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ ان کا تعین نہیں کرتا یہ بتانے کے لیے کہ ہر بُت میں دو اور بُت چھپے ہوئے ہیں اور ہر رمی میں ان دو اور بُتوں کی رمی کی بھی "نیت" کرو۔

اور پھر یہ آدمیوں کے قالبی ذہن ہیں، فلسفیوں اور عالموں کے ذہن، کہ جو ایک طرح کے قالب اور ایک طرح کے قاعدے تراشتے ہیں اور اس کا نام عمرانیات، فلسفہ، تاریخ اور نفسیات رکھتے ہیں۔ حج کا خالق جانتا ہے کہ، تہذیب و تمدّن اور مدنیت کے ہر دور میں، ہر تاریخی مرحلہ میں، ہر معاشرتی نظام میں، ہر پیداواری ڈھانچے، طبقاتی بافت، فکری عمارت اور اجتماعی روابط میں ان تینوں قوتوں میں سے کوئی ایک قوت تقدیر ساز ہے اور ان دوسرے دو کی محافظ۔ جس کے نتیجے میں ان کی نفی عامل نجات، باعثِ کامیابی اور بقرہ عید ہے اور اس بنا پر اسی کو چاہیے کہ منیٰ میں جمرۂ عقبیٰ کی حیثیت دی جائے اور پہلے حملے میں اس کو جمرات کی برستی گولیوں کی زد پر لایا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ رمی کرنے والا کہ جو ایک سرمایہ دار ترقی یافتہ ملک سے یا وہ جو قرون وسطیٰ کے ایک پسماندہ مذہبی معاشرہ سے یا وہ کہ جو فاشی اور شہنشاہی نظام سے آتا ہے۔ رمی جمرات کے اندر ان کی نیتوں میں فرق ہوتا ہے۔ اگرچہ کہ تینوں ایک ہیں اور اس آخری نے پہلے اور دوسرے کو سنبھال رکھا ہے۔ اور یہی سوچنے کا مقام ہے اس لیے کہ فرعون لوٹ مار کو قارون کے لیے قانونی

بناتا ہے اور بلعم شرعی ، اور قارون، بلعم کے امور کو دولت سے چلاتا ہے، اور فرعون طاقت سے تحفظ دیتا ہے۔ بلعم، فرعون کی قوت کے پائے کو آسمان کے خداؤں کے دوش پر دھرتا ہے اور قارون زمین کے خداؤں کے دوش پر۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے دو ہم ذات ہمزاد کو اپنے دونوں پہلوؤں میں اپنے دونوں ہاتھ سے چمٹائے ہوئے ہے اور اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے ان دونوں کا بھی سہارا بنا ہوا ہے۔ اور تم زمین کے جس حصے سے بھی آئے ہو ہر دور اور ہر زمانے میں ہر اس نیت سے کہ جس کا تقاضا قوم میں تمھاری ابراہیمی ذمہ داری کرتی ہے، آخری کو تینوں کی نیت سے مارو، اس لیے کہ جب تم نے ابلیس کو اس کے آخری فریب میں ٹھکرا دیا تو اس کے باقی فریب از خود ختم ہو گئے۔

کیونکہ آدمی ہمیشہ آخری فریب سے مار کھاتا ہے۔

آخری کو مارا ——— ؟ رُو در رُو ——— ؟ اس کے سر پر ——— ؟ لگا ——— ؟ سات بار ——— ؟ ساتوں مرتبہ لگا ——— ؟ سات آسمان اور سات سیاروں کی تعداد میں ——— ؟ ہفتہ کے تمام دنوں کے مطابق ——— ؟ یعنی کہ جہاد ہم آہنگ زماں، ہمانند جہاں ! یعنی وہ جنگ کہ جس کا آغاز خلقت سے ہوا ہے ؟ جو فطرت کا ہم ساز ہے ——— ؟

میں کیا کہہ رہا ہوں ——— ؟

یعنی بے شمار ! یعنی ہمیشہ، جس میں وقفہ نہیں، جس میں گزشت نہیں، جس میں صلح وصفائی نہیں، جس میں "جنگ بندی" نہیں۔ یعنی پُرامن بقائے باہمی بتوں کے ساتھ ہرگز نہیں، یعنی تمھاری ساری عمر منیٰ میں ہے اور سارے وقت رمی !

سات ، کثرت کا عدد ہے ۔

آخری بُرگیا اے ابراہیمؑ ، ابلیس نے تمھاری مصمّم اور مسلسل سنگساری کے نتیجے میں گھٹنے ٹیک دیے اور مفلوج ہو گیا ۔

اور تم ، اے انسان ، اے زمین پر خدا کے جانشین ، تم نے بھی خدا کی طرح ابلیس کو رجم کیا ، اور اسے بھگا دیا ۔

اس واحد فرشتے کو کہ جس نے تمھارے آگے جھکنے میں نافرمانی کی ، تم نے اپنی ابراہیمی قوت سے اسے اپنے آگے گرا دیا اور آزاد ہو گئے ، ابراہیمؑ ہو گئے ——— ! اے بازیچۂ ابلیس ، اے بُت کے پجاری ، اب تم تمام فرشتوں کے مسجود ہو !

اب تم مقامِ ابراہیمؑ پر پہنچے ہو ، پیام کو سُن رہے ہو ، حکم کو تشخیص دے رہے ہو ، جنگ کے آخری محاذ سے کامیاب لوٹ رہے ہو ، تم نے آخری بُت کو توڑ دیا اور اب " اپنے اسماعیل کو راہِ عشق میں ذبح کرنے " کے مقام پر پہنچے ہو ، حق پرستی میں تم اپنے اسماعیل کو بھی ذبح کر سکتے ہو ۔

" جمرۂ عقبیٰ " کی رمی سے واپس لوٹ رہے ہو ، فاتح بن کر ، دل میں عشق کی جوت جگا کے ، حق کے آزاد بندے بن کر ، اب تمھارا ارادہ ذبح کا ہے تم مصمم قدموں سے ، ابراہیمؑ کے نشانِ قدم پر قدم رکھتے ہوئے ، ایک ہاتھ میں اپنے پارۂ جگر اسماعیل کا ہاتھ اور دوسرے میں اپنی تیغِ ایمان تھامے مقتل میں جاتے ہو ، اسمٰعیل کو خاک پر لٹاتے ہو ،

اپنے ارادہ کے آگے ،

اپنی حق بیں نگاہوں کے سامنے ،

کلیجے پر غفلت کے دانت گاڑ کر ، دل کو خدا سے وابستہ کر کے ،

اے سرتاپا مجسمۂ حق، اے منیٰ میں آنے والے، تیغ کو اسماعیل کے حلقوم پر دھرو!

اور......

.....

.....

..... دُنبے کے گلے پر چھُری پھیرو ———!

اس لیے کہ ابراہیمؑ کا خدا خون کا پیاسا نہیں، تمھارے اسماعیل کی اسے ضرورت نہیں،

خدا خود تمھارے اسمٰعیل کا فدیہ ادا کرتا ہے،

یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ وہ تمھیں اس منزل تک لے آئے!

اپنے تاریک گھُٹے گھر سے، اے ابلیس کے تین سایوں کے قتیل!

منیٰ کے سُرخ مقتل تک، اے بُت شکن توحید!

اور اب تم، اے کہ جس نے راہِ خدا میں اسماعیل کے گلے پر چھُری رکھ دی ———

منیٰ میں آئے ہو تاکہ اسماعیل کو ذبح کرو لیکن ابھی تمھارے ہاتھ ابلیس کے خون سے رنگے ہوئے ہیں اور تمھارا اسماعیل پرعزم و پر افتخار تمھارے پاس کھڑا ہے ———

تم "اسمٰعیل کے ذبح" میں "ابلیس کی رمی" کو پہنچتے ہو۔

ابلیس کے گھُٹنے جھکانے پر وہی شخص قادر ہے کہ جو پہلے، اپنے اسمٰعیل کی قید سے آزاد ہو جائے۔ لیکن یہاں بات الٹی ہے، جب تک اسمٰعیل کا خوف تمھارے اندر ہے، ابلیس "عقبہ" میں قائم ہے!

عجیب بات ہے اس کوہستان میں کیسی کیسی باتیں آدمی کو سمجھائی جاتی ہیں ــــــ!

اب تم ابراہیمؑ ہوگئے ہو، تم نے ابلیس کو زمیں بوس کردیا، اپنے اسمٰعیل کو مقتل سے واپس لے چلو، جس چیز کو تمھیں ذبح کرنا تھا وہ اسمٰعیل نہیں تھے اسمٰعیل کی وابستگی تھی، ابلیس کا ذریعہ تمسک تھا، اسمٰعیلؑ خود محبوبِ خدا ہیں، عطیۂ خدا ہیں، اس کو خدا نے خود تمھیں بخشا اور اب وہی خدا ہے کہ جس نے تمھیں اس کا فدیہ دیا،

اسمٰعیل کو مقتل سے واپس لے آؤ، تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ منیٰ کے محاذ سے لوٹ آؤ، وعدہ گاہِ خدا سے، ابراہیمی پیغامِ توحید کو سنبھالے خلقِ خدا کی طرف لوٹ آؤ تاکہ "حرام سرزمین"، "حرام زمانے"، "حرام معاشرے" حریم پاک الٰہی، لوگوں کے لیے "آزادی" کے گھر اور آزادی، برابری، عشق اور امنیت کی پناہ گاہ کی بنیاد رکھو!

عید

اب سب کچھ ختم ہوگیا ہے۔ حج نے اختتام پالیا ہے۔

مگر کہاں ــــــ؟

منیٰ میں ـــــ! تعجب ہے ـــــ! مکہ کی دیوار کی پشت پر ـــــ!

منیٰ، مکہ کے پہلو بہ پہلو واقع ہے، مکہ کا ایک حصہ ہے، یہاں سے چند قدم کے فاصلے پر کعبہ ہے!

حج کیوں، کعبہ پہنچنے سے پہلے، ختم ہو گیا ؟
مکہ میں کیوں نہیں ہوا، مسجد الحرام میں کیوں نہیں ہوا، کعبہ میں کیوں نہیں ہوا،
منیٰ میں کیوں ہوا ——— ؟

اس راز کو سمجھنے کی ضرورت ہے، تمھیں چاہیئے کہ حج کے تمام رازوں کو سمجھو، جو کچھ تم نے انجام دیا ہے اس کے بارے میں سوچو،
تنہائی کے غور و فکر میں نہیں،
بھیڑ میں، ہجوم خلائق میں۔

اس سے ہٹ کر، حج کا تکیہ ہجوم پر ہے۔ یہ جگہ خدا، ابراہیمؑ، محمدؐ اور لوگوں کی وعدہ گاہ ہے،

ان لوگوں کی وعدہ گاہ کہ جو زمین کے ہر کونے سے یہاں آئے ہیں، مختلف رنگوں کے ساتھ، مختلف قومیتوں کے ساتھ، مختلف زبانوں کے ساتھ، اور مختلف ملکوں اور مختلف نظاموں سے رابطہ کے ساتھ۔

لیکن سب کا کلچر ایک، سب کا ایمان ایک، سب کی تاریخ ایک، سب کی آرزو ایک اور سب کا عشق ایک !

ہر گروہ کسی نہ کسی قوم کا ایک فطری اور آزاد نمائندہ جس کا سرکار سے کوئی تعلق نہیں، اس کا بھیجا ہوا نہیں، پرخلوص لوگوں کے اندر سے، عام لوگوں سے، مدرسہ اور مزرعہ سے ..... نہ اس میں طبقہ کی قید، نہ مشغلہ کی قید، نہ شخصیت کی قید، نہ علم کی قید اور نہ مال و دولت کی قید۔

اس میں مستطیع ہونا شرط ہے، یعنی حج کی توانائی کی قید ہے، دولتمند ہونے کی نہیں۔ حج دولت ٹیکس نہیں، فرض ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح

نماز، اور اس کی استطاعت، شرطِ عقل ہے۔ چونکہ استطاعت ہر فرض کی انجام دہی کے ساتھ ہے!

یہاں تمام قوموں کے سچّے نمائندے جمع ہیں، اپنے سے مخصوص دُکھوں اور سب کے مشترک دردوں کے ساتھ۔

عید کے بعد دو۲ دن وقوف

آئیڈیالوجی کے لیے ایک نشست
اور عمل کے لیے ایک نشست

آج دسویں ذی الحجہ، عید قربان کے دن، حج اختتام پذیر ہوا، لیکن کل، گیارہویں اور پرسوں، بارہویں کو بھی تمھیں حتمی طور پر یہاں رہنا ہے۔

تیرہویں کو بھی منیٰ میں رہ سکتے ہو، تمھیں اس معاملے میں اختیار ہے۔ ان تین دنوں میں منیٰ سے باہر جانا منع ہے! یہاں تک کہ طوافِ کعبہ کے لیے تمھیں حق نہیں کہ تم رات کو باہر نکلو!

مگر کیوں ــــــــ؟ رمی ختم ہو گئی، قربانی کا عمل ختم ہو گیا، ہم سب احرام سے باہر نکل آئے ہیں، جشن بھی منا لیا ہے، احرام کی تمام حرمتوں کی پابندی ختم ہو گئی ہے۔

پھر کیوں ایک ملین آدمی، تین دن تک اس خشک درہ میں، شہر کے دروازے کے عقب میں پڑے رہیں؟

تاکہ .... ہم سب بیٹھیں اور حج کے بارے میں فکر کو مہمیز کریں۔
جو کچھ ہم نے کیا ہے اسے سامنے لائیں اور اس پر غور کریں۔

اپنے ہم فکروں، ہمدردوں اور پوری دنیا سے آنے والے ساتھیوں کے ساتھ کہ جو ایک جذبہ اور ایک ایمان کی گرمی سے گرمئ حیات حاصل کر رہے ہیں، بیٹھ کر اپنی تکلیفوں، اپنی ضرورتوں، اپنی دشواریوں اور اپنی آرزوؤں کو ایک دوسرے کے سامنے بیان کریں۔ اور مسلمان ملکوں سے آئے ہوئے دانشمندوں، فرض شناس روشن خیال لوگوں اور ان مسلمان مجاہدوں کو پہچانیں کہ جو اپنی اپنی سرزمینوں میں، استعمار، استثمار (استعمار ہی کی ایک قسم) ظلم و ستم، فقر و جہل، خرافات، نفاق اور تباہی و بربادی کے عمل سے برسرپیکار ہیں اور ان کے ساتھ بیٹھ کر گفتگو کریں، ایک دوسرے سے مدد چاہیں۔ دنیا بھر کے مسلمان، اسلامی دنیا اور اسلام کو اپنے عہد میں پرکھیں اور دنیا کے بڑے بلاکوں اور اندرون ملک ان کے ایجنٹوں کی سازشوں، ان کی دشمنیوں اور ممکنہ خطرات کو ایک دوسرے سے بیان کریں اور ان کے لیے کوئی حل تلاش کریں، اور تفرقہ انگنی، اندھے تعصبات، گمراہ کن تبلیغاتی موجوں، جہل پرور ہرزہ سرائیوں، فضا کو مکدّر کرنے والی کینہ پروریوں، فرقہ وارانہ عصبیتوں، بدعت سازیوں، بے راہ رویوں، مذہب تراشیوں، تہذیب کا گلا گھونٹنے والوں اور ان سیکڑوں رنگارنگ بیماریوں کے خلاف کہ جو "امت" کے لیے خطرہ بنی ہوئی ہیں ایک عالمی مشترکہ جنگ کا منصوبہ بنائیں۔ اسلامی اھداف اور عظیم انسانی آرزوؤں کی تکمیل، زیرِ تسلط قوموں کی آزادی، سختیوں میں گھری ہوئی ان مسلمان اقلیتوں کی دستگیری کہ جو فاشی اور دیگر متعصب سیاسی اور مذہبی حکومتوں کے زیرِ اثر ہیں، دشمن کے مقابل ایک مفاہمانہ اور ہم آہنگانہ جذبہ کی تشکیل، ایک دوسرے کے ساتھ فکری اور عاطفی ارتباط اور مشترکہ دشمن کے مقابل اپنی صفوں میں اتحاد و استحکام، نیز اسلامی مذاہب کے علمی، فکری اور فقہی اختلافی مسائل پر گفتگو اور اختلافات کو کم کرنے کی کوشش، ایک دوسرے

کے درمیان فاصلوں کو کم کرنے اور ایک دوسرے کو صحیح طور پر سمجھنے کی جد وجہد اور بحث و گفت گو کے ذریعے مختلف نظریات کے آزادانہ جائزے اور آرا و عقائد کے ٹکراؤ کی روشنی میں حقیقت کی جستجو اور ابتدائی اسلام کے سرچشمے کو پانے کی راہ میں —— مکہ کی دیوار کے پشت پر منیٰ میں دنیا کے ایک ملین مسلمان نمائندوں کا تین دن لازمی توقف :

اور وہ بھی ایک ایسے کوہستانی درّہ میں کہ جہاں نہ دیکھنے کے لیے کوئی چیز ہے اور نہ کرنے کے لیے کوئی کام ، نہ خریداری کے لیے بازار ہے اور نہ گھومنے کے لیے گردش گاہ ، حتیٰ کہ زندگی کے لیے کوئی آبادی بھی ڈھونڈیئے تو نہیں !

یہاں گھر یا عمارت کی تعمیر بہ فرمانِ پیغمبرؐ ممنوع ہے۔ [1]

ان لمحوں میں جب کہ حج نے سب کو انفرادی زندگی کی بندشوں سے آزاد کر دیا اور ابراہیمؑ کی طاقتور روح نے ان لوگوں سے خوف وہوس دکمزوریوں کو دھو دیا کہ جنھوں نے اس کے کردار کو کما حقہٗ ادا کیا اور ان کے اندر اعتقادی فرض شناسی اور ایثار علی النفس یا بالفاظِ دیگر نفس کُشی کی طاقت کو ابھارا ،

اس موقع پر کہ جب حج کے اختتام نے دلوں کو توفیق سے لبریز کر دیا ہے اور احرام ، میقات ، طواف ، سعی ، عرفات ، مشعر ، منیٰ ، رمی ، قربانی اور عید نے دلوں میں ایمان و عشق کی آگ کو فروزاں کیا ہے اور ہر کسی کو —— کہ جو زندگی میں ٹوٹ پھوٹ گیا ہے اور سیکڑوں ضرورتوں ، دغدغوں اور مصروفیتوں کے دانتوں اور پنجوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے —— سرتا پا اخلاص اور مکمل ایمان بنا دیا ہے !

---

[1] لابناء فی المنیٰ

ایک ایسی زمین پر،
ایک ایسے زمانے میں،
دنیا بھر کے ایک ملین سے زیادہ مسلمانوں کے لیے یہ بات مناسب نہیں کہ وہ —— ایک ساتھ بیٹھ کر ایک دوسرے کے مسائل کے بارے میں سوچے بغیر —— حج کو اختتام تک پہنچائیں اور زمین پر پھیل کر اپنی انفرادی اور قومی زندگی کے خول میں چلے جائیں۔

اس لیے کہ حج میقات سے منیٰ تک ساتھ آنے کا نام ہے۔ عرفات، مشعر اور منیٰ کی یہ تین منزلیں ہمیشہ باقی ہیں لیکن حج ہمیشہ نہیں، سوائے ان دلوں کے۔ سال کے دوسرے دنوں میں تمھاری آمد بے سود ہے۔ یہاں جو اس وقت خدا کی شان نظر آرہی ہے کل جب سب لوگ چلے جائیں گے تو یہاں کی زمین بھی کہ جس کی صفت یہ ہے کہ یہاں نہ پانی ہے اور نہ آبادی دوسری زمینوں کی طرح اُجاڑ ہو جائے گی۔

تمھیں یہاں یہ سکھانے کے لیے لایا گیا ہے کہ ہجومِ خلائق سے دور، بہشت کی تمنا، ایک بدصورت خودخواہی کا فریب ہے، ایک "ادھار مادیت" ہے کہ جو "نقد مادیت" سے بدتر ہے، اس لالچی کی سوداگرانہ روح ہے کہ جس نے اپنی ہوس رانی اور شکم پروری کو موت کے بعد پر منتہی کر رکھا ہے۔ ایک احمق "بورجوار" (BOURGESIS) یا سرمایہ دار کہ جس نے نقد کو چھوڑ کر ادھار پر تکیہ کیا ہے۔

زاھد بھی ایک مادی آدمی کی طرح خودپرست ہے۔ مادی آدمی ٹیکنیک کو وسیلہ بناتا ہے اور زاھد مذہب کو۔ مادی آدمی سائنس کو اپنی مسرت کا ذریعہ بناتا ہے اور زاھد خدا کو۔ یہ دونوں اپنی اپنی بہشت کے طالب ہیں۔ وہ اِس دنیا میں اور یہ دوسری دنیا میں!

لیکن ابراہیمؑ اور محمدؐ کا اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ "اللہ" اس طرح کے "خود پرست مقدس آدمی" سے بیزار ہے۔ اگر ایک دن بھی، کوئی مخلوقِ خدا سے غافل ہو جائے اور وہ دن اختتام کو پہنچے اور صرف یہی نہیں کہ وہ اپنے معاشرے کے بارے میں نہ سوچے بلکہ "کوشش" سے دریغ کرے تو نہ صرف یہ کہ وہ گنہگار ہے بلکہ مسلمان بھی نہیں ہے! [1]

تم نے حج مکمل کر لیا، اپنے اسمٰعیل کی قربانی کے ذریعے تم نے ابراہیمی رفعت تک بلندی حاصل کر لی،

لیکن یہ اختتامِ کار نہیں، آغاز ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ تم "اپنی خدمت" سے "خلق کی خدمت" تک پہنچو۔

اسی لیے کہا گیا ہے کہ "موسم" میں آؤ تاکہ ہجومِ خلائق کے ساتھ تمھارا ساتھ رہے، کیونکہ تنہائی میں تمھیں حرم میں راہ نہیں ملے گی۔

اور اب حج کے اختتام پر یہ سب ابراہیمی صفت لوگ ابلیس کے آخری اڈہ کو تباہ کرنے، اپنے عزیز ترین خود پرستی کے رشتے کو منقطع کرنے اور اجتماعی کامیابی حاصل کرنے کے بعد؛ اے وہ تمام لوگ کہ جو اپنے آپ کو منیٰ میں پہنچانے کے قابل ہوئے ہو،

قبل اس کے کہ تم لوگ بکھر جاؤ، حتیٰ قبل ازیں کہ تم "خانۂ خدا" جاؤ اپنی دو ابراہیمی ذمہ داریوں کو ان دو دنوں میں پورا کرو:

(۱) —— مجموعی طور پر ایک آزاد علمی اور فکری سیمینار۔

(۲) —— ایک عظیم عالمی اور اجتماعی کانفرنس۔

---

[1] من اصبح ولم یہتم بامور المسلمین فلیس بمسلم "پیغمبرؐ"

یہ دو دن اس بات کے لیے مخصوص ہیں کہ ہم نے حج سے کیا نتیجہ اخذ کیا۔ ایک کانفرنس، بند ہال میں نہیں، ایک کھلی کوہستانی وادی میں ــــ! ایک پستہ قد چھت کے نیچے نہیں بلکہ بلند آسمان کے نیچے، بے در، بے دیوار، بے قید، بے بندش اور بلا رسومات ......

ایک کانفرنس، سربراہانِ مملکت کی نہیں، سرکاری نمائندوں کی نہیں، ماہر سیاستدانوں کی نہیں، سیاسی رہنماؤں کی نہیں، سیکریٹری جنرلوں کی نہیں، پارلیمنٹ کے ممبران کی نہیں، سینٹ کے سینیٹرز کی نہیں، کیبنٹ کے وزرار کی نہیں، یونیورسٹی کے اساتذہ کی نہیں، علمار دین کی نہیں، ممتاز روشن خیال لوگوں کی نہیں، اقتصادی امور کے ماہرین کی نہیں، عظیم سماجی شخصیتوں کی نہیں، معتبر افراد کی نہیں .... بلکہ

"لوگوں کی اپنی" کانفرنس!

"وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔"! ہاں "لوگوں کی اپنی"!

بقول "امہ سیزر":

"کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ لوگوں کا قیّم (سرپرست) بنے اور لوگوں کی طرف سے ان کا نمائندہ بن کر بات کرے!"

اور "شاندل" کے قول کے مطابق:

"جہاں پر کہ لوگ خود موجود نہ ہوں ان کی طرف سے بات کرنا جھوٹ ہے اور بڑی بے شرمی کی ضرورت ہے! اس لیے کہ صرف خدا کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خلق کے بارے میں فیصلہ کرے اور صرف خلق کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ زمین پر "خدا کا جانشین" ہو"!

یہی وجہ ہے کہ

"منیٰ کانفرنس" میں جسے خدا منعقد کرتا ہے، لوگ بلاواسطہ شریک ہیں

اس کانفرنس میں ہر سال خدا، موسمِ حج میں دنیا کے تمام لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اسمٰعیلؑ کی قتل گاہ عقبہ کے محاذ سے لوٹتے ہوئے اس کانفرنس میں شرکت کریں اور خدا کے سامنے ابراہیمؑ سے تجدیدِ عہد کریں اور زمین پر "نظامِ توحید" اور استقرارِ ایمان کے لیے نیز زمانے کے بُتوں کو توڑنے اور دنیا میں "شہرِ حرام" کے قیام کے لیے ایک دوسرے سے معاہدہ کریں، اور تاریخ بشر میں اس ابراہیمیؑ رسالت کے خاتمؐ، جناب محمد مصطفیٰؐ کے پیرو کاروں کے عنوان سے کہ جس نے پیغمبروں کی رسالت کے سلسلے کو، آگاہ اور فرض شناس روشن خیال لوگوں کے دوش پر ڈالا ہے "امتِ شہید" کی رسالت کی بنیاد کو "توحید" کے ڈھانچہ پر اور "حکمت" "امامت" اور "قسط" (عدالت) کی ذمہ داری کے ساتھ اس مقام پر، خلق و خدا کی وعدہ گاہ پر، اس جہاد و شہادت و عشق کی سرزمین پر استوار کرنے کا عہد کریں اور ایک "امت" بن کر "خوبصورتیوں" کی طرف بلانے اور "بدصورتیوں" کے خلاف جنگ کا عزم کریں۔

اور "کتاب و اسلحہ" کے پیغمبر کی دعوت پر دشمن کے مقابل سخت ترین محاذ قائم کرنے اور اپنوں کے ساتھ مہربانی برتنے کے لیے دوست اور دشمن کی تشخیص کریں۔

یہ منیٰ کی آزاد کانفرنس ہے کہ جس میں ہر سال دنیا کے تمام مسلمان خاک و خون کی بند سرحدوں اور اپنے سیاسی حصاروں کے بستہ نظام سے، "لوگوں کے رب"، "لوگوں کے ملک" اور "لوگوں کے الہٰ" کی دعوت پر

باہر نکل آتے ہیں تاکہ اس کھلے کوہستان میں آسمان کی چھت کے نیچے ایک دوسرے کے ساتھ آزادی سے سوچیں، گفتگو کریں، مسائل کو پیش کریں، اس کی چارہ جوئی کریں اور اپنے تمام ہم خیال ساتھیوں سے اس سلسلے میں مدد کے طالب ہوں ——— !

اور ...... ایک علمی اور فکری نشست قائم کریں، لیکن اکیڈمیوں کے آمفی تھیٹروں (AMPHITHEATRE) میں نہیں، یونیورسٹی کی علمی محفل میں نہیں، علماء اور ماہرین کی مخصوص چہار دیواریوں میں نہیں! ایک چند روزہ سمینار، ایک فکری آئیڈیالوجیکل سمینار اور اس میں ہر کسی کو بولنے اور اپنے خیالات کو پیش کرنے کا حق ہے۔ وہ عام آدمی ہو کہ خاص، یونیورسٹی کا استاد ہو یا کارخانے کا مزدور، ایک جلیل القدر عالم ہو یا گمنام و بے فخر دہقان۔ یہاں آنے والا ہر شخص بولنے اور اپنے نظریات کو پیش کرنے میں آزاد ہے۔

یہاں تمام علامتیں، تمام درجے، تمام رنگ اور تمام فاصلے میقات میں ہیچ ہیں۔

یہاں سب ایک وجود ہیں : انسان !
اور ایک صفت کے حامل : حاجی !

اور بس !

انسان میں، ابراہیمؑ سے بالاتر ہونا کوئی مقام نہیں،
اور یہاں ہر کوئی ابراہیمؑ کے کردار میں ظاہر ہوا ہے،

اب حج کے اختتام پر بکھر نہ جاؤ، اپنے اپنے ملک، اپنے اپنے شہر اور اپنے اپنے گھروں کو نہ لوٹو، عید قربان کے بعد تمہیں دو دن اور یہاں رہنا ہے۔ بیٹھے رہو، ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے رہو، ایک دوسرے

کے ساتھ سوچو اور اس سوال کا ہمیشہ اور ہر جگہ جواب دو کہ :

معاشرہ میں

" ہمیں کیا کردار ادا کرنا ہے ؟ "

اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آپس میں مل بیٹھ کر سوچو کہ تم نے حج میں،

" کیا ، کیا ہے ——— ؟ "

ایک کلی جائزہ

آئیے نتیجہ نکالنے بیٹھیں ، ہمیں سمجھنا ہے کہ ہم نے جو کچھ کیا وہ کیا تھا ، ان سب باتوں کا مقصد کیا تھا ؟ یہ سارے راز کیا ہیں ؟

تصوف ——— عرفات اور مشعر سے گزرے بغیر ——— منیٰ سے شروع کرتا اور منیٰ میں رہ جاتا ہے ۔ فلسفہ ، مشعر تک پہنچتا ہے اور منیٰ تک نہیں آتا۔ تمدن ، بغیر مشعر و منیٰ ، عرفات میں ساکن ہے ، اور اسلام عرفات سے شروع کرتا، مشعر سے گزرتا ہے حملہ آورانہ اور فرض شناسانہ صورت میں ، اور پھر منیٰ میں پہنچتا ہے ، عشق کی وادی میں ، کمال مطلوب اور منتہائے آرزو کے مرحلہ میں !

اس منیٰ میں کہ جو سرزمینِ عشق ہے کتنی عجیب بات ہے کہ یہاں خدا بھی ہے اور ابلیس بھی !

یہاں تمھارے بارے میں ، تمھاری سرگزشت کے بارے میں گفتگو ہے، دنیا کے بارے میں نہیں ۔ اس لیے کہ دنیا میں ، صرف خدا ہے ، توحید ! یہاں انسان کی گفتگو ہے کہ جس میں خدا اور ابلیس دونوں کا گھر ہے ۔ ثنویت' انسان میں ہے ، فطرت میں نہیں اور منیٰ تمھارے ایمان اور عشق کی سرزمین ہے ،

تمھاری سرنوشت ہے ، وہاں جہاں خدا اور ابلیس تمھارے اسمٰعیل کی بنیاد پر لڑتے ہیں ! منیٰ تمھاری آرزوؤں کی سرزمین ہے۔

کیا یہ تعجب کا مقام نہیں کہ فتح و کامیابی کے دن "لہو کی عید" اور "فرزند کی ولادت کے جشن" کے بجائے "فرزند کی شہادت" کا جشن !

"عید قُربان" !

اس قوم کو دیکھو اور اس کی رسومات ، تاریخ اور افتخارات کا مشاہدہ کرو ——— !

یہ خاک و خون والی ملّت نہیں بلکہ عقیدہ و جہاد کی ملت ہے !

امتِ توحید ہے !

وہ بندگانِ خدا کہ جنھوں نے انسان کی آزادی کے پیام کو ——— آدم سے آخری زمانے تک ——— اپنے دوش پر اٹھا رکھا ہے اور جنگ برائے آزادی کے دائرہ کو اپنی فطرت کی گہرائی تک وسعت دی ہے ! اور "میدان جہاد" کو "بدر" سے "منیٰ" تک کھینچ لائے ہیں۔ وہ بندے کہ جنھوں نے "آزادی" کے مفہوم کو اس بلندی تک سمجھا ہے ! آزاد ہونا فرعون سے نہیں بلکہ اسمٰعیل سے بھی ! صرف دشمن سے نہیں ، اپنے سے بھی !

عید کے بعد ، رمی !

پہلے دن پہلے حملہ میں تم نے آخری بت پر چڑھائی کی اور پھر اپنے اسمٰعیل کی قتل گاہ کی سمت راستے کو کھولا۔

احرام سے باہر آئے ، فاتح بن کر ، جشن منایا ، مسرتوں کے ساتھ !

اور اب دوسرا دن ہے، تمھیں رمی کرنا ہے، لیکن تینوں بتوں کی رمی ـــــــ!

اس بار اس کی ترتیب یہ ہوگی:

شروع میں پہلی منزل پر واقع ہونے والا بُت، اس کے بعد درمیانی اور آخر میں آخری بُت۔

تیسرے دن بھی رمی کی یہی صورت رہے گی۔

چوتھے دن تمھاری مرضی ہے منیٰ میں رہو یا جاؤ،

اگر رہ گئے تو پھر تمھیں پچھلے دو دنوں کی طرح تینوں کو رمی کرنا ہوگا۔

اگر چلے گئے تو تم پر لازم ہے کہ تم اپنے بچے ہوئے اسلحے کو منیٰ کے محاذ میں مٹی تلے دفن کر دو ـــــــ!

یہ حکم ہے!

عید کے بعد "ایامِ تشریق"[۱] میں رمی جمرات کے لیے ضروری ہے کہ تم منیٰ میں وقوف کرو۔

یعنی کیا؟

دسویں ذی الحجہ کو میں مقامِ قرب ابراہیمؑ تک پہنچا، اسمٰعیلؑ کے ایثار کی قوت کو پایا، ابلیس کے آخری ٹھکانے کو پہلے دن کے پہلے حملے میں تہس نہس کیا، قربانی کی منزل سے گزرا، احرام سے باہر آیا، لڑائی کامیابی سے اختتام کو پہنچی اور میں نے جشن منایا۔ اب فتح منیٰ کے بعد پھر یہ جنگ کیسی؟ دشمن کے آخری ٹھکانے کی تباہی کے بعد پھر رمی کیوں ـــــــ؟

۱؎ اصطلاحاً "عید قربان کے بعد کے تین دنوں کو کہتے ہیں

سبق یہ ہے :

یعنی بے جان ابلیس کے دوبارہ جان میں جان آنے سے ہرگز غافل نہ ہونا ——— !

اس لیے کہ انقلاب کامیابی کے بعد ہمیشہ خطرے میں ہے۔ اسے ہمیشہ انقلاب دشمن عناصر کا خطرہ ہے،

کچلے ہوئے سانپ ——— فتح کی حرارت، جشن کی غفلت اور طاقت کے غرور میں، پھر سے سر اٹھاتے، اور رنگ بدلتے ہیں۔

دوستی کا نقاب پہن کر اندر ہی اندر، دھماکے سے اڑا دیتے ہیں۔

انقلاب کی تمام کامیابیوں کے غاصب، مجاہدوں کے میراث خوار اور شہیدوں کے تعزیہ خواں بن جاتے ہیں۔

تمھاری کامیابی تمھیں آسودہ نہ کردے، جب منیٰ کی زمام تھامی ہے تو اسلحہ کو بھی ہاتھ سے نہ چھوڑو، اس لیے کہ ابلیس کو اگر دروازے سے بھگاؤ گے تو وہ کھڑکی سے آجائے گا۔ باہر کوٹو گے تو اندر سے سر نکالے گا، جنگ میں ناتوان کر دو گے تو صلح میں توان گر ہو جائے گا، منیٰ میں نابود کرو گے تو وہ تمھیں "منیت" میں نابود کردے گا......،

اور میں کیا کہہ رہا ہوں ——— ؟

"وسواس" کے ہزاروں نقاب ہیں، "کفر" کے سیاہ جامہ میں اسے عریاں کرو گے تو وہ دین کی سبز ردا اوڑھ لے گا، "شرک" کے چہرے میں اسے رُسوا کرو گے تو وہ "توحید" کا نقاب چہرے پر چڑھالے گا، بُت خانے کو اس کے سر پر توڑو گے تو وہ محراب میں گھر کرے گا، بدر میں اس کا خون بہاؤ گے تو وہ کربلا میں انتقام لے گا، مدینہ کی خندق میں تلوار کھائے گا تو کوفہ کی مسجد میں اس کا

جواب دے گا، احد میں ہبل کے بُت کو اس کے ہاتھ سے چھینو گے تو صفین میں قرآنِ الٰہی کو ہاتھ میں لے گا۔

اور تم کتنے بے فکر و روشن خیال اور سادہ لوح سپاہی ہو گے اگر تم نے یہ سوچ لیا کہ دسویں ذی الحجہ کو دشمن کا ٹھکانہ تہس نہس کر کے اور "عقبہ" کے میدان میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اب قصہ تمام ہو گیا ہے اور تم نے سپاہیانہ لباس تن سے اُتار کر صلح کا لباس پہن لیا، عطر لگایا، اپنے آپ کو سنوارا، جشن منایا اور سمجھ گئے کہ جنگ ختم ہو گئی اور جہاد اختتام کو پہنچا، خطرہ جڑ سے ختم ہو گیا اور اب تم سیدھے منیٰ کو چھوڑ کر "خانۂ خدا" جا سکتے ہو اور وہاں جا کر زیارت و عبادت میں "سرگرمِ عمل" ہو سکتے ہو یا پھر فاتحانہ طور پر "اپنے گھر" لوٹ سکتے ہو اور اپنی زندگی کے کام دھندوں میں مصروف عمل ہو سکتے ہو....!"

اے "ابراہیمی مجاہد!" یہ نہ بھولو کہ دسویں ذی الحجہ "عید قربان" ہے، "عید فتح"، نہیں! ذبحِ اسمٰعیلؑ حج کا اختتام نہیں حج کا آغاز ہے، توحید کے سپاہی عشق کی سرزمین پر پہنچے ہیں اور سپاہِ توحید کے ارادوں نے ابلیس کی مزاحمت کے اڈے کو تہس نہس کیا ہے اور منیٰ پر چھا گئے ہیں۔ لیکن ابراہیمی انقلاب کی کامیابی کے بعد، اے توحید کے مجاہدو! اپنے اسلحوں کو ہاتھ سے رکھ کر فاتحانہ جگالی میں نہ لگ جاؤ، شکست خوردہ دشمن کی احیار کا خطرہ اسی طرح باقی ہے۔ ابلیس کے تین اڈے تباہ و برباد ہو گئے لیکن ابھی اسی طرح قائم ہیں۔ منیٰ کی زمین میں ان کی جڑیں ابھی باقی ہیں۔ فتح اور عیدِ قربان کے بعد تمھارے لیے ضروری ہے کہ تم اپنے دلاورانہ جذبہ اور جہاد و چوکسی کی حالت کو برقرار رکھو، تمھیں چاہیئے کہ تم بڑی ہوشیاری اور انتہائی بیداری کے ساتھ ان تمام سپاہیوں کی رفاقت و ہمراہی میں کہ جو مشعر سے حملہ آور ہیں اور منیٰ پر ان کا قبضہ ہے ایک منظم، تدوین شدہ

پروگرام کے مطابق، ایک تعین شدہ دور کے ساتھ ابلیس کے اڈوں کو مسلسل اور منظم طور پر مارو اور انھیں اپنی گولیوں کی بوچھاڑ میں لیے رہو یہاں تک کہ اس کی جڑ کٹ جائے، انقلاب ابھی خطرے میں ہے، کامیابی سے ہمکنار ہونے والا، انقلاب بھی خطرے میں ہے!

اپنی عظیم ترین فتح پر غرور میں مبتلا نہ ہونا!

اس لیے کہ ابراہیم ہونے کے بعد بھی خطرہ تم سے ٹلا نہیں!

اپنے اسمٰعیل کو ذبح کرنے کے بعد بھی تم خطرے میں ہو!

اس لیے کہ ابلیس تمھارا "ہفت رنگی" اور "ہفتاد دامی" دشمن ہے!

کل اُسنے اسماعیل کی زندگی کو تمھیں دھوکہ دینے کے لیے بہانہ بنایا تھا!

آج وہ اسماعیل کے ذبح کو تمھارے غرور کا ذریعہ بنا سکتا ہے!

پس لازم ہے کہ تم مسلسل "رمی جمرات" میں رہو،

جب تک تم منیٰ کی سرزمین میں ہو ان تینوں کو کوٹتے رہو!

اس لیے کہ منیٰ تمھارے "ایمان" تمھارے "عشق" تمھاری تمام آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز، تمھاری کامیابیوں کا محاذ، تمھاری عظمت و بلندی کا مینار اور تمھاری ہجرت کی آخری منزل ہے،

تمھارا حج ہے، تمھارے کمال کی بلند ترین چوٹی ہے، تمھاری "زندگی کا آئیڈل اور تمھاری آئیڈل زندگی ہے"......

اور توحید کی راہ پر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ تمھارے تین ہولناک ترین دشمنوں کا ٹھکانا ہو، شرک کے تین طاغوت تمھاری گھات میں بیٹھے ہوں!

تم نے منیٰ میں رسائی حاصل کی ہے، پس تم ہمیشہ منیٰ میں ہو، اور میں کیا کہہ رہا ہوں ــــــ؟ منیٰ نیز ہمیشہ تم میں ہے،

منیٰ ہمیشہ خطرے میں ہے اور طاغوت ہمیشہ طاغی باغی، اس لیے عید قربان کے بعد بھی رمی کرو، جب تک تم منیٰ میں ہو ہر روز تینوں کو سرکوب کرو۔

یعنی اپنی پوری زندگی "جہاد" میں گزارو۔

یعنی، صرف ایک مرتبہ کا جہاد مختصر سی راہ کو طے کرکے تمھیں حکومت تک نہیں پہنچاتا،

یعنی، صرف ایک مرتبہ کا جہاد، حصولِ قوت کا ذریعہ نہیں،

یعنی، دشمن پر تمھارے غلبے سے جہاد، ختم نہیں ہو جاتا،

یعنیٰ، "عیدِ قربان" مناؤ مگر "عیدِ فتح" نہ مناؤ،

یعنی، احرام کو اپنے تن سے اتارو مگر "جمرات" کو ہاتھوں میں تھامے رہو،

یعنی، کامیابی، "ایک دن میں" تمھیں حاصل ہوگی، لیکن اگر تم نے اپنے آپ کو کامیاب سمجھا تو وہ ایکبارگی تمھارے ہاتھ سے جاتی رہے گی۔

یعنی، دشمن پر کامیابی کے لیے: صرف "ایک رمی" اور اس کی ہستی کو ختم کرنے کے لیے، "سات رمی"

دشمن کے اڈے کی تباہی "سات ضربوں" سے اور اس سے مکمل گلوخلاصی "ستر ضربوں" سے،

یعنی جو اسلحہ تم نے مشعر میں جمع کیا ہے اسے بانٹ دو۔ کتنی گولیاں ہیں؟ ستر! تعجب کی بات ہے! پھر سات، ستر:

آخری بُت پر پہلے دن ایک حملہ، اس کے بعد آنے والے تین دنوں میں تین حملے، ترتیب وار تینوں بتوں میں سے ہر بت کے لیے سات "جمرے" مجموعاً ستر جمرے۔ "دس حملوں" میں تعداد ختم۔ لیکن آخر کے تین حملے آخری دن

سے مخصوص ہیں، تیرہویں ذی الحجہ، "وقوف" کا چوتھا دن۔ اس کامیابی کے بعد جو تم نے پہلے دن (ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو) حاصل کی تھی تمہیں دو دن اور یہاں رہنا ہے اور لڑنا ہے، فتح کے بعد جنگ کو جاری رکھنا ہے اور ترتیب کے ساتھ تینوں اڈوں کو اپنے نشانے کی زد پر لانا ہے۔

چوتھے دن کا انتخاب تمھارے ہاتھ میں ہے، اگر منیٰ میں تمھارا کام ختم نہیں ہوا ہے، اگر ابھی تمھیں خطرے کا احساس ہے تو رہ سکتے ہو، اگر رہ گئے تو لڑنا ضروری ہوگا، بالکل پہلے کے دو دنوں کی طرح، تین حملے، ترتیب وار تینوں اڈوں پر، اور اسی بنا پر جنگ کے لیے ضروری ہے کہ تم "مشعر" سے "ستر گولیاں" اپنے ساتھ لاؤ، اور جس بات کا حکم ہے اور جو ناگزیر ہے وہ یہ ہے کہ تم "سات بار" تینوں اڈوں پر حملہ کرو، اور اسی لیے ضروری ہے کہ تم نے جو اسلحہ ذخیرہ کیا ہے اس کے حصے بناؤ، ۱/۷ حصے کو کامیابی کے حصول کے لیے اور ۶/۷ کو کامیابی کے بعد جنگ کو جاری رکھنے کے لیے کام میں لاؤ تاکہ تمھارا حشر بھی دوسری تمام تحریکوں اور دوسرے تمام انقلابوں کی طرح نہ ہو۔ اور اسلام کی تاریخ بھی پچھلی تاریخوں کی طرح نہ ہوجائے اور تم فتح مکّہ کے بعد "ابوسفیان کے گھٹنے ٹیکنے" کو "ابوسفیان کے اسلام" پر محمول نہ کرو اور "۲۳ سالہ جہاد" میں "رسالت" کی کامیابی، بیرونی محاذ میں شرک کے زوال، بت کے چہرے میں اشرافیت کی شکست اور قریش کے وجود میں پرورش پانے والی جاہلیت پر غلبے کے بعد ضروری ہے کہ زر، زور اور تذویر کے تین مرکزوں کو بھی ۔۔۔ کہ جو بدر و احد و فتح مکہ میں ساقط ہو گئے تھے ۔۔۔ امامت کے دو سو کچھ سالوں میں، استمرارِ جہاد اور رمی جمرات کی برقراری کے ساتھ اور عقبہ کے اڈے کی تباہی کے بعد نیست و نابود کر دیا جائے تاکہ شرک توحید کا لباس نہ پہنے، "خندق" کے اُس پار شکست کھانے والا خنّاس، خندق کے اِس پار نہ آجائے،

جاہلیت، اسلام کی وارث نہ بنے کیونکہ اگر تم نے "ثقیفہ" میں کامیابی کا جشن منایا تو جلاد، خلافتِ رسولؐ کے نقاب میں ان سب چیزوں کا جنھیں تم نے عرفات، مشعر اور منیٰ میں حاصل کیا ہے کربلا میں لہو بہا دے گا اور انھیں فرات کی سطحِ آب پر چھوڑ دے گا!

رمی کرو اے "ابراہیمی مجاہد"، کہ جو "مشعر" سے آئے ہو اور۔ ایمان و جہاد کی سرزمین۔ منیٰ میں ہو، ابلیس اپنے تینوں اڈوں پر تمھاری تاک میں ہے، جب تک تم ہو، وہ بھی ہے۔

وحی کا آخری پیغام

حج، اپنے عمل سے اسی پیام کو عملاً دکھاتا ہے جسے قرآن الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ تاکید ہے کہ حج کے دوران قرآن کو بھی ختم کیا جائے۔

گویا اس وقت ہمیں قرآن کے اختتام پر ہونا چاہیے۔ پس اجازت دیں کہ ہم حج کے اختتام پر اس کتاب کے اختتام سے کچھ درس حاصل کریں۔

قرآن کے آخری جملے "ایک خطرے" کی بات کرتے ہیں، اور حج کے آخری اعمال "رمی" کی۔

حج کے آخری مرحلہ میں "تین بتوں کی رمی" کی گفتگو ہے، اور قرآن کے آخری سورہ میں تین قوتوں کی! حج کے اختتام پر پھر وہی "خطرہ"! اور ابراہیمؑ کے پیروکاروں سے خطاب کہ اس خطرے سے ڈرتے رہو، اور قرآن کے اختتام پر پھر وہی "شر"، اور ابراہیمی پیمبرؐ سے خطاب کہ اس "شر" سے ڈرتے رہو۔!

تعجب کا مقام ہے قرآن اختتام کو پہنچا مگر خطرہ ختم نہیں ہوا!

رسالت کامیابی سے اختتام کو پہنچی اور خطرہ ختم نہیں ہوا ، نبوت اختتام کو پہنچی اور خطرہ ختم نہیں ہوا ۔

حیرت کی بات ہے کہ قرآن جن دو سورتوں میں اختتام کو پہنچتا ہے ان دونوں میں "ایک شر سے پناہ" کی بات آئی ہے اور دونوں میں خدا ہے جو ڈرا رہا ہے اور جسے ڈرا رہا ہے وہ بھی تاریخ میں رسالتِ توحید کا خاتم اور ابراہیمؑ کی رسالت کا مکمل کرنے والا ہے ، محمدؐ ہے !

اور حج بھی ان دو دنوں کے وقوف کے بعد اختتام کو پہنچے گا جن میں "رمی" کی گفتگو ہے ۔ اور دونوں میں خدا ہے جو ڈرا رہا ہے اور اس کو ڈرا رہا ہے جو تاریخ میں رسالتِ توحید کا آغاز کنندہ ہے ۔

اور تم اے محمدؐ کے پیروکار ! اے وہ کہ جس نے ابراہیمؑ کی سنت کو "عمل" میں نہیں بلکہ اشاریت میں اختتام کو پہنچایا ہے ، منیٰ کو چھوڑ کر آرام سے کہاں جا رہے ہو ______ ؟

حج کے اختتام پر ، اے "حاجی" ! رک جاؤ کہ ہم قرآن کے اختتام کو پڑھیں اور دیکھیں کہ ہمارے کامیاب نبیؐ کی رسالت ، کس خطرے میں ہے ؟ منیٰ کے میدان کو چھوڑنے اور جمرات کے تین تباہ شدہ اڈوں کو پیچھے چھوڑ کر زندگی کی سمت جانے سے پہلے خدا کے آخری پیغام کو سنیں کہ وہ اپنے دوستؐ کو خلق پر مبعوث انسان کو کس چیز سے ڈرا رہا ہے ؟ [1]

---

[1] میں سمجھتا ہوں کہ ذاتِ ختمی مرتبتؐ کو خطرے کا اعلان کہ تم خدا سے پناہ مانگو ، اور ان "شر"وں کا انھیں دکھانا کہ جو ان کی گھات میں ہیں اور خاص طور پر ان دونوں سورتوں کو قرآن کے اختتام پر رکھنا کہ جو بعثت کے شروع سالوں (باقی اگلے صفحہ پر)

قُلْ : "اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ"

کہو (اے محمدؐ) کہ میں سپیدۂ صبح کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں۔

"مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ"

ہر اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا ہے۔

"وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ"

اور ظلمت کے شر سے جب وہ چھا جائے۔

"وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ"

اور گرہوں پر پھونک مارنے والیوں کے شر سے کہ جو دلوں میں جذبوں میں اور مقاصد میں کھوٹ ڈالتی ہیں۔

(اور آخر میں) "وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ"

اور حسد کرنے والے کے حسد سے جب وہ حسد کرے!

یہاں بات بیرونی دشمن کی ہے جو میری قوم سے، میرے ملک سے اور مجھ سے باہر ہے۔ جو چیز نظر آتی ہے وہ آشکار ہے اور اس کے ساتھ رُو در رُو جنگ ہے۔

تاریکیاں، تباہیاں اور پلیدیاں کہ جو شب کی طرح آگے بڑھ کر منیٰ کی وادی میں سیاہ چادر تان رہی ہیں اب طوفان کی طرح ہر حصّے پر چھاتی جارہی ہیں، انھوں نے منیٰ کی وادی کو اپنے وجود سے لبریز کر دیا ہے۔ ہر حصّے پر ان کا

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) میں نازل ہوئی ہیں ان باتوں کی طرف اشارہ ہے کہ جو ان کے بعد ان کی امت میں رونما ہوئیں اور اشرافیت، شرک اور جاہلی قوانین نے پھر سے اسلام کے شاداب چہرے کو مضمحل کر دیا۔

راج ہے۔ ہر چیز ان سے آلودہ ہو رہی ہے۔ وہ عرفات کی روشنی، مشعر کی روشن بینی اور منیٰ کے ایمان و کمالِ آرزو کو مکدّر کر رہے ہیں۔ انھوں نے ان سب چیزوں پر کیچڑ مل دی ہے اور انھیں محو کر رہے ہیں غرق کر رہے ہیں۔ اس طرح کہ تم منیٰ میں ہو اور تمھیں سجھائی نہیں دیتا کہ تم منیٰ میں ہو، تمھارے وجود میں عشق موجزن ہے مگر معشوق دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ تمھارے اندر ایمان ہے مگر مقصود کو نہیں پا رہے ہو، تم اپنے اسماعیل کو ذبح کر رہے ہو لیکن توحید کی قتل گاہ میں نہیں، طاغوت کے قدموں میں،

"ظلمت" قیامت ڈھا رہی ہے!

رمی کر رہے ہو، مگر ابلیسوں کو نہیں، فرشتوں کو۔ ذبح کر رہے ہو مگر دنبے کو نہیں، انسان کو۔ سعی کر رہے ہو مگر خود سے نہیں، دشمن کی لگام سے۔ طواف جاری ہے مگر اللہ کے مدار پر نہیں، نمرود کے آہنگ پر۔

"ظلم" قیامت ڈھا رہا ہے،

"غَاسِقٍ" "اِذَا" "وَقَبَ"

سازشیں، برملا بھی اور درپردہ بھی۔ سیاسی جادوگر، فسونگرانِ خیال، ساحرانِ دم درود اور ورد خوانانِ فریب، تفرقہ اندازی کر رہے ہیں، دشمنیاں پھیلا رہے ہیں، افواہیں اڑا رہے ہیں، بغض و کینے کے بیج دلوں میں بو رہے ہیں۔ ملے ہوئے ہاتھوں کو ٹکڑوں میں بدل رہے ہیں، تعلقات کو توڑ رہے ہیں، شیرازوں کو بکھیر رہے ہیں، بھائیوں کو دشمن اور دشمنوں کو بھائی بنا رہے ہیں، گانٹھوں میں جادو دَم کر رہے ہیں، تعلقات میں جدائی کی تیغ حائل کر رہے ہیں، ارادوں کو مفلوج کر رہے ہیں، ایمان کو تباہ اور عزم کو پست کر رہے ہیں، عہد و پیمان کو توڑ رہے ہیں، دین کے ایک پیکر کو فرقوں میں بانٹ رہے ہیں، امت واحدہ کے

ایک پیکر کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں اور ہر فرقہ اور ہر ٹکڑے کو "غاسق" کے دانتوں اور پنجوں میں لقمہ بنا کر دے رہے ہیں اس لیے کہ "نفاثہ" افراد "غاسقوں" کے کارکن ہیں اور یہ جادوگر لوگ شب کے پردے میں، شب کے لیے کام کرتے ہیں۔

اور آخر میں، حاسد کی بات آتی ہے مگر اس وقت نہیں جب وہ اپنے حسد کو پیتا ہے اس لیے کہ وہ ایک بیمار ہے اور ایک خود آزار بیماری اسے لگی ہوئی ہے، بلکہ اس وقت جب کہ وہ حسد کو عمل میں لاتا ہے!

اور یہ وہ اجنبی "غاسق" نہیں کہ جو کھل کر زور زبردستی سے اپنے ظلم کو اجاگر کرتا ہے، "نفاثہ" بھی نہیں کہ جو بداندیش "غاسق" کا تنخواہ دار کارکن ہے۔

بلکہ "اپنا" ہے، "دوست" ہے! ہمدرد و ہمنوا ہے، دشمن نہیں ہے، دشمن کا ایجنٹ نہیں ہے، "قاسط" نہیں ہے، "قاسط" کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بھی نہیں ہے۔ یعنی عام متعصب عقل سے کورا مقدس نما "مارق" بھی نہیں ہے بلکہ "ناکث" ہے "پشت سے خنجر گھونپنے والا" ہے جو خیانت کرتا ہے اور خائن نہیں دوست کو مارتا ہے اور دشمن نہیں ہے۔ جو بلا مزدوری اور بلا احسان مندی کے "نفاثہ" افراد کا آلۂ کار اور "غاسق واقب" خیموں کا ستون ہے۔

مارتا ہے مگر اس کے ہاتھ خون سے آلودہ نہیں ہوتے، بُرائی کرتا ہے مگر کوئی اس پر بدگمان نہیں ہوتا، دوست کی راہ میں گڑھا کھودتا ہے لیکن "غرض" سے نہیں "مرض" سے!

بدترین اور علاج ناپذیر ترین بیماری : حسد!

وہ گرہ کہ جو کامیاب انقلابوں کو تہس نہس کر دیتی ہے،

اور مجاہدانِ دلیر کو فخر و مباہات کی بلند ترین چوٹی سے اٹھا کر نیچے پھینک دیتی ہے۔

دوست کو' دوست کے ہاتھوں ، شرعی ذبح کرا دیتی ہے ،
اور دیندار پارسا آدمی کو ، کفر وفسق کا آلۂ قتالہ بنا دیتی ہے ۔
بغیر اس کے کہ اسے خود محسوس ہو یا دوسرے جانیں ــــ !
اور یہی وجہ ہے کہ " غاسق " کے سیاہ خیمے کو منیٰ کی بلندی پر اجاڑا جا سکتا ہے ،
" نفاثوں " کے بِلوں کو ڈھونڈ کر انھیں منیٰ سے بھگایا جا سکتا ہے ۔
لیکن ، " حاسد " کا کیا کِیا جائے ؟ کہ جس نے آپ خود ، غم پالا ہوا ہے جو اپنے آپ سے " غاسق " کا آلۂ کار اور نفاثاتِ غاسق کے ہاتھوں کا کھلونا بنا ہوا ہے ۔
لیکن ہماری طرح " غاسق " کا دشمن ہے اور شاید ہم سے زیادہ غاسق کے نفاثوں کا دشمن ــــــــ !
اور یہی وجہ ہے کہ ان تین " شر " وں کی صف میں آخری صف اس کی ہے ۔

پہلے دن ، اس " منیٰ " میں آخری " جمرہ " کی رمی ، وہ ہے !
اس لیے کہ اندر سے ایمان و امید کی آخری آفت ، وہ ہے ،
اور یہاں پھر تین طاغوتوں کی تثلیث ہے !
جمرۂ اولیٰ : غاسق کو ، تسلطِ شب اور ظلم وظلمت کو ،
جمرۂ وسطیٰ : نافث کو ، اس کے کارکنوں کو : تفرقہ ڈالنے والے فریب کاروں ، اندیشہ واخلاق و آگاہی کے تباہ کرنے والوں ، غاسق کے لیے فکر کی راہیں معین کرنے والوں اور واقب کے دامنِ شب میں خلقِ خدا کو سلانے والوں کو ،
جمرۂ عقبیٰ : حاسد کو ، غاسق کے پانچویں ستون کو ، انجانے طور پر

نافث کے ہاتھ کا کھلونا بننے والے کو، اس دوست کو کہ جو دشمن کی خدمت پر مامور ہے۔

اس ترتیب سے ہم منیٰ کو ان تین طاغوتوں کے ہاتھوں سے چھٹکارا دلا سکتے ہیں۔ لیکن اس سے بھی زیادہ آسان صورت ہو سکتی ہے،

صبح ہونے دو، رک جاؤ کہ صبح کی سفیدی پھوٹے، اور نور کی سفید نہر منیٰ کی وادی میں اُتر پڑے،

جب تیغِ آفتاب غاسق کے خیمے کو چاک کر دے گا تو ظلم وظلمت کے تسلط کو بھی منیٰ سے اُٹھا لے گا، اور غاسق کی پناہ میں پنہاں نفاثوں کو منیٰ کی چٹانوں اور غاروں سے بھگا دے گا اور آخر میں جب رات کی طاقت اور ساحرانِ شب نہیں رہیں گے تو حسد کی گرہیں بھی بندھی اور بے ضرر رہیں گی اور یہ بھی بیمار دوستوں کے دل میں دفن ہو جائے گا۔

اس لیے کہ یہ سب رات کا کرشمہ ہے، یہ تینوں "شر" شب کے سیاہکار ہیں۔ رک جاؤ کہ شب ڈھل جائے، اور صبح کی سفیدی نمودار ہو،

اے صبح کی سفیدی کے خدا!

رب الفلق ——— !

لیکن آخری سورہ میں، زیادہ ہولناک خطرے کی گفتگو ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ منیٰ کو آزاد کرنا دشوار تر ہے!

اور یہی وجہ ہے کہ بقول فخر رازی، اُس سورہ میں، خدا کی صرف ایک صفت پر تکیہ ہے اور یہاں تین صفتوں پر!

آغازِ سخن اور آہنگِ سخن بتا رہا ہے کہ داستان بڑی سنجیدہ، پُر کشاکش اور طولانی ہے۔

اُس سورہ میں خدا، "خداوندِ فلق" کی تعبیر میں آیا ہے اس لیے کہ

گفتگو ان طاقتوں کی ہے جو فلق کی دشمن ہیں، جن کی زندگی تاریکی میں بسر ہوتی ہے۔ ان کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ رات کی سیاہ چادر کو روشنی کی تیغ ادھیڑ دے، "فلق" کے آتے ہی وہ سب مرجائیں گے۔

اور اِس سورہ میں خدا "لوگوں کے رب"، "لوگوں کے مَلِک" اور "لوگوں کے اِلٰہ" کے عنوان سے آیا ہے! یعنی یہاں گفتگو ان طاقتوں کی ہے جو خدا کے مدعی اور عوام کے دشمن ہیں، جو لوگوں کے درمیان ان تین خدائی عناوین کے مدعی ہیں:

قُلْ:
"اَعُوْذُ بِ"
کہو میں پناہ مانگتا ہوں
"رَبِّ النَّاسِ"
لوگوں کے مالک سے
"مَلِكِ النَّاسِ"
لوگوں کے مَلِک سے
"اِلٰهِ النَّاسِ"
لوگوں کے معبود سے

وہاں گفتگو دنیا کی تھی اور سماج کی، اُس تاریکی کی قوت کی تھی کہ جو چھا جاتی ہے، ان لوگوں کی تھی جو درپردہ افکار میں سحر پھونکتے ہیں اور ان خود خواہوں کی تھی کہ جو —— بیماری کے سبب —— بد دیانتی کرتے ہیں۔ گفتگو تین بشر دشمن آفتوں، تین عوام دشمن طاقتوں اور تین تباہی پھیلانے والی قوتوں کی تھی: ظلم وظلمت، فساد وضلالت، اور خود خواہی وخیانت،

اور ان کی قربانی بننے والے : لوگ ، انسانی معاشرہ ، اور اسلامی تحریک ۔

اور یہاں بات اجتماعی نظام کی ہے ، طبقاتی ڈھانچے کی ہے ، گفتگو "لوگوں" اور لوگوں پر حاکم قوتوں کی ہے ، ان حکمرانوں کی ہے کہ جن کے ہاتھوں میں عوام کی تقدیر ہے ۔ ان لوگوں کی ہے کہ جو خدا اور مدعیانِ خدا سے رابطہ میں ہیں ۔ گفتگو لوگوں کے اصلی اور دائمی دشمن کی ہے اور اس کی قربانی بننے والے ، نوعِ بشر اور انسانی معاشرہ نہیں بلکہ "لوگوں" کا ایک طبقہ ہے ۔

یہ جو بُت بنتے ہیں ، طاغوت کی پرستش ہوتی ہے ، بننے والے خدا کے مقام ، خدا کی صفت ، اور خدا کے خصوصی عنوان کے مدعی بنتے ہیں اس کا تعلق صرف لوگوں سے ہے ۔ اور یہ خدا کا ـــــ دنیا سے نہیں ، فطرت سے نہیں ۔ ـــــ لوگوں سے رابطہ ہے کہ جس میں آڑ ڈالی جاتی ہے اور خدا کے بندوں کو بندگی کی طرف کھینچا جاتا ہے اور مجرد اندیش دانشمندوں کے تصور کے برخلاف کہ جو حقائق کو واقعیتوں کے متن میں نہیں بلکہ کتابوں کے متن میں پڑھتے ہیں ـــــ توحید اور شرک دو فلسفی نظریات نہیں ، مدرسوں اور معبدوں کی چار دیواری میں ایک کلامی مشاجرہ یا کلامی بحث نہیں بلکہ انسان کی فطرت کی گہرائی ، لوگوں کی زندگی کی روح ، حرکت ، تضاد اور جنگ و جدال سے بھری تاریخ کے اعماقِ قلب اور وقت کے بہتے ہوئے دھارے پر عوام اور عوام دشمنوں کی طبقاتی جنگ میں ایک زندہ و زایندہ واقعیت ہے اور مجرد اندیش لوگوں کی سوچ کے برخلاف ، شرک ، ایک مذہب ہے ، تاریخ پر حاکم مذہب ۔ ہاں ، لوگوں کی افیم ـــــ ! اور توحید ، تاریخ کا محکوم مذہب ، بنی نوع انسان کا خون ۔ فطرت ، پیغام اور عوام کا اسلحہ ، اور بشریت کا سب سے بڑا ، سب سے عمیق اور سب سے زیادہ پُراسرار المیہ ـــــ کہ جسے ابھی تک حتیٰ روشن خیال

افراد بھی سمجھ نہیں پائے ہیں ـــــــ لوگوں کی آزادی کے واحد ذریعے سے لوگوں کو غلام بنانا، لوگوں کی عزت اور ان کے سرمایۂ حیات سے لوگوں کی موت اور ان کی ذلت کا سامان فراہم کرنا!

مگر کس طرح ـــــــ؟

مذہب کے ذریعے، مذہب کو مسخ کر کے ـــــــ! تاریخ کا بڑا نفاق: "ابلیس، تقدسِ الٰہی کی ردا میں ـــــــ!" "توحید، شرک کی خدمت میں ـــــــ!" شرک؟ "خداوندانِ زمین کے ہاتھوں میں تھما ہوا مذہب، آیاتِ اھرمین ـــــــ!" خنّاس! خنّاس؟ سب سے بڑا شر، لوگوں کا دشمن (ناس کا دشمن)۔

اور یہی وجہ ہے کہ اس سورہ میں ہر جگہ "ناس" کی تکرار ہوئی ہے۔

یہ زمین کے خدا کہ جنھوں نے لوگوں کے درمیان اپنے آپ کو خدائی قوت کا حامل بنایا ہے، کون ہیں؟ اور یہ طاغوت کہ جنھوں نے خدا اور خلقِ خدا کی نافرمانی اور حق سے بغاوت کی ہے، کون ہیں؟

پھر وہی تین طاغوت! تثلیث!

ان تینوں عنوانوں کا غاصب کہ جو اس سورہ میں خدا کے لیے آیا ہے اور جس کا تعلق خاص خدا سے ہے،

توحید، توحیدِ صفات!

اور اس کا نقیض، شرک، شرکِ تثلیث، یہ "جلاد قابیل" ہے کہ جو تین چہروں میں نمودار ہوتا ہے اور لوگوں پر ـــــــ "ہابیل شہید" کے فرزندوں پر ـــــــ حکومت چلاتا ہے۔

قابیل ایک ہے، اور فرعون، قارون اور بلعم باعورا، اس ایک

کے تین جلوے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ یہ تین الگ شخصیتیں اور تین الگ چہرے ہوں۔ لے

اور عجیب بات یہ ہے کہ تاریخ کی تمام تثلیثیں اسی طرح ہیں۔ تمام تثلیثی خدائی مذاہب میں خدا کا ایک "سر" اور تین "صورتیں" ہیں۔

اس لیے کہ شروع میں عالمِ بشریت برادرانہ انداز میں زندگی گزارتا تھا، چونکہ جنگل اور پانی مِلکِ عام تھا، سب فطرت کے آزاد دسترخوان پر یکساں تھے، مالک خدا اور بندے سب برابر تھے، عصرِ صید اور شکار آزاد تھا۔ ہر کوئی درندگی کے پاؤں میں زنجیر ڈالتا تھا، زندگی ساری ہابیلی تھی اور اخلاق بھی ہابیلی! کہ ایسے میں قابیل کاشت کار بن گیا اور کہا: "یہ زمین میری ملکیت ہے" یعنی "تمھاری ملکیت نہیں"

ایک ہے مگر اس کے باوجود تین اور تین ہے مگر اس کے باوجود ایک"!

لے علامہ میبدی نے تفسیر کشف الاسرار میں اس بات کو محسوس کیا ہے کہ یہاں گفتگو "مالکیت، ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت" کی ہے لیکن اس نے "ناس" کے سلسلے میں اس کی توجیہ کو بگاڑ دیا ہے:

وہ کہتا ہے: یہ جو پانچ بار "ناس" کی تکرار ہوئی ہے پہلی بار، اس سے مراد بچے ہیں کہ جن کو سرپرست اور مالک کی ضرورت ہے۔ دوسری بار، نوجوان کہ جن کو قوت اور ملوکیت کی ضرورت ہے۔ تیسری بار بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں مراد ہیں کہ جو اہلِ طاعت و عبادت ہیں (وہی تین قوتیں، تین خدائی مقام، نظامِ شرک میں عوام کے تین خدا، اس کو اپنے سے مخصوص کرلیا ہے، خدائی دعویٰ یعنی یہ) چوتھی بار اولیاء و صلحاء کہ جن کے گمراہ کرنے پر شیطان حریص ہے اور پانچویں بار بدکار و مفسد لوگ!

یگانگت دوگانگت میں بدل گئی اور یگانہ پرستی، دوگانہ پرستی ہو گئی، قابیل نے خدا کی جگہ پکڑی اور اس کے تین چہرے ہو گئے ۔ اور سہ گانہ پرستی، وہی تثلیث ــــــ!

تثلیث، یہ گھناؤنی مثلث وہ ہے کہ جس میں سارے پیغمبر، سارے عدل وانصاف طلب لوگ اور سارے شہداء مدفون ہیں ۔

یہ وہ "مذموم طلسم" ہے کہ جو غلامی کے طوق کی طرح خدا کے بندوں کی گردن میں پڑا ہے اور اس جگت کے خدا کے بندوں کو سماج کے خداؤں کی بندگی میں لے آیا ہے ۔ [1] تین پہلو والا طلسم ! ایک "شرکت" کے تین شریک ! پہلے نے لوگوں کو مصروف رکھا ہوا ہے، دوسرے نے ان کی جیبیں خالی کی ہیں اور تیسرا ـــ ان دونوں کا شریک ــــ عالمانہ وضع قطع میں آسمانی زبان کے ساتھ ان کے کانوں میں زیر لب کہہ رہا ہے :

صبر سے کام لو میرے دینی بھائی، دُنیا کو اس کے اہل پر چھوڑ دو، اپنی بھوک کو اپنے گناہوں کی بخشش کا اثاثہ بناؤ، زندگی کے دوزخ کو آخرت کی جنّت کے بدلے میں جھیل جاؤ، اگر یہ لوگ اس بات کو جان جائیں کہ آخرت میں ان لوگوں کا صلہ کیا ہے کہ جو اس دنیا میں ظلم و غربت پر صبر کرتے ہیں تو وہ تم جیسے آج کے بدنصیب کی کل کی سعادت پر غبطہ کریں گے ۔

"اپنے پیٹ کو غذا سے خالی رکھو میرے بھائی تاکہ تمھیں اپنے اندر معرفت کا نور دکھائی دے" !

"چارۂ کار کچھ نہیں، جو کچھ ہم پر گزرتی ہے اسے پہلے سے تقدیر کے قلم

---

[1] ...... اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ ...... (اعراف ۱۵۷)

نے ہماری پیشانی پر لکھ دیا ہے۔" "السعید سعید فی بطن امہ ، الشقی شقی فی بطن امہ ۔" ہم جو بھی اعتراض کریں گے وہ اس کی مشیت پر اعتراض ہوگا ، وہ دے یا نہ دے ، شاکر رہو۔ ہر چیز کو روزِ حساب پر چھوڑ دو ، ظلم پر صبر اور غربت پر شکر کو اپنا وطیرہ بناؤ اور کچھ نہ کہو تاکہ صابروں کا اجر تمھارے ہاتھ سے نہ جائے ۔ اپنے تن کو بھول جاؤ تاکہ تمھیں کپڑے کی خواہش نہ ہو ! اور یہ نہ بھولو کہ مخلوق پر اعتراض خالق پر اعتراض ہے ۔"حق" اور "عدل" کا حساب ، اللہ کا کام ہے خلق کا نہیں ، کسی کی موت اور کسی کی حیات میں تمھیں کچھ کہنے کا حق نہیں اس لیے کہ احکم الحاکمین خدا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت میں تمھیں یہ دیکھ کر شرمندگی ہو کہ خدائے ارحم الراحمین نے ایک ایسے ظالم کو بخش دیا کہ جسے تم نے دنیا میں نہیں بخشا ! ہر کوئی اپنے عمل کا ذمہ دار ہے ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ؟ ٹھیک ہے ، لیکن اوّلاً : اس کی شرط علم و تقویٰ ہے ، ثانیاً : اس بات کا یقین ہے کہ بات نتیجہ خیز ہوگی ، ثالثاً : اگر اس میں تمھارے لیے ضرر کا احتمال ہو تو تکلیف ساقط ہے ......" [۱]

اور یہ تینوں ایک دوسرے کے ہم دست و ہم داستان ۔ قابیل ، تین نقابوں میں ، تثلیث کے دائمی تین خداؤں کی صورت میں ، اس سے کوئی فرق نہیں

---

[۱] اس کی بہترین مثال ، امام حسینؑ کا عمل ہے کہ جنھوں نے اپنی ایک وصیت میں جو انھوں نے خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر اپنے بھائی محمد حنفیہ کو دی باضابطہ طور پر اعلان کیا کہ : "میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے قیام کر رہا ہوں" اور ہم نے دیکھا کہ اس کام میں ضرر بلکہ خطر تھا اور اس کا کوئی نتیجہ واثر بھی نہیں تھا ! (دیکھا آپ نے "مذہب برخلاف مذہب" "اسلام برخلاف اسلام" اور "تشیع برخلاف تشیع" کس طرح ہے)

پڑتا کہ اس نے کفر کا لباس پہنا ہو یا اسلام کا، شرک کی صورت میں ہو یا توحید کی، وہ ہمیشہ ہر دور میں، ہر جگہ زمین کے پھیلے ہوئے دامن پر ـــــ دین کے نام سے ـــــ خلقِ خدا کی "سرشت" و "سرنوشت" پر حکومت کرتا ہے!

یہ تینوں طاغوت، قابیل کے تین چہرے ہیں۔ مالک قابیل نے اپنے چرواہے بھائی ھابیل کو قتل کیا اور پھر اس کے بن باپ کے بچے، اپنے قاتل چچا کی تولیت اور اس کی سرپرستی میں،

اور اس طرح جلّاد، اپنے شہید کا وارث!

اور عجیب بات یہ ہے کہ سارے ابراہیمی پیغمبر ـــــ توحید و عدالت کے داعی، وارثانِ ہابیل، عصرِ گلہ بانی اور برابری کے انسان ـــــ سب کے سب چوپان تھے ـــــ! [1]

اور اس چوپانی سلسلے کے آخری مبعوث پیغمبرؐ جناب "رسولِ امّی" کی تصریح کے مطابق ـــــ کہ جو خود "قراریط" میں مکہ کے لوگوں کی بکریاں چراتے تھے ـــــ "ما من رسول الا رعی الغنم"!

اور کوئی صاحبِ رسالت ایسا نہیں تھا کہ جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں!"

اور یہ قابیل کی سنت ہے کہ جو اپنے، بھیڑیے، لومڑی اور چوہے پر مشتمل تینوں فرزندوں کے ساتھ ہمیشہ تاریخ کے صفحہ پر اس کوشش میں رہا کہ استبداد سے (یعنی بھیڑیے کی صفت سے) یا استحمار سے (یعنی لومڑی کی

---

[1] جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا: "میں قراریط میں مکہ کے لوگوں کی بکریاں چراتا تھا ... وما من نبی الا رعی الغنم": کوئی پیغمبر ایسا نہیں کہ جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں! (ابن ہشام ج ا ص ۱۱۷)

صفت "چالاکی" سے) یا پھر استثمار سے (یعنی چوہے کی صفت سے "چوری چوری")
فرزندانِ ہابیل ـــــ عوام ـــــ کو "بینڈھا" بنائے!

اور اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دور میں ہر متمدن شہر میں کہ جو علم و فرہنگ اور دینی معبدوں کا مرکز رہا ہے بجائے کسی فلسفی، کسی عالم، کسی حکیم اور کسی زعیم کے ایک "اُمّی" "گلہ بان" صحرا کے گرم سینے سے نمودار ہوا اور بکریاں چرانا چھوڑ کر، قابیلی قوتوں کی بھینٹ چڑھنے والی امتوں کی نجات اور ان کی رہبری کے لیے اپنے بکریاں ہانکنے والے ڈنڈے سے خداوندانِ زمین کے درپے ہوا، اور یہی وہ منزل ہے کہ جہاں خدائے قرآن کے اس جلیل القدر بیان کی گہرائی اور گیرائی کو سمجھا جا سکتا ہے کہ جس میں اس نے بار بار فرمایا ہے:

"ہم نے خود لوگوں میں سے ایک رسول بھیجا اور خود ان کی قوم کی زبان میں بھیجا۔" اور تصریح بھی کی کہ ـــ: "ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور اس کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا تاکہ لوگ عدالت اور برابری کے ساتھ قیام کریں اور لوہے کو نازل کیا کہ اس میں لوگوں کے لیے سختی ہے اور سود مندی ....." (حدید)

اور یہی وجہ ہے کہ تاریخ کے دورانیہ میں ہر جگہ "پیغمبر" خود لوگوں میں سے اُٹھتے رہے ہیں اور انھوں نے ہابیل کے فرزندوں ـــ یعنی لوگوں ـــ کو توحید، عدالت اور آگاہی کی طرف بلایا ہے۔ لیکن لوگ پوری قوت سے ان پر ٹوٹتے تھے اور انھیں قتل کرتے تھے[1] اور پھر ایک نسل گزرنے کے بعد یا

---

[1] اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ لا وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ (باقی اگلے صفحہ پر)

اس سے پہلے ہی اس کے عزادار بن جاتے تھے اور اس کے ایمان کے وارث اور اس کی امّت کے متولّی ہو جاتے تھے۔

اگر ان کے پیغمبر کو ان پر کامیابی حاصل ہوتی تھی تو اس کے مطیع بن جاتے تھے اور اپنا لباس بدل دیتے تھے اور ابھی ایک نسل گزرنے بھی نہیں پاتی تھی کہ وہ اس کے نائب اور اس کے خلیفہ بن بیٹھتے تھے اور اس کے عَلَم، اس کی کتاب، اس کی انگوٹھی اور اس کی تلوار کے مالک بن جاتے تھے۔

ایک قابیل ہے اور اس کے تین چہرے! سات رنگ، ستّر نقاب، سات ہزار نام اور ستّر ہزار دام۔

ایک قابیل ہے کہ جو قاتل ہے اور اس کا بھائی اس کا مقتول۔

ایک قابیل ہے کہ جو مالک ہے اور لوگ اس کے مملوک۔

ایک قابیل ہے کہ جو حاکم ہے اور لوگ اس کے محکوم۔

ایک قابیل ہے کہ جو ساحر ہے اور لوگ اس کے مسحور۔

یہ مالکیت ہے کہ جس نے ان دونوں بھائیوں کے درمیان دشمنی ڈالی، دو برابر کو دو نابرابر بنا دیا!

جس نے انسان کو دو نسلہ، معاشرے کو دو طبقہ، تاریخ کو دو رخہ اور ایک کو دو خدا کر دیا! ثنویت رائج کی!

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مِنَ النَّاسِ لا فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ“

وہ لوگ جو آیاتِ الٰہی سے کفر اختیار کرتے ہیں (واضح حقیقتوں کو مسخ کرتے اور چھپاتے ہیں) اور ناحق پیغمبروں کو قتل کرتے ہیں، نیز لوگوں میں سے ان افراد کو قتل کرتے ہیں جو برابری اور مساوات قائم کرنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں، ان کو دردناک عذاب کی بشارت دو۔

قرآن کی تعبیر ہیں، اس کے لیے : "استکبار و استضعاف" کا لفظ آیا ہے ـــــــ

استضعاف ؟ کتنا بڑا اور گنجائش والا لفظ! ہر وہ چیز کہ جو لوگوں کو کمزور کردے، ضعف کی طرف لے جائے۔

ایک قابیل ہے، اور اس کے تین اڈوں اور تین رُخوں، اور تین فرزندوں کے ہاتھوں سے عمل میں آنے والا ایک "استضعاف" :

یا اسے زنجیر پہناتا ہے ، زور سے : استبداد، سیاست، فرعون!
یا پھر اس کا خون چوستا ہے ، زر سے : استثمار، اقتصاد، قارون!
یا پھر اسے فریب دیتا ہے ، تزویر سے : استحمار، ایمان، بلعم باعورا!

اور ایک "حاکم طبقہ" ہے تین چہروں ہیں، تین طاقتیں حاکم ہیں اور ایک طبقہ ہیں، ایک قابیل ہے کہ جس کی تین صورتیں ہیں اور جو ایک وحدت کو تین خدائی صورتوں میں بدلتا ہے : تثلیث !

" ایک اور اس کے باوجود تین۔ تین اور اس کے باوجود ایک "

لیکن سات رنگوں، ستر چہروں، سات سو ناموں اور سات ہزار داموں کے ساتھ !

کبھی نقاب اوڑھ کر اور کبھی بے نقاب ـــــ کبھی کفر سے، کبھی دین سے ـــــ کبھی شرک سے، کبھی توحید سے ـــــ کبھی تازیانوں کے ساتھ کبھی قانون کے ساتھ ـــــ کبھی ڈکیٹٹر بن کر اور کبھی ڈیموکریسی کے روپ میں ـــــ کبھی غلامی میں، کبھی آزادی میں ـــــ کبھی فیوڈلیزم میں اور کبھی سرمایہ دارانہ نظام میں ـــــ کبھی مذہب میں، کبھی سائنس میں ـــــ کبھی مذہبی پیشوائیت کے روپ میں اور کبھی روشن خیال بن کر ـــــ کبھی

فلسفے کے رُخ سے اور کبھی تصوّف کے رخ سے ـــــ کبھی حصولِ لذت میں اور کبھی ریاضت میں ـــــ کبھی غیر متمدن معاشرے میں اور کبھی متمدن معاشرے میں ـــــ کبھی انحطاط کی صورت میں اور کبھی ارتقار کے روپ میں ـــــ کبھی مادیت کے ساتھ، کبھی معنویت کے ساتھ ـــــ کبھی مسیحیت، کبھی اسلام، کبھی تسنن، کبھی تشیع ......

آپ جہاں سے بھگائیں گے پھر لوٹ آئے گا، دروازے سے نکالیں گے دیوار پھاند کر آئے گا۔

غلامی کا سر کچلو گے تو خواجہ اور خان ہو جائے گا اور غلام کو دہقان کردے گا، جاگیرداری کو انقلابِ کبیر سے توڑو گے تو سرمایہ دار خان بن جائے گا اور دہقان کو مزدور کر دے گا۔

موسیٰؑ توحید کے یدِ بیضا سے فرعون کو رودِ نیل میں غرق، قارون کو خاک کی تہہ میں دفن اور جادو کے مذہب کو رسالت کے اژدہے سے غرق کر دیتے ہیں ـــــ

مگر، نیل میں ڈوبا ہوا فرعون فوراً ہی دریائے اردن سے "شمعون" بن کر ابھرتا ہے اور موسیٰؑ کا وارث بن جاتا ہے اور تازیانہ کے بجائے موسیٰؑ کی چھڑی ہاتھ میں لیتا ہے، اور فرعون کے جادوگر، ہارون کی اولاد اور "احبارِ" موسیٰؑ بن جاتے ہیں اور جادو کی رسیوں کے بجائے تورات کو اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہیں۔ بلعم باعورا، اللہ کی آیت بن جاتا ہے اور قارون، امینِ ملتِ توحید ـــ یہ تینوں "ارضِ موعود" کے نام سے فلسطین کو نگل لیتے ہیں اور "قدیم سبطیوں" کو "جدید قبطی" بنا دیتے ہیں۔

مسیح موعود ظہور کرتے ہیں اور پھر یہودیوں کے مذہب کو منسوخ

کر کے روم کی شہنشاہیت کو رمی کرتے ہیں۔

تو قیصر، پوپ — یہودیوں کے احبار، راہبانِ مسیح — روم کے سینیٹرز، وایتکان کے کارڈینلز — محل، چرچ — قیصر، پوپ اور جو پیٹر، مسیح بن جاتا ہے۔

جناب رسالتمآبؐ تشریف لاتے ہیں، قیصر و خسرو رمی ہوتے ہیں، پادری اور مذہبی پیشواؤں کا زور ٹوٹتا ہے، عرب اور عجم کی اشرافیت ختم ہو جاتی ہے —!

تو قیصر و خسرو، خلیفہ — پادری اور مذہبی پیشوا، امام اور قاضی۔ گاؤں کے مکھیا، صاحبانِ املاک، صاحبانِ دولت، ارسٹوکریٹ لوگ، جاگیردار اور اشراف — اصحاب، سادات، ذواتِ کریم، صاحبانِ بیوت، شرفار اور اہلِ حسب و نسب ہو جاتے ہیں۔

قیصر و کسریٰ کی شہنشاہیت کا نام، خلافت رسول اللہ ہو جاتا ہے — چرچ اور آتشکدہ، مسجد — قتل عام، جہاد — غارت گریاں، زکوٰۃ — اور — عوام کی ذلت، مشیتِ الٰہی بن جاتی ہے۔

محمدؐ کا خاندان قتل ہو جاتا ہے، قید و بند کی سختیاں جھیلتا ہے، ظلم و غصب و قتل عام اور اسارت کی بھینٹ چڑھتا ہے اور ابوسفیان اور عباس کا خاندان، محمدؐ کا وارث بنتا ہے!

علیؑ مسلسل سنّتِ محمدیؐ کو جاری رکھنے کے لیے استقامت دکھاتے ہیں اور اسلام کے سچے رہبر ۲۵۰ سال تک خلافت سے لڑتے اور شہید ہوتے رہتے ہیں اور ان کے حق پرست پیرو کار ولایت کے پرچم کو ظلم کی حکومت میں اپنے کاندھوں پر لیے پھرتے ہیں اور جاہلی سنّت کی حاکمیت اور اشرافی خلافت

میں سرخ شیعیت کی راہ اختیار کرتے ہیں اور حکومتِ جور اور نظامِ ظلم کو کچلنے کے لیے امامت اور عدالت کو اپنے مذہب کا شعار بناتے ہیں۔

اور امامت و عدالت کی راہ میں ہزار سال کے جہاد اور شہادت کے بعد اچانک خلیفہ شیعہ ہو جاتا ہے اور صفوی سلطنت علوی ولایت کی وارث بن جاتی ہے اور اس کا دار الخلافہ عالی قاپو..... اور ھلم جرا ہوتا ہے!!

یورپ میں جب چرچ احیار نو کی زد پر آتا ہے اور سائنس، دین کی جانشین ہو جاتی ہے اور قدیم مدارس اسکولا جدید جامعات کے آگے متروک ہو جاتے ہیں اور اہلِ دانش دینی پیشواؤں کو معابد میں دھکیل دیتے ہیں،

تو بلعم باعورا چرچ سے جامعہ میں آجاتا ہے!

فرانس کا انقلاب جاگیردارانہ نظام کی بیخ کنی کرتا ہے اور زمیندار قارون، گاؤں میں رمی ہو جاتا ہے تو فوراً شہر آکر بینک کا مالک بن جاتا ہے۔

فرعون کا سر انقلاب کے GUJLLOTINE [1] کی تیغ سے اُڑ جاتا ہے اور وہ "محل" کے ایک گوشے میں رمی ہوتا ہے،

تو وہ قارون کے خزانے اور بلعم کے جادو سے ڈیموکریسی کے "بیلٹ باکس" سے سر نکالتا ہے.....!

اور ایک "گل"، دو گل" ہو جاتا ہے۔ [2]

---

[1] وہ آلہ کہ جسے ۱۷۹۲ عیسوی میں فرانس کے اندر لوگوں کے سر کاٹنے کے لیے کام میں لایا گیا

[2] فرانس کی زبان میں "گل" کوڑے کو کہتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ "ڈوگل" انقلاب کے بعد ڈیموکریسی اور لیبرالیزم کے زیر نقاب کتنا خوبصورت اور کتنا محبوب ہو جاتا ہے! حتیٰ کہ تیسری دنیا کے لوگ بھی اس کے فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ فرانس کے (باقی اگلے صفحہ پر)

ہمارے چچازاد بھائی ماننے والے نہیں ہیں ، قابیل کے لڑکوں کو کہہ رہا ہوں ۔ ان ہی تین ہمدست وہم داستان بھائیوں کو کہ جو ہمیشہ اور ہر جگہ ساتھ ہیں ۔ اگر تم نے زور اور زبردستی کے تازیانہ کو بھیڑیے کے ہاتھ سے چھینا تو چوہا تمھیں زر سے خرید لے گا ۔ نہ بکے تو لومڑی، تمھیں دین سے دھوکہ دے گی ، نہ ہوا تو سائنس سے ، یہ بھی نہ ہوا تو ہُنر سے ، یہ بھی نہ ہوا تو فلسفہ سے ، آئیڈیالوجی سے' یہ بھی نہ ہوا تو کھیل سے ، یہ بھی نہ ہوا تو خواہ مخواہ کی کشمکش سے ، بناوٹی جنگوں سے ، یہ بھی نہ ہوا تو گریہ وزاری سے ، دعا وندبہ سے ، سینہ کوبی سے ، ہائے وائے سے' ذہنی اور روحانی مصروفیت سے ، ہر اُس چیز سے کہ جو تمھیں "حال" سے غافل کر دے' سارے رو بہ تاریخ کینوں سے ، اس لگاؤ سے کہ جو موت کے بعد کا ہو ، ان سے بھی بات نہ بنے تو مصرف لذّت، تجمل، ظاہر بینی، مرتبے، مقام اور دولت کے جنون سے ، قرض و قسط سے ، " سگ دوی " سے کہ جس کا نام "زندگی" رکھا ہوا ہے ، کام اور اضافی کام سے کہ جس کا نام "بہبود" رکھا ہے ! خوف سے ، چاپلوسی سے' ذلت سے ، ساری عمر روز و شب بھاگنے دوڑنے اور ہمیشہ چند سال پیچھے رہ جانے سے ! ساری آزادی ، سارے اقدار اور سارے وقت کو تعیش کی بھینٹ چڑھانے سے ، جو کچھ تم نے گزشتہ میں کھایا ہے اس کی بنیاد پر تمھارے مستقبل کو تمھارے جدید آقاؤں کی نذر کرنے سے ، "آسائش کے وسائل" کو خریدنے کے لیے "زندگی کی آسائش" کو بیچنے سے ، تادمِ مرگ تمام عمر دوڑانے بھگانے اور دم بھر کے لیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) گھٹیا استعمار کی بھینٹ بننے والے مسلمان، عصرِ استبداد میں نہیں بلکہ انقلاب کے بعد، ڈوگلوں کے کوڑے کھاتے ہیں اور ان کو "ہورا" بھی کہتے ہیں. خناس اور وسواس کو دیکھو کہ وہ کیا کرتا ہے!

سانس نہ لینے دینے سے، سوچنے سمجھنے کے لیے کوئی وقت نہ چھوڑنے سے، ان باتوں سے بھی نہ ہوا تو جاز کے شور اور جنسیت وغیرہ سے، ان سے بھی نہ ہوا تو جذبۂ تصوف سے، ہیروئن، ماری جوانا، ایل۔ایس۔ڈی اور ان جیسی ہزاروں چیزوں اور ہزاروں دوسری "حق" و "باطل" باتوں سے، ہر اس چیز سے جو تم کو اپنی طرف مصروف اور ان سے غافل رکھے۔

ہر اس چیز سے جو تمھیں منزل تک جانے نہ دے، اب خواہ اس کا نام کفر ہو یا ایمان۔

اور ہم "لوگ" زمانے کے دائمی "صغارِ یتیم"، ہر نقطۂ زمین کے مستضعفین، شہید ہابیل کے لواحقین، خدا کے برحق بندے، "آدم" کے "اہل" فرزند، بھائی چارگی کے پاسدار، برابری اور مساوات کے دوستدار، ابتدائی دور کی صاف ستھری فطرت، توحید برحق، اور وحدت و صلح کے نمائندے، اس عہد کی یادگار ہیں کہ جب بشریت ـــــ خداوندِ فطرت کے عام دسترخوان پر ـــــ ایک "امتِ واحدہ" تھی کہ جو پوری کی پوری اس کی شہادت سے دفن ہو گئی اور اس کا خون مکر و فریب اور بددیانتی کے ہاتھوں قتل ہونے والے ہمارے باپ ـــــ مالکیت کے معصوم قتیل ـــــ کے خون کے ساتھ زمین پر بہا اور اس کے وجود میں ایک آرزو اور ایک ایمان کی طرح جذب ہو گیا۔

اور جو اب بھی اس کے خون کا قرض بن کر، ایک شعلۂ امید اور بیتاب رسالت کی طرح ہمارے سینوں میں موجود ہے۔

توحید کا پرچم، اس امید کی مشعل ہے اور اس پیغام کا یہ عَلَم عرفات سے تاریخ کے منیٰ تک، مبعوث گلہ بانوں کے ہاتھ میں دست بدست گھوم رہا ہے اور نسل بہ نسل میراث بن رہا ہے، ہابیل سے ابراہیمؑ تک، ابراہیمؑ سے

محمدؐ تک ، محمدؐ سے حسینؑ تک اور حسینؑ سے ،

ہم سب کے درمیان ، تمام مہینوں میں ، تمام دنوں میں ، تمام سرزمینوں میں ....

آخر الزمان تک ۔

اس وقت تک جب تک کہ عدل کا عالمی انقلاب وجود میں نہیں آتا ' تاریخ کے محکوموں کو امامت اور زمین کے مستضعفوں کو ان کی وراثت نہیں ملتی ۔

یہ پرچم کہ جو سینۂ خاک اور تاریخ کے دھارے پر دست بدست گردش میں ہے ایک سرخ خط کھینچ رہا ہے ۔

اور پرچم شرک : جور ، جوع (بھوک) اور جہل کا پرچم ، تین طاغوتوں کے ہاتھ میں ۔

کفر و دین ، تعصّب و تفرقہ نہیں ، آسودہ لوگوں کی خیال تراشی اور پرسکون صوفیوں اور فلسفیوں کی جدال نہیں ـــــــ انسان کی "غی" گمراہی اور اس کا "رشد" ہے !

کفر و دین کی نشانیاں بڑی روشن اور واضح ہیں ، یہ "رشد" و "غی" کی بحث ہے اور "قسط" (عدل) و "ظلم" کی جنگ ، اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے ، جھوٹ ہے ، فریب ہے ، نفاق ہے ۔

کسی بات پر کان نہ دھرنا کہ اس سراپا "نفاق" تاریخ میں صرف قابیل کے فرزندوں کو بولنے کا حق رہا ہے یہاں تک کہ حق اور دین کی گفتگو میں بھی ان ہی کا اختیار رہا ہے ،

اور میں کیا کہہ رہا ہوں ـــــــ ؟

حتیٰ کہ "شہید ہابیل" اور اس کے پسماندگان کی سرنوشت کے بارے

ہیں بھی یہی لوگ بولنے والے ہیں! صرف قرآن کی بات سنو ——— ان کی نہیں جو اس کے نام سے بول رہے ہیں ——— اس لیے کہ قابیلی قبیلے کے لوگ مفسّر بھی ہوئے ہیں! خود قرآن کی قسم کہ یہ وہ واحد سند ہے کہ جو ان کے ہاتھ سے محفوظ رہی ہے۔

اس سے سنو تاکہ وہ تمھیں انسان کی سرگزشت کے بارے میں بتائے اور تمھارے لیے "رسالت" کے مفہوم کی تفسیر کرے!

"كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ، فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۔"

لوگ، ایک امتِ واحدہ تھے برابری کی بنیاد پر قائم ایک معاشرہ تھے، خدا نے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے انبیاء کو ان کے لیے مبعوث فرمایا۔ پر یہ سارے اختلافات نہ تعصب کی بنیاد پر عمل میں آئے اور نہ اختلافِ عقیدہ و ایمان کی بنیاد پر، یہ سب کچھ انجانے طور پر نہیں ہوا، بعقل و ہوش جان بوجھ کر ہوا اس لیے کہ حق کشی اور ظلم کو راستہ ملے اور اہلِ غرض اور اہلِ حسد اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔

ذرا خدا کی بات سنو تاکہ وہ خود تمھیں بتائے کہ اس نے اپنے پیغمبروں کو کس بات پر مامور کیا ہے اور ہمارے لیے کیوں بھیجا ہے؟

"لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ"

ہم نے اپنے صاحبانِ رسالت کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب کو اور ترازو کو نازل کیا تاکہ "لوگ برابری اور مساوات کے استقرار" اور ہر کسی کو اس کے حصّے کے مطابق اس کا حق دلانے کے لیے قیام کریں! یہاں

"رشد" اور "غی" ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہو گئے ہیں اور ہر ایک کی سرحد کھل کر سامنے آ گئی ہے ، لے

کفر و دین آشکار ہو گئے ، ہر ایک کا کردار بھی واضح ہو گیا ، توحید اور شرک ایک دوسرے سے علیحدہ ، اور ان کی صفیں معین ہو گئیں !

پھر قرآن کی طرف جائیے ، تاکہ بغیر فلسفہ بافی ، تصوف بازی ، چکرا دینے والے کلامی اور اسکولائی معمہ سازی کے ۔صاف ، سادہ ، روشن اور قاطع انداز میں اس طرح کہ ہر امّی کی سمجھ میں آئے ، وہ تمھیں بتائے کہ :

"اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ، يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ "

"وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ، يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ "

اور پھر فوراً ارشاد ہوتا ہے :

"فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ، اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا" ٢ے

لے اور دل چسپ بات یہ ہے کہ "کتاب" (آیڈیالوجی) اور "ترازو" (برابری، مساوات) کے بعد فوراً ہی "لوہے" کی بات کی گئی ہے اور لوہے (مادی قوت) کے دونوں پہلوؤں کو سامنے لایا گیا ہے ، اس کی عسکری طاقت کو بھی اور معاشیاتی طاقت کو بھی ۔عسکری طاقت کو "جہاد" میں اور معاشیاتی طاقت کو "زندگی" میں !

" ..... وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ ، فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ ، وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ" !

(اور لوہے کو نازل کیا ، اس میں جنگ کی شدید سختی بھی ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی)

یعنی کہ "برابری اور مساوات کی نسبت لوگوں کے قیام کے لیے" کتاب بھی اور لوہا بھی ؟

٢ے نساء ۔ آیت ۷۶

پس شیطان کے ساتھیوں کے ساتھ جنگ کرو کہ شیطان کا مکر بڑا بودا ہے۔[1]

شیطان کے ساتھی ؟

ہاں ، تثلیث کے طاغوت !

اور تم ، اے یارانِ خدا !

اے کہ جس نے ابلیس کے بے رحمانہ یلغار میں ، اپنے خدا کی ذات کو "حکمت" کے بلند مینار پر محفوظ رکھا ہوا ہے ،

اور جادو کی سیاہ زہریلی ہواؤں میں ، "جانِ جامۂ تقویٰ" زیب تن کر رکھا ہے ، [2]

---

[1] (اسی آیت کا باقی حصہ) اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ : كُفُّوْٓا اَیْدِیَكُمْ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ، فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ "الْقِتَالُ" اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْیَةِ اللّٰهِ ، اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً وَقَالُوْا : رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ ، لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ! قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ، وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا .... ! "سورہ نساء، آیت ۷۷"

اس آیت میں مذہبی اصطلاحات : شیطان ، اولیاء شیطان ، سبیل اللہ ، طاغوت ، دنیا و آخرت اور خاص طور پر تقویٰ کو قرآن کی زبان سے بھی سنیے اور دیکھیے کہ قرآن انھیں کس مفہوم میں پیش کرتا ہے ؟

[2] تقویٰ " وقی " سے ماخوذ ہے جس کے معنی تحفظ دینے کے ہیں ، پرہیز کرنے کے نہیں ، یہ مثبت معنی رکھتا ہے اور اس کا ترجمہ منفی رنگ میں کیا گیا ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

اس زور کے تانے اور زر کے بانے سے بچو کہ جس کو لوگوں کے تزویر
کی مکڑی نے خدا کے راستے میں دامِ ظلم کی صورت میں بُنا ہے۔
موت سے نہ ڈرو، قتال کے لیے مہلت نہ مانگو، تقویٰ اختیار کرو
اور کھجور کے بیج کے اطراف لپٹے ہوئے باریک سے غلاف جتنا بھی ظلم نہ سہو۔[ل]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تاکہ منفی سوچیں اور منفی عمل کریں۔ یہ تقوائے ستیز ہے" تقوائے
پرہیز" نہیں! اسی لیے میں نے اس کا ترجمہ "جان جامہ" کیا ہے اور خاص طور پر
اس لیے بھی کہ قرآن نے بھی اسے "لباس التقوی" کہا ہے۔

ل قرآن کی گفتگو کا ڈھنگ دیکھیے! ہر جگہ اس نے شیطان کو ہولناک بتایا ہے ایک
زبردست اور خطرناک دشمن مگر یہاں شیطان کے مکر کو "ضعیف" اور بودا کہا ہے!
مگر کیوں؟ اس لیے کہ یہاں گفتگو "قتال" کی ہے اور یہاں مجاہدوں سے گفتگو
ہو رہی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں نے ظالم اور ستمگار کے نظام کو آیت کے مفہوم
کے مطابق فولادی زنجیر سے نہیں بلکہ "مکڑی کے جالے" سے تعبیر کیا ہے۔ اور تعجب
کی بات ہے کہ قرآن کے ایک سورہ کا نام بھی "سورۂ عنکبوت" ہے اور اس میں تنہائی
کے پیام آوروں کی داستان ہے کہ جنھوں نے بڑے جابر حکمرانوں کی قوت اور محکوم
لوگوں کے جہل کے خلاف جہاد کا آغاز کیا اور اپنے خالی ہاتھوں کے ساتھ، ظلم کے
تمام محلات اور سحر کے تمام معابد کو تہس نہس کر دیا کیونکہ یہ تمام قوتیں شرک پر قائم
تھیں اور ان صاحبانِ قوت لوگوں کا ـــــ کہ جو اپنی سرزمین پر استکبار اور غرور کی
لعنت میں گرفتار تھے اور انھوں نے خلقِ خدا کو استضعاف کی بھینٹ چڑھایا ہوا تھا
خدا کے سوا باقی ہر چیز پر تکیہ تھا۔ قرآن ان صاحبانِ اقتدار کو عنکبوت کا نام دیتا ہے اور
ان کے نظام کو "مکڑی کے جالے" سے تعبیر کرتا ہے جسے مکڑی تنتی ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

اور تم ، اے توحیدی انسان، اے وہ کہ جس کی گردن پر ہابیل کے خون کا قرض اور جس کی پشت پر کتاب ، ترازو اور لوہے کے تمام پیام آوروں کی پیغام رسانی کا بوجھ ہے!

اے "آدم کے وارث" ! "کل انسان" !

اے "توانائی" ، "آزادی" اور "علم و آگہی" کے مظہر،

"شرک" کے تین استضعاف گر (کمزور بنانے والے) طاغوتوں کے خطرے سے خدا کی پناہ مانگو !

اس خدائے توحید سے ،

کہ جو "لوگوں کا مالک" ہے

"لوگوں کا مَلِک" ہے

"لوگوں کا معبود" ہے

اے وہ کہ جو عرفات ، مشعر اور منیٰ سے شہادت کے سرخ خط کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور اپنے شکار کو اس میں پھانس کر اس کا خون چوستی ہے (تثلیث) لیکن اس کے باوجود وہ انتہائی بودی اور بے دم ہے۔ اس کا ذکر اس لیے نہیں کہ وہ ایک طاقت ور چیز ہے اور اس لیے بھی نہیں کہ لوگ کمزور ہیں یہ جہالت کی باتیں ہیں۔ فقط یہ بتانا مقصود ہے کہ جو کچھ پیغمبران الٰہی اپنی قوم کو دینا چاہتے تھے وہ اسلحہ نہیں تھا پیام تھا ، قوت نہیں تھی ، حکمت تھی ، خود آگاہی تھی ! "نور" تھا۔

"مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِ اللهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ، وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ ، لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ، لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۔" ان لوگوں کی مثال کہ جو خدا کے علاوہ دوسروں کو اپنا (باقی اگلے صفحہ پر)

عبور کر چکے ہو،

"طاغوتِ عقبہ" کے ویرانے کو اپنے قدموں تلے کچل چکے ہو،

اپنے منیٰ کی سرزمین کو فتح کر چکے ہو،

اے "ملتِ ابراہیمؑ" اور "سنتِ محمدؐ" کے ثمر!

ذرا ہوشیار رہو۔ ڈر ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔

ابھی تم خطرے میں ہو!

ابھی تمھیں قابیل کا خطرہ لاحق ہے، ابھی تین قابیلی طاغوتوں کی بازگشت کا خطرہ تمھارے ساتھ ہے۔

پیام بر خطرے میں ہے،

اس لیے کہ پیامبر کا پیام خطرے میں ہے،

پیغمبر کے پیرو کاروں کی اُمّت خطرے میں ہے،

یعنی تم خطرے میں ہو،

تمھاری آزادی، تمھاری زندگی، اور تمھارا ایمان،

توحید خطرے میں ہے۔

ڈرتے رہو،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ولی، گردانتے ہیں مکڑی کی سی ہے کہ جو اپنے لیے ایک گھر بناتی ہے (اپنا ایک اڈہ اور پناہ گاہ تعمیر کرتی ہے) اور سب سے بودا اور بے دم گھر مکڑی کا ہے۔ کاش وہ اس بات کو جانتے ہوتے!! اور اس کے آگے ارشاد ہوتا ہے: وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ، وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ! اور اس طرح کی مثالوں کو ہم کُل آدمیوں کے لیے بیان کرتے ہیں مگر سوائے اہلِ علم کے سمجھتا ان کو ایک بھی نہیں۔

ان تین طاغوتوں کے شر سے ڈرو ،
لوگوں کے "مالک و مَلِک و معبود" کے خدا سے پناہ مانگو!
تین طاغوت ہیں اور ایک ابلیس ، ایک قابیل ، ڈرو ،
"مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ"
"عقل کو نقصان پہنچانے والے" کے شر سے کہ جو مخفی طور پر فریب کے سلسلے کو قائم رکھنے والا ہے۔
"اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ"
کہ جو لوگوں کے اندر انجانے طور پر وسوسہ ڈالتا ہے۔
"مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ"
"جنّوں" میں سے بھی "آدمیوں" میں سے بھی۔
"وسواس" کون ہے ــــــ ؟ کیا ہے ــــــ ؟
لغات اس کا مفہوم پیش کرتے ہیں :
"وسوسہ ساز" اور نیز "وہ مرض کہ جو سودا کے غلبہ سے وجود میں آتا ہے اور ذہن کو تباہ کر دیتا ہے" ، "سودا زدگی" ! نیز "بدی اور بداندیشی' یا وہ بے ہودگی اور بے عقلی کہ جو انسان کے اندر رسوخ کرتی ہے اور انجانے طور پر اس کے وجود میں سما جاتی ہے۔"
..... "وہ چیز کہ جو تمھیں القا ہوتی ہے ، ناخود آگاہ طور پر تمھارے اندر اُتر جاتی ہے ، تمھارے پیچھے لگ جاتی ہے ، تم سے بات کرتی ہے ، بغیر اس کے کہ تم سُنو ، بغیر اس کے کہ وہ تمھیں دکھائی دے"
یہ "وسواس" ، یہ "سودا زدگی" ، یہ "عقل و خود آگاہی کو نقصان پہنچانے والا وسوسہ ساز" ،

کس طرح ہے ؟

"خناس" ہے ،

"خناس" کیا ہے ــــــــ؟

لغات کہتے ہیں :

"ہر وہ چیز جو تمھیں راستے سے ہٹادے ، تم پر چھا جائے تمھیں اپنے اندر غائب کر دے ، اپنے اندر پوشیدہ وپنہاں کر دے ، اپنے اندر روکے اور قید کر دے ۔ جو تمھارا پیچھا اس طرح کرے جس طرح عقاب کسی پرندے کا پیچھا کرتا ہے ۔ جو پوشیدہ ہے اور پوشیدہ طور پر کام کرتا ہے ۔ ایک ایسا مکار فریبی کہ جو حیلہ سے تمھاری طلب میں ہے ، فریب سے تمھارے ساتھ ہے ، فریب کے سلسلے میں ہمیشہ تمھارے ساتھ آمد و رفت رکھتا ہے ، تم سے دست بردار نہیں ہے ، جاتا ہے اور پھر آتا ہے ، تم اسے بھگا دیتے ہو وہ پھر آجاتا ہے ۔"

یہ "وسواس خناس" کیا کرتا ہے ؟

وسوسہ کرتا ہے ــــــ!

"وسوسہ" کیا ہے ؟

لغات لکھتے ہیں :

"وہ چیز کہ جو تمھیں کسی ایسے "شر" یا ایسے بے ہودہ کام میں مبتلا کرتی ہے کہ جس کی نہ کوئی اہمیت ہے اور نہ فائدہ ، نہ منفعت ہے نہ خیر ، جو بالکل بے کار اور لاحاصل ہے ، وہ چیز کہ جو عقل کو نقصان پہنچاتی ہے اور ہذیان لاتی ہے ، انسان بے سرو پا باتیں کرنے لگتا ہے ، مدہوش اور حیرت زدہ ہو جاتا ہے ، اس کا ذہن مسخ ہو جاتا ہے ، وہ اپنے وجود کو بھی فراموش کر دیتا ہے اور اپنے آپ سے بے گانہ ہو جاتا ہے ۔"

یہ "وسواس" کہ جو "خناس" ہے اور "وسوسہ" کرتا ہے "کس جنس کا حامل ہے ——— ؟

"جن" سے ہے اور "آدمی" سے بھی!

"جن" ——— ؟ ایک نہ دکھائی دینے والی مخلوق ، ایک مخفی طاقت ، پوشیدہ قوت ، ایک ایسی طاقت جو انسان پر مسلط ہے اور انسان نہیں ہے ، جو نظر نہیں آتی ......

واہ ! کتنا سچ ہے اور کتنا واضح ، اور آج تو ہمیشہ سے زیادہ واضح ہے ، ہمیشہ سے زیادہ متشدد اور المناک تر۔

وہ تین طاغوت ، پوشیدہ ہیں اور آشکار ، جاتے ہیں اور رنگ بدل کر آتے ہیں ، شکست کھاتے ہیں اور پھر سر اٹھاتے ہیں۔

اور آج اس مشینی دور اور اس سرمایہ دارانہ نظام میں ، استعمار کے تسلط میں پنہاں "تمھارے" استعمار میں ، نیز موجودہ مسخ کر دینے والے ثقافتی استعمار میں ، استعمار زدگی کی بیماری میں اور اس برین واشنگ اور ترقی یافتہ تکنیک میں وہ تینوں طاغوت ہمیشہ سے زیادہ المناک صورت میں "انسان کو مسخ کرنے میں مصروف ہیں۔"

بقول "شاندل" :

"آج کے انسان کے لیے بڑا خطرہ ، ایٹم بم کا دھماکہ نہیں ، انسان کی ماہیت کا استحالہ (تبدیلی) ہے۔" انسانیت" کا قتل ہے ! بڑی تیزی سے ایک ایسی نئی نسل ابھاری جارہی ہے جو انسان نہیں "انسان نما مشین" ہے جسے نہ خدا نے پیدا کیا اور نہ فطرت نے .... ، ایک ایسا غلام ہے جسے اپنے آقا کی اچھائی برائی سے کوئی سروکار نہیں ، ان باتوں سے اس کا کوئی واسطہ

نہیں، وہ آزاد ہے اور صرف غلام بننے کی کوشش میں رہتا ہے۔ زرخرید بنتا ہے اور قیمت بھی خود ہی ادا کرتا ہے۔ چور کے گھر کے سامنے ایک لمبی صف میں انتظار کی گھڑی گزارتا ہے تاکہ اس کے غارت کی باری آئے اور اس سے پہلے اس صف میں آنے کے لیے جانے کتنے پاپڑ اسے بیلنے پڑے! اسے کبھی بلندی حاصل نہیں ہوگی۔ وہ جوں کا توں رہے گا۔ اس صورت میں اسے ہر چیز حاصل ہو سکتی ہے مگر اس کے بدلے اسے ہر چیز سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ وہ صرف ایک "سوداگرانہ مذہب" کا مومن ہے اور اس سودے میں وہ جو کچھ ادا کرتا ہے اس سے کہیں زیادہ مہنگا ہے جسے وہ حاصل کرتا ہے۔ اس کی پیدائش سے پہلے جو بات اس کے لیے لکھی گئی ہے ویسی زندگی نہیں گزارتا بلکہ ایک جگہ نصب ہو جاتا ہے۔ اس کے نصیب میں یہ بات ہے کہ وہ دنیا کے آخری سرے تک دوڑے، مگر اب اس نے خدا اور انسان دونوں کو چھوڑ دیا ہے......" [1]

المیہ تصوّر سے زیادہ ہولناک تر ہے۔

"فطرت" اپنی جنس بدل رہی ہے۔

اور وہ تین طاغوت آج صرف "تیغ" کے زور، "زر" کی طاقت اور "تسبیح" کے فریب سے وسوسہ نہیں کرتے، زور و زر نے، تباہ کاری، ظلمت سازی اور فریب کاری کی غیر معمولی طاقت نے "سائنس" کو "فنونِ لطیفہ" کے حیرت آور جادو کو اور "تکنیک" کی دیونما طاقت کو اپنی خدمت پر مامور کر لیا ہے۔

آج لوگ آزاد ہو رہے ہیں لیکن دنیا کے لوگوں کو اندر سے پابند

---

[1] LES CAHIERS P:64

کیا جا رہا ہے۔ وہ آزاد ہیں کہ اپنی رائے اپنی مرضی کے مطابق بیلٹ بکس میں ڈالیں لیکن خناس جن اور خناس انسان اس سے پہلے اپنی رائے اس کے سینے میں انڈیل دیتے ہیں۔

آج کا المیہ "الینیشن"[1] کا المیہ ہے، "الینہ کرنا"؟ ہاں، یعنی "جن زدہ کرنا" وہ آدمی مجنون ہے کہ جس کے اندر جن نے گھر کر لیا ہو، اس کی انسانی ماہیت، اس کی حقیقی شخصیت اور خود آگاہی کو "چھپا" دیا ہو اور اس کی جگہ خود بیٹھ گیا ہو اور اس کی عقل کو آسیب زدہ کر دیا ہو۔

سیاسی استبداد، اجتماعی ترجیحات اور قدیم مغرب کی وحشیانہ نفع اندوزی کو ٹھکرا دیا گیا ہے لیکن یہ سب چیزیں ہمیشہ سے بدتر کیفیت کے ساتھ سرمایہ دارانہ نظام کی صورت میں لوٹ آئی ہیں اور انھوں نے لیبرالیزم اور ڈیموکریسی کے نقاب میں اپنے آپ کو چھپا لیا ہے۔

مشرق سے بردگی اور تاتاریوں اور چنگیزیوں کی بربریت کو نیز ہلاکو خان اور تیموریوں کی وحشیانہ حکومت میں قوموں کی اسارت کو ٹھکرا دیا گیا مگر یہ سب چیزیں ہمیشہ سے زیادہ تباہ کن انداز میں ہمیشہ سے بدتر کیفیت کے ساتھ استعمار کی صورت میں لوٹ آئی ہیں اور موڈرنائزیشن اور تمدن کے بھیس میں چھپ گئی ہیں۔ عسکری جلاد، قدیم استعمار کے پیشہ ور قاتل ایجنٹ (من الناس) تیسری دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں مگر انھوں نے، اقتصادی نظام ـــــ سیاسی حکومت ـــــ سماجی روابط ـــــ فلسفۂ تعلیم و تربیت ـــــ ثقافت ـــــ فنونِ لطیفہ ـــــ اخلاق ـــ جنسی آزادی۔

---

[1] ALIENATION

بے ہودہ و بے کار آئیڈیالوجی ـــــ تبلیغاتی جادو پھونکنے والوں ـــــ مطبوعات کے "نفاثوں" کی فسوں کاری ـــــ آرٹ اور ادبیات کے وسواس، اور فیشن وغیرہ کی صورت میں ـــــ ذمہ دارانہ امور ـــــ روایتی رشتوں ـــــ ایمانی تعلقات ـــــ نیہیلسزم (NEHILISIM) کی سودا زدگی ـــــ تمدن کے جنون ـــــ اور ـــــ مصرف پرستی ـــــ سیکس پرستی اور مغرب پرستی کے طاغوت اور استعمارِ نو کے نامرئی لباس میں پھر سے سر نکالا ہے اور صرف عسکری مراکز، دفتروں کی میز کرسیوں، کوچہ و بازار اور آدمی (ناس) کی صورت میں ان کا عمل دخل نہیں بلکہ انھوں نے پنہاں طور پر، نہ دکھائی دینے والے ہاتھوں کے ساتھ، نامرئی طاقتوں اور رابطوں کے ہمراہ، اقتصادی ڈھانچے میں، اجتماعی نظام میں، فکر کی گہرائی میں، اعتقاد میں، وجود میں، معاشرے کے طور طریقوں، ان کی علامتوں اور روابط میں، روح میں، احساس میں، اخلاق میں، "اقدار" میں، "رائے" میں اور انسانی عقل میں جِن کی طرح حلول کر رکھا ہے۔

ان چودہ صدیوں میں کوئی عہد ایسا نہیں کہ جو ہمارے عہد کی طرح اس حیرت انگیز سورہ کی تفسیر کر سکے۔

اس لیے کہ گزشتہ پانچ سو صدیوں کے عرصے میں سطح زمین پر ہماری صدی کی طرح خناس نے آدمی کو خود آگاہ یا ناخود آگاہ طور پر اپنے پیدا اور پنہاں وسوسوں کی بھینٹ نہیں چڑھایا۔ "شرِ وسواس" نے کبھی اس طرح "صدور الناس" کو تباہی سے ہمکنار نہیں کیا۔

ہاں، وحی کی ان بلیغ اور اعجاز آمیز آخری آیتوں کی زمین پر کبھی اس طرح صاف اور واضح تاویل نہیں ہوئی ہے۔

آج کا وہ روشن خیال جو اس صدی سے واقف ہے، آج کا وہ ماہر عمرانیات کہ جو نئی سرمایہ داری اور نئے استعمار کو سمجھتا ہے، بڑی وضاحت سے دیکھ سکتا ہے کہ کس طرح سزا کے طور پر "قیصریہ" کو آگ لگائی جاتی ہے، کس طرح بہ اعجازِ سائنس دھوکہ دیا جاتا ہے، تمدن کے نام سے جاہلیت پیدا کی جاتی ہے، کس طرح وسوسہ گر خناس اور جادوگر "نفاثے" قوموں کو فرہنگ و ایمان و آگہی و اختیار سے ننگا کرتے ہیں، اندر سے ——— (صدور سے) ——— کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ انسانوں کو اپنے آپ سے خالی اور خویش سے بے گانہ بنا دیتے ہیں تاکہ بشریت صرف اوزارِ تقلید بنے اور قومیں صرف مصرف کے لیے گلہ، اور بس ———!

آج کے علومِ انسانی کے آگاہ ماہرین کہ جو نہ تو فرقوں اور روایتوں کے تنگ نظرانہ قالب میں محصور ہیں اور نہ ہی علاقائی مسائل، تاریخی عصبیت اور صنفی، تربیتی اور موروثی دباؤ کا شکار ہیں، نہ ان کی نگاہیں سیاسی رودادوں کی سطح پر لغزاں ہیں اور وہ سطحی ظواہر کو سامنے رکھ کر روزمرہ کے واقعات کی ظاہری صورت اور دل خوش کن باتوں کو تیزی اور سادگی کے ساتھ پرکھنے اور سادہ لوحانہ انداز میں راہِ حل ڈھونڈنے میں مصروف ہیں، بلکہ وہ جو کچھ اس دور پر گزر رہی ہے اس کی تہ سے انسان کو دیکھ رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ اس پر کیا بیت رہی ہے۔ قوموں کا استعمار، کیپیٹلزم، طبقاتی استثمار ——— جنگ افروزی اور لاکھ در لاکھ آدمیوں کا قتل، اقتصادی استعمار اور غریب ملکوں کے طبیعی ذخائر اور مادی منافع کی غت ربودی اور انھیں سمیٹ سماٹ کرلے جانا، قوموں کی تقدیر پر بدنہاد عناصر کا تسلط اور انسانی حقوق کی نابودی .... ہاں یہ سب کچھ لیکن یہ سب خارجی المیے ہیں، سیاسی، فوجی، اقتصادی، قومی اور قانونی....

ایسے ہیں۔ ہولناک المیہ، انسانی المیہ ہے کہ جو لوگوں کے وجود میں، "صدور الناس" میں گزرتا ہے، وہ المیے وہی تھے جن کا تذکرہ گزشتہ سورہ میں کیا گیا۔ غاسق حاکم کا شر ــــ نفاثوں کا شر ــــ روحانی بھڑاس رکھنے والوں اور بدگہر عناصر کا شر، اور یہی وجہ ہے کہ اُن کو سادہ صورت دی گئی۔ لیکن اس سے زیادہ ہولناک المیہ وہ المیہ ہے کہ جو انسان کی نوعیت کو، دنیا جہان کے لوگوں کی فطری خلقت کو مسخ کرنے کی دھمکی دے رہا ہے۔ انسان کے "الینہ" ہونے (ALIENATION) کا المیہ ہے، انسان کی، غیر انسان میں تبدیلی کا المیہ ہے، "وسواس" کا المیہ ہے! وسواس ان تین "شر" وں کی طرح انسان کے وجود کو ٹھیس نہیں پہنچاتا، انسان کی ماہیت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ آج کے مجروح و آگاہ سچے روشن خیال انسان کا ضمیر اس المیے سے کانپ رہا ہے اور چیخ چیخ کر فریاد کر رہا ہے۔

ہاں وہی ہے کہ جو دیکھ رہا ہے کہ "ناس کے یہ خناس" کون ہیں؟

وہی ہے کہ جو سمجھ رہا ہے کہ یہ "جنّ خناس" کیا ہیں؟

اس لیے کہ صرف وہی ہے کہ جو "خناس" کے مفہوم سے آشنا ہے اور انسان کی "وسواس زدگی" کے المیہ کی گہرائی اور پھیلاؤ کے اثر کو محسوس کرتا ہے اس کی نگاہیں، انسان کی "حق کُشی" پر ہیں کہ انسان کی حقیقت کو کچلا جا رہا ہے۔

وہ ہے کہ جو اس بات کو جانتا ہے کہ ــــ ہمیشہ اور ہمہ جا بت تراش ــــ خناس ہمیشہ اور ہر جگہ انسان کی صورت میں نہیں ہے، کبھی دیو ہے اور کبھی پُراسرار طاقت، کبھی پوشیدہ و پنہاں، ہمیشہ منہ پر اسارت کی لگام نہیں لگاتا، انسان کے اندر وسوسے پیدا کرتا ہے۔ بڑے آرام اور پوشیدہ طور پر انسان کے اندر اُترتا ہے، تمھاری ماہیت میں، تمھاری شخصیت میں، تمھاری انسانیت میں، اور تمھارے "تم ہونے" میں حلول کرتا ہے، رسوخ کرتا ہے، تمھارے

اندر تمھاری جگہ جا کر بیٹھتا ہے، تمھیں مجنوں بنا دیتا ہے، تمھاری عقل کو نقصان پہنچاتا ہے، جن زدہ اور "الینہ" کر دیتا ہے۔

ہاں، ہمیشہ سے زیادہ ہولناک خطرہ تمھاری گھات میں ہے، صرف پہاڑ کی کمین گاہ میں نہیں، چٹان کے پیچھے نہیں، تمھارے دل کی کمین گاہ میں، تمھارے سینہ میں، تمھارے ذہن کے پردوں کے پیچھے، صرف تمھاری جان اور تمھارے مال کی گھات میں نہیں، تمھارے "انسان ہونے" کی گھات میں، تمھارے ایمان کی گھات میں، تمھاری اُمّت، تمھاری شناخت، تمھارے شعور، تمھارے عشق، تمھاری کامیابی، تمھارے جہاد کی ظفریابی، تمھاری نسل کے جہاد، تمھاری تاریخ کی میراث، تمھارے ابراہیمؑ بننے کی راہ میں، تمھارے خدا سے قربت حاصل کرنے کی ہجرت میں۔

ہمیشہ تمھارا دشمن اسلحہ نہیں ـــــ فوج نہیں ـــــ بیرونی نہیں ـــــ آشکار نہیں ـــــ کبھی وہ نظام ہے ـــــ کبھی احساس ہے ـــــ کبھی اندیشہ ہے ـــــ کبھی مالکیت ہے ـــــ کبھی شیوۂ زندگی ہے ـــــ کبھی شیوۂ کار ہے ـــــ کبھی شیوۂ فکر ہے ـــــ کبھی آلۂ کار ہے ـــــ کبھی پیداوار کی شکل ہے ـــــ کبھی مصرف کی قسم ہے ـــــ کبھی تمدن زدگی ہے ـــــ کبھی ثقافتی استعمار ہے ـــــ مذہبی استحمار ہے ـــــ کبھی طبقاتی استثمار ہے ـــــ کبھی تعلقات عامہ کا سامان ہے ـــــ کبھی تبلیغات سے متعلق نظر نہ آنے والا مکڑی کا جال ہے ـــــ کبھی جدید انداز کی دنیا زدگی ہے ـــــ کبھی بیروکریسی، ٹکنوکریسی اور مشینیسم (MACHINISME) ہے ـــــ کبھی نیشنلزم اور نسل پرستی ہے ـــــ کبھی نازیسزم (NASISME) کی شخصیت پرستی ـــــ سرمایہ دار طبقہ کی زر پرستی اور میلیٹریزم (MILITARISME) کی زور پرستی ہے ـــــ

کبھی ہیپیکوریزم کی لذت پرستی، آئیڈیلزم کی ذہنیت پرستی ـــــ میٹیریلزم کی عینیت پرستی ـــــ فنونِ لطیفہ کی زیبائی پرستی ـــــ رمانیٹسزم (ROMANTISM) کی احساس پرستی اور اگزسٹیسیلزم کی عبث پسندی ہے ـــــ اور کبھی صوفیانہ روح پرستی ـــــ راہبانہ زھد پرستی ـــــ ریسیزم کی خاک پرستی اور خون پرستی ـــــ اور فاشیسزم کی بطل پرستی اور دولت پرستی ـــــ انڈویڈولیزم کی فرد پرستی ـــــ سوشیالیزم کی جمع پرستی ـــــ کیمونیزم کی اقتصاد پرستی ـــــ فلسفہ کی عقل پرستی ـــــ عرفان کی احساس پرستی، معنویت کی آسمان پرستی ـــــ مادیت کی زمین پرستی ـــــ آئیڈیالیزم کی موہوم پرستی ـــــ ریلیزم کی موجود پرستی ـــــ جبرِ تاریخ کی قانون پرستی ـــــ جبرِ تقدیر کی مشیت پرستی ـــــ اور کبھی فرویڈیزم کی شہوت پرستی ـــــ کبھی اکونومیزم کی شکم پرستی ـــــ کبھی بایولوجیزم کی غریزہ پرستی ـــــ کبھی کفر کی دنیا پرستی ـــــ کبھی دین کی آخرت پرستی ـــــ اور یہاں تک کہ سینتھیسزم کی لاابالی علم پرستی۔

یہ ہیں وہ شرکِ جدید کے بت! جدید قریش کے لات، عزیٰ، اساف اور نائلہ، اس تمدّن کے کعبہ کے ۳۶۰ بُت۔

اور یہ وہ منزل ہے جہاں آپ سمجھ سکتے ہیں کہ: "خدا پرستی" کیا ہے؟ پیغامِ "توحید" کی عظمت اور اس کے مفہوم کا پھیلاؤ کہاں تک ہے؟

اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ آج کا انسان جس کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ "تعبد" سے "تعقل" کی طرف مائل ہوا ہے اور مذہب کی قید سے سائنس اور انسانی آزادی کی طرف رہا ہوا ہے۔ ایک خدا کی پرستش نہیں کرتا، اس نے پرستش اور بندگی کو نہیں چھوڑا، صرف توحید کو چھوڑا ہے، توحید کو نابود کیا ہے۔

"مدنیت" کا "شرکِ جدید"، "جاہلیت" کے "شرکِ قدیم" سے بیشتر اور پست تر خداؤں کا حامل ہے۔ جاہلیت میں وحشی عرب ایک خوبصورت، مرصّع اور جواہر نگار مجسّمہ کو پُوجتا تھا کہ جو سونے یا یاقوتِ سرخ کا بنا ہوتا تھا۔ وہ مظاہرِ قدرت، خوبصورتی، کمال، برکت، خیر، فن کے دیوتاؤں، فطرت کی قوتوں، فرشتوں، ایزدوں، اور موہوم، مگر ماورائی اور مقدّس شخصیتوں کی پرستش کرتا تھا، لیکن آج نئے مذہبِ شرک کا معبود "آلۂ تناسل" اور "اسافل اعضاء" کی سرحد تک نیچے آگیا ہے۔

وہ ہمیشہ اور ہمہ جا رہنے والے تین طاغوت آج ہمیشہ سے زیادہ ہر جگہ قیامت ڈھا رہے ہیں۔ آج کا فرعون ایک "نظام" ہے اور آج کا قارون ایک طبقہ، اور بلعم باعورا نے مذہب کی ردا اتار کر، سائنس، آئیڈیالوجی، اور صنعت کا لباس پہن لیا ہے۔

حیرت ہے، پہلے سورہ میں قرآن، تین شر کے بارے میں گفتگو کرتا ہے لیکن اس کا تکیہ خدا کی ایک صفت پر ہے۔ "فلق"!

اور دوسرے سورہ میں ایک "شر"، کی گفتگو کرتا ہے مگر تین صفتوں کے ساتھ: "رب"، "مَلِک"، اور "اِلٰہ"!

وہ تین شر انسان دشمن قوتوں کے وہ تین بیرونی المیے ہیں کہ جو اس کے حق کو مارتے ہیں اور یہ ایک "شر" وہ اندرونی اور داخلی المیہ ہے کہ جسے "حقیقت" مارتی ہے۔ غاسق کا تسلط، نفاثات کی اندیشہ کُشی، بددیانتوں کی زیان کاری مارتی ہے، قتل کرتی ہے، غارت کرتی ہے، بشری حقوق اور انسانی آزادی کو کچلتی ہے، انسان کو فقیر، اسیر اور جاہل بناتی ہے، لیکن بہرحال ان تمام المیوں کے ملبے تلے انسان باقی رہتا ہے۔ مگر المیہ

یہ ہے کہ یہ انسان دشمن قوتیں، اس پر تسلط جمانے، اس کی ہستی کو غت ربود کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے آج ہمیشہ سے زیادہ اس کو اندر سے کھوکھلا کر رہی ہیں اس کی انسانی اقدار کو اپاہج بنا رہی ہیں۔ اس لیے کہ تاریخ کے تجربے نے ان تین قوتوں کو یہ سکھایا ہے کہ ایک طبقے، ایک ملت اور عوام کی سیاسی اور اقتصادی اسارت کے لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ اسے انسانی اسارت کی طرف لایا جائے، اسے اندر سے ساقط کیا جائے، اور اس کی سرشت اور اس کی فطرت کو بیمار کر دیا جائے، مسخ کر دیا جائے۔

یہ وہ شر ہے کہ جو اُن تین "شر"وں سے زیادہ ہولناک ہے۔

ہر چند کہ شر انگیز طاقت ہر جگہ ایک سی ہے لیکن تثلیث کی حکومت کے نظام میں انسان کی انسانی فطرت کو جو نقصان پہنچ رہا ہے اور وہ المیہ کہ جو آج کے سمجھ دار انسان کے وجدان کو ڈرا رہا ہے، خنّاس ہے، انسان کا وہی دشمن کہ جو جاتا ہے اور پھر لوٹ آتا ہے، جس کے ہر جگہ تین چہرے ہیں اور جو ہر وقت ایک نئے نقاب میں ہے۔

"وسواس"، مردم کُش المیہ ہے، وہ زہر ہے کہ جسے تین سر اور سو چہروں والا سانپ، انسان پر اُنڈیلتا ہے۔ اور کیا ایسا نہیں ہوا کہ ابلیس نے سانپ کی شکل میں آدم کو بہکایا اور اسے خدا کی جنّت سے باہر نکال دیا۔

"وسواس" کا شر اُن تین "شر"وں کی پیداوار ہے اور "خنّاس" اُس طاغوت کا بدگہرا اہلکار، لیکن وہ شر کہ جو اُن تین "شر"وں سے زیادہ المناک ہے اور قرآن اپنے آخری پیغام میں ہمیں سمجھاتا ہے وہ وسواس خنّاس ہے کہ جو خود شرک کی ان تین طاقتوں کا المیہ ہے لیکن شرک کی ان تین طاقتوں سے زیادہ شریر اور زیادہ مرگبار۔ انسان کو اسارت، غارت

اور ضلالت کی طرف کھینچنے والی ان تین طاقتوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے صرف "الٰہی خود آگاہی" کافی ہے، ضروری ہے کہ رات کو تیغِ فلق سے شگافتہ کیا جائے۔ لیکن اس خنّاس ابلیسی طاقت کے لیے کہ جو لوگوں کی ذات میں حلول کرتی ہے اور انسان کو "وسواس" میں بدل دیتی ہے ضروری ہے کہ توحید کی پناہ حاصل کی جائے اور مالکیت، ملوکیت، اور الوہیت کی تین طاقتوں کی یگانگت کے موقع پر خدائے واحد کی ذات کے سہارے تثلیث کے ڈھانچے کو انسان کے وجود اور نیز انسان کے اجتماع سے اکھاڑ پھینکا جائے' اور ایک ہابیلی معاشرے کو کہ جو "اجتماعی توحید" اور "انسانی توحید" کی بنیاد پر استوار ہے اس کی جگہ قائم کیا جائے، ایک "مثالی اُمّت" وجود میں لائی جائے' ایک ایسی اُمّت کہ جس کی طرف ابراہیمؑ کا پیغام آواز دیتا ہے اور جس کے بنیاد کی ذمّہ داری اور خاتمیت کو لوگوں کے کاندھوں پر رکھا گیا ہے۔

لوگوں نے' آج اس المیے کو محسوس کر لیا ہے۔

ہم کہ جو دنیا میں ابراہیمؑ کی سنّت کے وارث ہیں ہماری ذمّہ داری ہے کہ ہم دنیا کے لوگوں کی نجات کے راستے کو جو قطعی طور پر زوال سے دوچار ہے آج کی سمجھدار، بیکار جُو اور انصاف پسند نسل کے سامنے لائیں۔ قُرآن' علیؑ کے خاندان اور حج نے ہماری ذمّہ داری کو بہت بھاری کر دیا ہے۔

"غاسق" اس وقت ہمیشہ سے زیادہ گھیراؤ کے ساتھ زمین پر مسلط ہے، اور یہی حال جادو پھونکنے والے نفاثوں کا بھی ہے کہ جو ہر جگہ ہمیشہ سے زیادہ قوت اور زیادہ پنہاں طور پر اپنے کام میں مصروف ہیں۔ آج انسان کا اپنے اوپر تسلّط ہر زمانے سے زیادہ ضعف کا شکار ہے اور وسواس خنّاس ـــــ کہ جس کا تعلق جنّوں اور انسانوں سے ہے ـــــ ہمیشہ سے زیادہ

طاقتور اور زیادہ المناک ہے!

اے وہ کہ جو "مقامِ ابراہیمؑ" پر ایستادہ ہو اور "وحی کی خاتمیت" نے ذمّہ داری کے بھاری بوجھ کو تمھارے کاندھوں پر ڈال رکھا ہے۔

اے آگاہ انسان! خدا کے جانشین، پیغمبروں کے وارث، اے وہ کہ جسے چاہیئے کہ وہ رسولؐ کو اپنی مثال بنائے تاکہ لوگ اسے اپنی مثال بنائیں،

اے بنائے "اُمّت" کے ذمّہ دار، "کتاب"، "ترازو"، اور "لوہے" کے مذہب کے پیروکار!

اے زمین پر "قائم بالقسط"، اے ظالم کے دشمن اور مظلوم کے دوست، اے مسلمان مجاہد!

اے "زمین پر کمزور بنا دیے جانے والوں" کی پکار پر لبیک کہنے والے کہ زمین کو "سفیانی"، "جبّاروں کے جور، قارونی خزانہ داروں کے ظلم، اور ایک "دجّالی" "آنکھ کی نظر بندی کی سازش کے ظہور نے بھر دیا ہے اور زمانے کے آخری موعود کے نجات، انتقام، حق، عدل اور صلح پر مبنی قیام کے جذبہ نے ذمّہ دار روشن خیال لوگوں اور دردمند عوام کے ضمیر کی گہرائی میں اپنے "ظہور کے علائم" کا آغاز کر دیا ہے۔

اے "خُلق و خوئے خدا پر اپنی تعمیر کرنے والے"، "وارثِ انبیاء"، "بنی اسرائیل کے پیغمبروں سے برتر" محمدی صفات کے حامل انسان کہ جسے چاہیئے کہ وہ اپنے زمانے کے حق کا شاہد اور تمام دنیا کی مخلوق کا شہید ہو، "خدا کے صالح بندے" کہ جسے چاہیئے کہ وہ اس فطرت میں خدائی کرے، اے وہ نسلِ حنیف کہ جو طوافِ عشق سے، سعئ آب سے منزلِ آگاہی و خود آگاہی

سے، تثلیث شرک کی رمی کے میدان اور اسماعیلؑ کی شہادت سے لوٹ رہے ہو اور ابراہیمؑ کی توحید کا نجات بخش پرچم، قرآن کا پیغام اور علیؑ کی ذوالفقار تمھارے ساتھ ہے اور تم زم زم کا پانی بھی تحفہ میں اپنے ساتھ لائے ہو! قبل اس کے کہ تم عزلت اور روپوشی اختیار کرو اور اپنے گھر کے تاریک غار میں گھُس پڑو اور تمھاری زندگی کا حریص مگرمچھ کہ جو ایک مہینے سے تم سے دُور تھا اور اب بھُوک سے بیتاب مُنہ کھولے تمھاری طرف بڑھ رہا ہے تاکہ تمھیں یونسؑ کی طرح نگل لے اور تمھیں اس غرقاب میں لے جائے جہاں تم مَرمَر کر جیو، تو تم لمحہ بھر کے لیے رک جاؤ اور اپنے ایمان اور پیمان کو ذہن میں لاؤ اور اپنے آپ کو، اپنے زمانے کو، اپنی نسل کو اور زمین و انسان کے چہرے کو دیکھو اور ہماری دنیا کے آگاہ ضمیروں کی فریاد کو سنو کہ کس طرح وہ "وسواس خناس" کے شر سے نالہ و زاری کر رہے ہیں۔

"ٹائن بی" بشری تمدّن کو "اندرونی دشمنوں" کے نرغے میں دیکھتا ہے خرچ، خرچ اور خرچ کا دیوانہ وار ہجوم اور اس کے گراف کی ذہن کو معطل کر دینے والی بلندی!

"مارکوزہ" خطرے کا اعلان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ انسان اوزار کی طرح "یک بُعدی" یا "ایک جہتی" ہو گیا ہے۔

"اریشں فروم" بستی بستی، مگر "بجھے ہوئے چراغ" کے ساتھ اس شہر کے گرد چکر لگا رہا ہے اور صحیح مفہوم سے متصف انسان کو نا امیدی کے عالم میں ڈھونڈ رہا ہے۔

"کامو" چیخ رہا ہے کہ "اران" کے شہر (اس عہد کے مدینۂ تمدّن) میں "طاعون" نے گھر کر لیا ہے، اور اس شہر کے "معبد" میں "معصوم بچے

وجہ جانے بغیر اس پُراسرار اور ہولناک بیماری سے مر رہے ہیں۔"

"جان ایزولہ"، "ایک مسلح شہزادے" کی بات کرتا ہے کہ جو سر سے پاؤں تک اسلحہ اور سونے میں غرق ہے مگر ایک ایسے نامعلوم اور جانکاہ درد میں مبتلا ہے کہ جس کی کوئی دوا نہیں۔'

ہالینڈ کے آگاہ مجسمہ سازوں نے "رتردام" کے نوساختہ شہر کے میدان میں ایک ایسے انسانی پیکر کی تخلیق کی ہے کہ جو پتھر جیسی سختی کا حامل ہے لیکن اس کے اعضاء باہم اس طرح ہیں کہ گویا ابھی ٹوٹ کر گرنے والے ہیں!

"الیوت وجولیس، ترزی" نے اساطیر سے ایک ایسے یونانی دیوتا کو لیا ہے کہ جو مخنّث ہے، نہ مرد ہے اور نہ عورت اور اسے آج کے انسان کے مخصوص خدا کی صورت دی ہے۔

"اوژنی یونسکو" انسانی المیہ کو بتاتا ہے کہ خنّاس نے اس میں حلول کیا ہے اور وہ "گینڈا" بن گیا ہے۔

"کافکا" نے آدم زاد کے ہولناک اور رقت بار چہرے کو کہ جسے فطرت میں جانشینِ خدا ہونا چاہیئے تھا اور خدا نے اسے اپنے جیسا بنایا تھا کینوس پر اتارا ہے اور بتایا ہے کہ وہ کس طرح "مسخ" ہو گیا ہے۔

بے شک "دوریان گری" کی تصویر آسکر وائلڈ¹ کی تصویر نہیں، آج کے جن زدہ انسان کی تصویر ہے۔

فلق میں بھاگ نکلو، اے المیہ کے آگاہ قتیل!

---

¹ O.WILDE

اس لیے کہ سیاہ رات نے ہر طرف ڈیرا ڈال لیا ہے ،
اس لیے کہ فنکار جادوگر گانٹھوں پر پھونک رہے ہیں ،
اس لیے کہ "دل میں حسد کا پھپھولہ رکھنے والے رات کے ساحروں کا کھلونا بن گئے ہیں اور دوست دشمنکام ۔"

"خدائے فلق" کی پناہ میں جاؤ تاکہ وہ شب کے گریبان کو چاک کر کے صبح کی اُجلی سفید نہر کو اس "منیٰ" میں جاری کرے ۔

اور خوف کھاؤ کہ وہ تین طاغوت ، بے حساب سپاہیوں اور پوشیدہ اسلحوں کے ساتھ نقاب اوڑھ کر بڑی دلیری سے واپس آ گئے ہیں ۔

اے "پدرِ کُشتہ طالب قصاص" ! "ہابیل کے وارث" !
قابیل مرا نہیں ہے ،
اے "وارثِ آدم" ! "مسجودِ ملائک" ،
ابلیس تم سے انتقام کے درپے ہے ،
اس "تین چہرے ، سات رنگ ، سات سو نام ، سات ہزار ہتھکنڈوں" اور "بار بار لوٹ کرنا محسوس طور پر فسوں سازی کرنے والے وسوسہ گر" سے بچو کر جو لوگوں میں وسوسہ ڈالتا ہے ۔

خدا سے پناہ مانگو ،
—— محمدؐ کی طرح ——
"خدائے فلق" سے
"لوگوں کے مالک سے"
"لوگوں کے ملک سے"
"لوگوں کے معبود سے"

اور تم اے حاجی ـــــ !
"عیدِ قربان" کے بعد بھی ،
اسی طرح منیٰ میں باقی رہو !
اور ہر روز ،
تین طاغوتوں کو ، پیاپے ، رمی کرو ،
سات بار ،
اور ہر بار ،
سات گولیاں !
اس لیے کہ ہر روز ، تشریق ہے ، عید قربان کے بعد کے تین دن
اور ہر مہینہ ، ذی الحجہ ،
اور ہر زمین ، منیٰ
اور انسان ، تاریخ اور .....
..... زندگی ، حج ہے .

—— ✲ ——

نتیجہ

اب منیٰ میں وقوف کا وقت ختم ہو گیا ہے ، حج مکہ کی دیوار کی پُشت پر اختتام کو پہنچا ہے .

مگر ابھی ایک طواف اور ایک سعی باقی ہے ، کہتے ہیں کہ ذی الحجہ کے آخر تک کسی وقت بھی تم اسے انجام دے سکتے ہو ، حتیٰ کہ ـــــ اگر کوئی ضرورت درپیش ہو تو ـــــ عرفات سے پہلے بھی اس کام سے فارغ ہو سکتے ہو !

پس حج، یہاں اختتام پذیر ہوا،
یہی سب جو آپ نے کیا حج تھا۔

اب اس سمے جب تم منیٰ کو چھوڑ رہے ہو، تم نے حج کی آخری منزل طے کر لی ہے،

اپنی انفرادی تکراری زندگی اور روزانہ کے باطل معمول کو ابراہیمؑ کی دعوت پر تم نے عاطل کر دیا اور موقع پر "میقات" میں حاضری دی، "وحی کنندہ" کے فرمان پر اپنی انفرادی زندگی کے لباس کو اُتار کر تم نے موت کے سفید لباس کو زیب تن کیا، اپنے خودی کے فرش سے قدم اٹھا کر تم نے ایمان کی سرزمین پر ــــ جہاد کے لیے اور فرشِ خدا پر مہمان بن کر ــــ قدم رکھا، اللہ کے سیدھے ہاتھ پر بیعت کی، گردابِ عشق میں اُتر گئے، طائف کے لوگوں میں اپنی نفی کی، زندگی کے غبار کو اپنے سے دھو کر اور اپنے اُوپر چڑھے ہوئے زنگ کو اُتار کر تم "خود" تک پہنچے، تم نے گرداب سے اپنا سر نکالا اور حیرت و پیاس بھرے کوہستان کے اندر "پانی" کی تلاش میں جستجو کی اور پھر مکّہ سے سیدھے عرفات میں ہبوط کیا اور پھر وہاں سے منزل بہ منزل خدا کی طرف رجعت کی اور پوری "آگہی" سے ــــ آفتابِ عرفات کے اجالے میں ــــ "خود آگاہی" کے ساتھ، شعورِ حرام کی پاکیزہ روشنی میں ظلمت کی حکومت اور شب کی تنہائی میں اسلحہ جمع کیا، اور حدودِ وقت میں سب کے ساتھ منیٰ کے محاذ سے گزرے اور میدانِ حرب میں یورش کی اور پہلے حملہ میں آخری مرکز کو تباہ کیا اور فارغ ہوئے اور عشق و ایمان کی سرزمین کو ابلیس کی حکومت سے پاک کیا، ابراہیمیؑ مقام پر پہنچے اور اس بلند چوٹی کو سر کیا جو "شہادت سے برتر" تھی، اور آخر میں جا کر تم نے گوسفند کو ذبح کیا!

اس عظیم ترین روحانی سفر اور بلند ترین انسانی معراج کے اختتام پر، نیز

توحید، ایثار، جہاد، شہادت اور خلقت کی خطرناک ترین منزلوں اور معرکوں سے گزر کر، ابلیس سے جنگ اور منزلِ عشق کی راہ کو سر کرنے کے بعد، تم کہاں پہنچتے ہو؟ کیا کرتے ہو؟

ذبح، ایک "دُنبے" کو ذبح!

کیوں؟ یہ کیا فلسفہ ہے؟ کیا راز ہے؟ اس حج کے اختتام پر کہ جس میں پورا ایمان سمایا ہوا ہے دُنبے کے ذبح کا مقصد کیا ہے؟

مجھے کہنے کی جرأت نہیں، ہمارے لیے، ہمارے مذہبی جذبے کے لیے شاید میری بات مناسب نہ ہو اور شاید کوئی اس پر یقین بھی نہ کرے۔

مگر ذرا رک جاؤ کہ خدا خود اس سؤال کا جواب دے اور بتائے کہ: کیوں؟

"فَكُلُوا مِنْهَا، وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ۔"

تاکہ تم خود بھی اسے کھاؤ اور ان لوگوں کو بھی کھلاؤ کہ جو مفلس مجاہد، خاموش مسکین اور مظلوم دادخواہ ہیں۔

اور پھر ارشاد ہوتا ہے:

"فَكُلُوا مِنْهَا، وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ۔"

تاکہ تم لوگ اس سے کھاؤ اور انھیں بھی کھلاؤ کہ جو زمانے کے محتاج اور مارے ہوئے لوگ ہیں!

یعنی غربت سے جنگ،

اور اختتامِ راہ میں ایک لقمے سے ــــــ جس سے کہ تم خود کھاتے ہو ــــــ ایک بھوکے کی بھوک سے نجات، ایک ستم دیدہ کی دستگیری،

اور بس!!

بازگشت

اے حاجی! اب تم کہاں جارہے ہو؟ گھر ــــ؟ زندگی کی طرف ــــ؟ دنیا ــــ؟

حج سے تمھارا واپس آنا اسی طرح ہے جس طرح کہ تم آئے تھے؟

ہرگز نہیں!

اے وہ کہ جس نے اس اسٹیج پر "ابراہیمؑ کے کردار" کو اشاریہ میں ادا کیا،

ایک اچھا اداکار اس شخصیت میں جس کا وہ رول ادا کر رہا ہے سما جاتا ہے اور اگر اس نے اچھا پارٹ ادا کیا تو اسٹیج کا کام ختم ہو جاتا ہے مگر اس کا کام ختم نہیں ہوتا۔ ایسے آرٹسٹوں کا وجود رہا ہے کہ جس کردار کو انھوں نے ادا کیا ہے پھر اس سے واپس نہیں نکلے ہیں اور اسی میں انھوں نے قضا کی ہے۔

اور تم، اے کہ جس نے ابراہیمؑ کے کردار کو اپنے ذمّہ لیا، کھیل میں نہیں، عبادت میں، عشق میں، خدا کے گھر سے اپنے گھر واپس نہ لوٹو، ابراہیمؑ کے کردار سے اپنے کردار پر نہ آؤ،

لوگوں کے گھر کو ترک نہ کرو، دوبارہ اپنے فرش پر پیر نہ دھرو، احرام کو تن سے نکال کر اپنا لباس نہ پہنو ــــ!

منیٰ سے مکّہ لوٹ آؤ، اپنے اسمٰعیل کے ساتھ!

اس ابراہیمؑ کی طرح جو تاریخ کا ایک عظیم بُت شکن اور عالم میں توحید کا بانی تھا، جس کے دوش پر قوم کی ہدایت کی ذمّہ داری تھی، جو دُنیائے کفر

کا ایک نافرمان، اور گویا فتنہ جو بردبار ھادی تھا، ایک ایسا پیغمبر تھا کہ جس کے جان و تن میں درد و الم، دل میں عشق، سر میں نور اور......

ہاتھ میں تبر تھا!

قلبِ کفر سے ایمان کا نکھار، شرک کی بدبو دار کیچڑ سے توحید کا اُبال ——،

ابراہیمؑ —— آزر کے اس گھر کا نکلا ہوا عالمِ بشریت کا بُت شکن کہ جو اپنے قبیلے کا بت تراش تھا!

بُت شکن، نمرود شکن، جہل و جور کو کچلنے والا، نیند کا دشمن، ذلت کی آسودگی اور ظلم کی امنیت کا فتنہ گر، قبیلے کا دھتکارا ہوا، حیات۔ حرکت۔ جہت۔ امید و آرزو اور ایمان و توحید کی تحریک کا رہنما،

ابراہیمؑ کی طرح آگ میں کود پڑو: آتشِ جور و جہل میں تاکہ خلقِ خدا کو اس آگ سے نجات دو۔

اس آگ میں کہ جو ہر اس انسان کی سرنوشت میں ہے کہ جو نور و نجات کا ذمہ دار ہے۔

لیکن ..... خدائے توحید، نمرودیوں کی آگ کو ابراہیمیوں پر گلزار کر دیتا ہے!

جلو گے نہیں، راکھ نہیں ہو گے، مقصد یہ تھا کہ تم راہ جہاد میں "آگ" تک پہنچو ——

تاکہ آگ سے خلقِ خدا کی نجات کی راہ میں اپنے آپ کو آگ کے حوالے کرو"

"دردناک ترین شہادت تک پہنچو"!

ابراہیمی صورت سے اپنے اسماعیل کو قربان کرو، اپنے دونوں ہاتھوں سے چھری اس کے گلے پر رکھو،

تاکہ خلقِ خدا کے گلے سے چھری ہٹا سکو، ان لوگوں کے گلے سے کہ جو ہمیشہ صاحبانِ قوت کے محلوں کے سامنے، لوٹ کے خزانوں اور ضرار و ذلت کے معبدوں کے آستانے پر ذبح ہو رہے ہیں۔ تیغ کو اپنے اسماعیل کے گلے پر رکھو تاکہ تم میں وہ توانائی آئے کہ تم تیغ کو جلّاد کے ہاتھ سے چھین سکو!

لیکن ..... ابراہیمؑ کا خدا، خود اسمٰعیلؑ کے فدیہ کو بھیجتا ہے،

تم ذبح نہیں کرو گے، اپنے اسماعیل کو اپنے ہاتھ سے نہیں دو گے، مقصد یہ ہے کہ تم ایمان کی راہ میں "اپنے اسماعیل کو اپنے دونوں ہاتھ سے ذبح کرنے" کی منزل تک آگے بڑھو۔

اس منزل تک کہ جو "شہادت سے زیادہ دردناک ہے"!

اور اب، اے وہ کہ جو طوافِ عشق سے آرہے ہو، "مقامِ ابراہیمؑ" پر کھڑے ہو، اس مقام پر تمھاری رسائی ہوئی ہے!

ابراہیمؑ بھی یہاں پہنچے تھے، تمام پُرکشمکش زندگی کے ہفت خوان سے گزر کر، بت شکنی سے، نمرود شکنی سے، عذاب کے منجنیق اور آگ کے خرمن سے، ابلیس کے خلاف جنگ سے، ذبح اسمٰعیلؑ سے، اور........ ہجرتوں، دربدریوں، تنہائیوں، مشقتوں اور نبوّت سے امامت تک کے سفر سے!

"فردیت" سے "جمعیت" تک اور "بت تراش آزر کے فرزندِ خانہ" سے "خانۂ توحید کے بانی" تک کے عمل سے!

ان تمام منزلوں سے گزر کر اب وہ یہاں کھڑے ہیں، بڑھاپے کی برف ان کے سر پر جمی ہوئی ہے، عمر کے اس آخری حصّے ہیں کہ جو پوری ایک

تاریخ ہے اب گھر کی بنیاد ڈالی جارہی ہے، حجرالاسود کی تنصیب ہو رہی ہے، خانۂ خدا دستِ خدا سے بن رہا ہے، اسمٰعیلؑ ان کے ہم دست ہیں کہ جو پتھر ڈھو ڈھو کر اپنے باپ کو دے رہے ہیں، باپ، اس پتھر پہ کھڑا گھر کی دیواروں کو بلند کر رہا ہے اور گھر کی تعمیر ہو رہی ہے!

کتنی عجیب منزل ہے، اسماعیلؑ اور ابراہیمؑ کعبے کے بانی مبانی! ابراہیمؑ آگ سے گزرے اور اسماعیلؑ قربانی کی منزل سے، اور اب یہ دونوں مامورِ خدا ہیں، مسؤلِ خلق ہیں، زمین پر معبدِ توحید کے قدیم ترین معمار ہیں، اس گھر کے معمار کہ جو تاریخ میں "گروہِ انسانی کا پہلا گھر" ہے۔ آزادی کا "آزاد گھر"، کعبۂ عشق، کعبۂ پرستش، حرم! "سراپردۂ ستر و عفاف و ملکوت" کا ایک اشاریہ۔

اور تم، اس وقت وہاں کھڑے ہو جہاں ابراہیمؑ کھڑے تھے —
صعودِ ابراہیمؑ کی سیڑھی کے آخری پلہ پر، ابراہیمؑ کی معراج کے بلند ترین اوج پر،
تقرب میں ابراہیمؑ کے نزدیک ترین فاصلے پر:
"مقامِ ابراہیمؑ پر"!

اس کی منزل پر کہ جو کعبہ کا بانی تھا، آزادی کے گھر کا معمار تھا، توحید کا بانی مبانی تھا، جو فرض شناس، عاشق، آگاہ، بُت شکن اور قبیلے کا ٹھکرایا ہوا تھا، جو جورِ نمرود، جہلِ شرک، اور اس ابلیس کے وسوسہ سے نبرد آزما تھا کہ جو "خنّاس ہے اور لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے"!

تم نے وطن سے دوری کی سختی جھیلی، سفر کی مصیبتیں برداشت کیں، تم آگ اور اپنے اسمٰعیل کی ذبح کے خطرے سے گزرے مگر اب یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ تمھیں صرف اپنے گھر اور اپنے اسماعیل کی فکر ہو، بلکہ ان لوگوں

کی سوچو کہ جو بے آسرا ہیں، جن کے پاس رہنے کے لیے گھر نہیں ہے، جو ظلم و جور کی چکی میں پس رہے ہیں، جو بے سہارا ہیں اور دستِ ظلم سے چھپتے پھر رہے ہیں، جن کا تعاقب ہو رہا ہے، جو زخمی شکار ہیں اور بے گھر و بے در پوری زمین پر خون آلود حالت میں ہراساں بھاگتے پھر رہے ہیں اور انھیں کوئی ٹھکانا نہیں مل رہا ہے اس لیے کہ ہر جگہ نمرود ان کے تعاقب میں ہے۔

تمھیں چاہیے کہ ظلمت کی اس شبِ یلدا میں تم ان کے لیے ایک مشعل بن جاؤ،

اور ظلم کی اس شب میں ان کی فریاد رسی کرو!

اور انسان کے لیے، خاندانِ خدا کے لیے ـــــ لوگوں کے لیے ـــــ ایک پاک اور آزاد حرمِ امن بنو، ایک حریم بنو، اس لیے کہ ہر جگہ شرمناک ہے اور ناامن، کیونکہ زمین کو ایک بڑا اور بے حرمت قحبہ خانہ بنا دیا گیا ہے اور وہ قتل گاہ کہ جس میں سوائے زیادتی، ہتکِ عزّت اور ناروا جانبداری کے باقی ہر چیز حرام ہے، اور تم، اے وہ کہ جو ابراہیمؑ کے کردار میں ظاہر ہوئے ہو، ابراہیمؑ کے مقام پر کھڑے ہو، ابراہیمؑ کے قدم پر اپنے قدم سنبھالے ہوئے ہو اور ابراہیمؑ کے خدا کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ بغرض بیعت رکھ چکے ہو،

ابراہیمؑ کی طرح زندگی گزارو اور اپنے عہد میں کعبۂ ایمان کے معمار بنو، اپنی قوم کو منجمد زندگی کے کیچڑ سے، مُردہ حیات سے، خوابِ راحت سے، ذلّتِ جور سے اور ظلمتِ جہل سے باہر لاؤ، ان کے نصیب کو جگانے کے لیے انھیں حج کی دعوت دو، طواف پر لاؤ،

اور تم اے "ہم پیمانِ" خدا، اے ہمگامِ ابراہیمؑ، اے وہ کہ جو طواف سے آ رہے ہو اور امرِ محبت کو طواف النسار کے ساتھ اختتام پر لائے ہو،

خلقتِ طائف میں اپنی فنا سے ابراہیمؑ کی صورت میں اُبھرے ہو اور معمار کعبہ، اور مدینۂ حرم کے بانی کی جگہ کھڑے ہو اور تمھارا رُخ اپنے "ہم پیمان" —— خدا۔ کی طرف ہے !

اپنی سرزمین کو منطقۂ حرم کرو !
اس لیے کہ تم منطقۂ حرم میں ہو ،
اپنے عہد کو عصرِ حرام بناؤ ،
اس لیے کہ تم عصرِ حرام میں ہو ،
اور زمین کو ، مسجد الحرام میں بدل دو ،
اس لیے کہ تم مسجد الحرام میں ہو ،
یوں کہ : " زمین مسجدِ خدا ہے "

اور تم دیکھ رہے ہو کہ :
"نہیں ہے " !

برتر از حج

شہادت

حسینؑ نے اپنی شہادت سے زیادہ بڑا ایک درس ہمیں دیا ہے اور وہ حج کو ادھورا چھوڑ کر شہادت کی طرف جانا ہے۔

وہ اس حج کو، جس کے احیار کے لیے ان کے تمام اسلاف واجداد نے، ان کے والد نے، ان کے جد نے جہاد کیا ادھورا چھوڑ کر شہادت کا انتخاب کرتے ہیں،

حج کے مراسم کو پورا نہیں کرتے ــــ

تاکہ تاریخ کے تمام حج کرنے والوں، نماز پڑھنے والوں اور سنّتِ ابراہیمؑ پر ایمان رکھنے والوں کو یہ سمجھا دیں کہ ــــــ

اگر امامت نہ ہو ــــ اگر رہبری نہ ہو ــــ اگر ھدف نہ ہو ــــ اگر حسینؑ نہ ہو ــــــ

اور اگر "یزید" ہو تو، خدا کے گھر کے گرد طواف اور بُت خانے میں کوئی فرق نہیں۔

جس لمحہ حسینؑ نے حج کو ادھورا چھوڑا اور کربلا کا عزم کیا جن

لوگوں نے ان کے غیاب میں اپنا طواف جاری رکھا وہ ان لوگوں کے برابر ہیں جو اسی حال میں معاویہ کے سبز محل کے گرد محوِ طواف تھے۔

"حج" ! بُت شکن ابراہیمؑ کی سنّت۔

"لوگوں کے گھر" یا "خدا کے گھر" ـــــ جو بھی کہیئے ـــــ میں اس سال صورتِ حال کیا ہے ؟

ہجومِ خلائق کا ایک گرداب ، بڑی بھیڑ اور جوش وخروش کے ساتھ محوِ طواف ہے ، چہرے شوق میں دمکے ہوئے ہیں ، دل عشق سے گداختہ ہیں۔ سب نے اللہ کی دعوت پر لبیک کہا ہوا ہے۔ ایمان کا جوش ، اسلام کے جذبے، خدا کا خوف ، عذابِ آخرت کی وحشت ، عقابِ دوزخ کا ڈر اور عبادت کا شوق ، اُمّت کے برگزیدہ لوگوں کو مقدس محیط میں گردش دے رہا ہے۔

ان چہروں میں :

اصحابِ پیغمبرؐ ، اسلام کے پیشرو ، جہاد کے سورما ، کفر کی سرزمینوں کے فاتح ، زمین کے بُت خانوں کو تباہ کرنے والے ، حامیانِ توحید ، حافظانِ قرآن، سنّت پر سختی سے عمل کرنے والے ، دینِ حنیف کے علماء ، سب کے سب گردش کر رہے ہیں ، سب کے سب ابراہیمؑ کے ساتھ تجدیدِ عہد کر رہے ہیں۔

اس دنیائے دنی ، اس جہانِ خاکی اور اس پست زمین پر واقع ہونے والی ہر چیز سے بے گانہ و فارغ ہو کر سب نے اپنا دل خدا سے وابستہ کر رکھا ہے۔

سب گھوم رہے ہیں ، بہشت ان کی آنکھوں میں رقص کر رہا ہے ـــــ حورانِ جنّت ان کے پارسا چہروں پر اپنی آنکھوں سے اشارے کر رہی ہیں ، فرشتے عرش کے طاق نما کٹے ہوئے طاقچوں سے شورِ شوق بلند کر رہے ہیں ، اور جبرائیل

نے ان کے طواف کرنے والے قدموں کے نیچے اپنے پَروں کو بڑی محبّت و شفقت سے پھیلایا ہوا ہے!

مگر یہ کون ہے ــــــــ

کہ جو بگڑے انداز میں، پُرعزم صورت سے، مسلمانوں کے پرہجوم طواف کے گرداب کو کاٹ کر باہر آرہا ہے اور اس "حرمت والے، امنیت والے، اور بزرگی والے" شہر کو پس پشت چھوڑ رہا ہے؟

ایک ایسے وقت میں کہ جب سارے مسلمانوں کا رُخ کعبہ کی طرف ہے اس نے کہاں کا ارادہ کیا ہے؟

کیوں کچھ دیر کے لیے پیچھے کی طرف نہیں لوٹتا کہ دیکھے کس طرح اس گھومنے والے دائرہ میں خلقِ خدا کو ــــ نمرود کے ارادے سے ــــ ابراہیمؑ کے گھر کے گرد گھمایا جارہا ہے، انھیں صفا و مروہ میں اپنی بےہودہ سعی پر دوڑایا جارہا ہے، عرفات سے ــــ کہ جو آغازِ تاریخ ہے اور زمین پر آدم و حوا کی ملاقات کی پہلی جگہ ــــ شب کی ظلمت میں انھیں اپنے مشعرالحرام میں لایا جارہا ہے اور شعور کی سرزمینِ حرام میں ــــ کہ جس میں ان شب و جہل کے بندوں کا داخلہ حرام ہے ــــ انھیں سلایا جارہا ہے تاکہ سحر کے آنے کی چاپ آتے ہی ــــ اغنام اللہ کے اس ریوڑ کو حرکت دے کر منیٰ کی سمت ہنکایا جائے اور وہ ــــ تثلیث کے ان نحس بتوں کی سرزمین میں ــــ ابراہیمؑ کے ساتھ ازروئے مذاق اور اللہ کے ساتھ دھوکے کی صورت میں اپنے دائمی تین خداؤں کو آدم سے آخرالزمان تک جھوٹ موٹ کی رمی کریں اور سات خوبصورت رنگارنگ اور ظریف کنکریوں کو اپنے نرم ہاتھوں کے ساتھ اپنے تین زمین و زمان کے خداؤں کے سفید قامت پر بڑی طنازی اور عاشقانہ اطوار سے نثار کریں اور گوسفندوں

کو اپنی ذلت بار سرنوشت کے عنوان سے ذبح کریں، اس لیے کہ یہ "اغنام اللہ" ہیں اور وہ خدا کے تین دائمی نمائندے،

انھوں نے ان کے اُون، دُودھ اور گوشت پوست سے اپنی شان بڑھائی ہے اور پیٹ آباد کیے ہیں، اس لیے کہ ہمیشہ سے ان کی قربانی یہی ہیں اور ہمہ جا "بے زبان" ذی روح۔

وہ اپنے نفس کی راہ میں انھیں ذبح کرتے ہیں اور ان کا سُرخ لہُو "سبز محل"، "مسجد ضرار" اور قارون کے بیت المال کی رگوں میں دوڑتا ہے،

اور آخر میں ———

ان "جمراتِ ثلاثہ" کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کے عنوان سے ان کا سر ترشواتے ہیں اور اس عنوان سے کہ "عملِ جور کا آلۂ کار، جہل ہے۔"

اور ———

"یہ مصلحت پرست لوگ ہیں کہ جن کے ہاتھ حقیقت کے خون سے رنگین ہیں ———"

اور یہی وہ لوگ ہیں کہ جو ہر عہد میں اور ہر نسل میں "اپنی غیبت" سے "انسان کی شہادت" کی راہ ہموار کرتے ہیں اور اس تقویٰ و تقدس کے نقاب کے پیچھے، بدخُو اور بدنہاد لوگ پنہاں ہیں،

اور یہی حج کرنے والے لوگ ہیں کہ جو ہمیشہ اور ہر جگہ اُن تین بُتوں کے وسوسوں سے اپنے اسماعیل کو نمرود کے قدموں میں ذبح کرتے ہیں.....،

"انسان کی قربانی" کے دن اور "زمانے کے اسماعیل کی ذبح" کا ان سے جشن منواتے ہیں اور پھر انھیں اس کیفیت میں لے آتے ہیں کہ وہ ——— ——— کعبہ سے منہ موڑ کر ذلت کے قبلے کا رخ کرتے ہیں اور "آخرت کی

جنّت" کو "دُنیا کے دوزخ" کے عوض خرید کر اپنے سرپرست کے باورچی خانے کی گرم راکھ پر عافیت کے نشے میں مَست سو رہتے ہیں،

اور ــــــ

لُوٹ کے دسترخوان کے بچے کھچے ٹکڑوں کو مزے لے لے کر کھاتے ہیں ــــــ!"

"ڈاکٹر علی شریعتی"

☆

شہیدِ محراب آیت اللہ سید عبد الحسین دستغیب شیرازی

یقین

یقین اور معرفت کے موضوع

پر ایک عالمانہ تحریر

ملنے کا پتہ:

☆

خراسان بک سینٹر

۱۲۔سنیعہ آرکیڈ ۔ بریٹو روڈ ۔ کراچی ۷۴۸۰۰

فون: ۷۲۲۱۷۱۸ - ۷۲۱۴۷۱۷

ڈاکٹر علی شریعتی

سورۂ روم

میں

ایک نیا دریچۂ فکر

☆

ناشر

خراسان بک سینٹر

۱۲۔ سنیعہ آرکیڈ ۔۔۔ بریٹو روڈ ۔۔۔ کراچی ۷۴۸۰۰

فون : ۷۲۱۴۷۱۷ - ۷۲۲۱۷۱۸

سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی

تاریخ اسلام

چار جلدیں

خراسان بک سینٹر

۱۲- سنیعہ آرکیڈ بریٹو روڈ کراچی ۷۴۸۰۰

فون : ۷۲۱۴۷۱۷ - ۷۲۲۱۷۱۸

شہیدِ محراب آیت اللہ سید عبدالحسین دستغیب شیرازی

معراج

☆

ناشر
خُراسان بُک سینٹر
۱۲-سنیعہ آرکیڈ — بریٹو روڈ — کراچی ۷۴۸۰۰
فون : ۷۲۱۴۷۱۷ - ۷۲۲۱۷۱۸

شہیدِ محراب آیت اللہ سید عبدالحسین دستغیب شیرازی

داستان پراگندہ کا ترجمہ

بکھرے موتی

اِخلاقی اور سبق آموز کہانیاں

دو جلدیں

☆

ناشر

خراسان بک سینٹر

۱۲- سنیعہ آرکیڈ — بریٹو روڈ — کراچی ۷۴۸۰۰

فون: ۷۲۱۴۷۱۷ - ۷۲۲۱۷۱۸

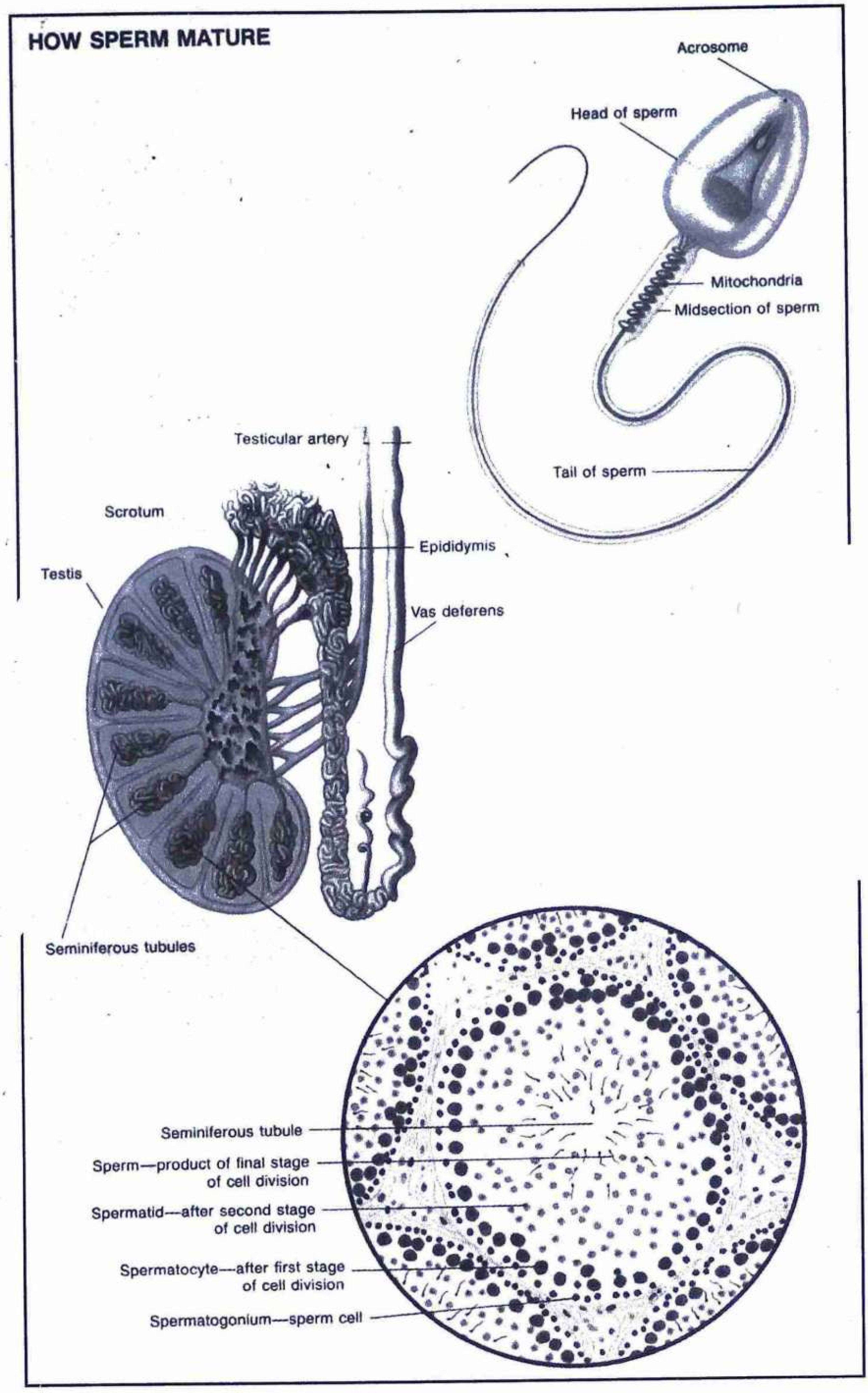
HOW SPERM MATURE
Acrosome
Head of sperm
Mitochondria
Midsection of sperm
Tail of sperm
Testicular artery
Scrotum
Testis
Epididymis
Vas deferens
Seminiferous tubules
Seminiferous tubule
Sperm—product of final stage of cell division
Spermatid—after second stage of cell division
Spermatocyte—after first stage of cell division
Spermatogonium—sperm cell

اس کی جنسی خواہشات خواب بن کر رہ جائیں گی۔

میں ایک بے حد پیچیدہ قسم کی مشین ہوں۔ مختصر جگہ میں جس قدر زیادہ کل پُرزے میرے اندر کام کرتے ہیں اس کا مقابلہ آپ کے جسم کے شاید چند ہی عضو کر سکتے ہیں۔ مثلاً اپنی ڈیڑھ انچ جگہ میں میرے اندر ہزاروں ٹیوب کا ایک جال پھیلا ہوا ہے۔ ایک ٹیوب ایک سے دو فٹ تک لمبی ہے۔ اگر ان سب کو مجھ سے نکال کر ایک لائن میں رکھا جائے تو ان کی لمبائی آدھے کلومیٹر سے تھوڑی کم ہوگی۔

یہ ٹیوب اتنی باریک اور نازک ہوتی ہیں جیسے ریشم کا باریک ترین دھاگا۔ یہ ساری باریک باریک نالیاں ایک نسبتاً بڑی نالی یا ٹیوب میں جا کر ختم ہوتی ہیں۔ یہ بڑی نالی بیس فٹ لمبی ہے۔ باریک باریک نالیوں کے نظام پر مشتمل یہی وہ کارخانے ہیں جہاں پچاس ملین یعنی پانچ کروڑ زندگی بردار اسپرم سیلز (نطفے) روزآنہ تیار ہوتے ہیں۔ یعنی ہر دو ماہ کے اندر ہماری پیداوار دنیا کی کل آبادی کے برابر ہو جاتی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اسپرم سیلز کی اتنی بڑی تعداد میں سے صرف چند ہی سیلز (خلیوں) کو یہ موقع حاصل ہوتا ہے کہ وہ ایک نئی زندگی کی تخلیق کے ڈرامے میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔

حیات آفریں خلیے پیدا کرنے کے اس نیٹ ورک کے علاوہ میرے اندر لاکھوں لیڈگ سیل بھی ہوتے ہیں۔ یہ خاص قسم کے خلیے مردانہ ہارمون ٹیس ٹوسٹیرون تیار کرتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ یہ مردانہ ہارمون خواتین کے جسم میں بھی پایا جاتا ہے اور ان کے دورانِ خون میں گردش کرتا رہتا ہے اور اس سے بھی عجیب بات یہ کہ خواتین کے جسم میں یہی ہارمون ان کے ایڈرنیل گلینڈز پیدا کرتے ہیں مگر خواتین میں اس ہارمون کی مقدار مردوں کے خون میں مقدار کا بیسواں حصہ ہوتی ہے۔ اگر یہ ہارمون خواتین کے خون میں موجود نہ رہے تو ان کی جنسی خواہشات ختم ہو جائیں اور اگر ان کے جسم میں اس کی زیادہ مقدار پیدا ہونے لگے تو ان کی نسوانیت میں مردانگی

کے آثار نمایاں ہو جائیں اور ان کے رخساروں پر داڑھی نکلنے لگے۔

جب آپ اپنی ماں کے پیٹ میں تھے تو اس وقت بھی میں اور میرا ساتھی دوسرا ٹیس ٹی کل آپ کے جسم میں موجود تھا لیکن موجودہ جگہ نہیں کسی اور مقام پر۔ آپ کی پیدائش سے دو ماہ پہلے ہمیں اوپر سے یہ حکم ملا کہ ہم اپنی عارضی جگہ چھوڑ کر موجودہ مقام پر آ جائیں۔ یہاں تک آنے کے لیے ہمیں انگوائنل کینال (Inguinal Canal) کا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ یہ راستہ قدرت نے ہمارے موجودہ مقام پر آنے کے لیے بنایا ہے لیکن ہمارے آنے کے بعد اگر ان گوائنل کینال کا منہ پوری طرح بند نہ ہو تو بعد میں اسی جگہ اکثر ہرنیا ہو جاتا ہے۔ یعنی اسی کمزور سوراخ سے آنتیں پھسل کر نیچے آ سکتی ہیں۔

اپنی سابقہ پوزیشن چھوڑ کر ہمارا موجود مقام پر آنا بے حد ضروری بلکہ ناگزیر ہوتا ہے اس لیے کہ اگر ہم یہاں نہ آئیں تو مرد دیکھنے میں تو مرد ہو سکتا ہے لیکن پھر وہ نہ مرد ہوتا ہے نہ عورت۔

بعض جعلی ڈاکٹرز اور حکیم ہماری صحت مند حالت کو نوجوانوں کو گمراہ کرنے کے لیے اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے اُن کے اعضائے تولید میں کوئی خرابی ہے۔ مثلاً اگر ہم جسم کی سطح سے الگ ہو کر نیچے کی طرف لٹکے ہوئے ہوں تو جعلی حکیم اور ڈاکٹر اسے خرابی کی علامت کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ یہ معاملہ کیا ہے آپ بھی سمجھ لیں!

آپ کے جسم کا نارمل درجہ حرارت 98.6 ہوتا ہے۔ ہم اس درجہ حرارت پر زندہ فعال اسپرم سیلز پیدا نہیں کر سکتے۔ ہمیں اپنے کارخانے چلانے کے لیے صرف 95.6 درجہ حرارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایئر کنڈیشننگ کا بے حد ترقی یافتہ، خود کار نظام عطا کیا ہے۔

وہ تھیلی جو ہمیں تھامے رکھتی ہے، قدرت نے اسے پسینہ پیدا کرنے والے

ننھے منے غدود سے بھر رکھا ہے۔ اس تھیلی میں موجود پسینہ پیدا کرنے والے غدود ہمارے اردگرد کی فضا کو مرطوب رکھتے ہیں۔ یہ رطوبت بھاپ بن کر باہر نکلتی رہتی ہے اور اس کے نتیجے میں ہمیں وہ درجہ حرارت حاصل ہو جاتا ہے جو ہماری پیداواری صلاحیت کے اعلیٰ معیار کے لیے ضروری ہے۔

اردگرد کا ماحول زیادہ گرم ہو تو یہ تھیلی باقی جسم سے ذرا فاصلے پر چلی جاتی ہے۔ یعنی ہم نیچے کی طرف لٹک جاتے ہیں۔ سردی زیادہ ہو تو یہ تھیلی سکڑ جاتی ہے تاکہ ہم جسم سے مطلوبہ درجہ حرارت حاصل کر سکیں۔ یہ سب آپ کے پالنے والے کی قدرت تخلیق کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ یہ صحت مندی کی علامات ہیں جنہیں ناعاقبت اندیش ''معالجین'' خرابی کی علامات بتاتے ہیں۔

تیز بخار کے دنوں میں ہماری پیداوار مکمل طور پر رک جاتی ہے۔ اگر پہلے کے تیار شدہ اسپرم سیل اسٹور نہ ہوں تو ایسے میں آپ ازدواجی تعلقات کے حوالے سے دوسری تمام ''سہولتوں'' سے حسبِ معمول استفادہ کر سکیں گے لیکن ممکن ہے عارضی طور پر کسی نئی زندگی کی تخلیق پر قادر نہ ہو سکیں! سردی کا موسم یا ٹھنڈک ہمیں زیادہ فعال بناتی ہے۔ ہم نسبتاً زیادہ اسپرم سیل تیار کرنے لگتے ہیں اور اس کے اثرات لازمی طور پر آپ کو بھی زیادہ پرجوش بناتے ہیں۔

ہمارے یعنی آپ کے ٹیس ٹی کلز کے تیار کردہ اسپرم (Sperm Cells) غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ جسم کے سب سے چھوٹے خلیے ہوتے ہیں۔ (ان کے برعکس خواتین کے بیضے (Egg Cells) جسم کے سب سے بڑے خلیے کہلاتے ہیں)۔ اسپرم سیلز کی شکل وصورت (بلکہ حرکات بھی) مینڈک کے دم والے ننھے منے بچوں سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ مینڈک کے یہ بچے جو ابھی مکمل مینڈک نہیں بنے ہوتے اپنی دم کی مدد سے پانی میں حرکت کرتے ہیں۔ ہمارے تیار کردہ اسپرم سیل بھی گول سر اور ننھی سی دُم والے ہوتے ہیں۔ اصل چیز ان کا سر ہوتا ہے

زندگی کا خزانہ اسی میں چھپا ہوتا ہے۔ دُم انہیں اس لیے دی گئی ہے تا کہ یہ اس کے ذریعے تیر کر آگے بڑھیں اور عورت کے بیضے میں مدغم ہو سکیں۔

جسم کے تمام دوسرے خلیوں میں 46 کروموسومز پائے جاتے ہیں اس کے برعکس اسپرم سیلز میں کروموسومز کی تعداد اس کا نصف یعنی صرف 23 ہوتی ہے۔ خواتین کے بیضوں میں بھی یہی انفرادیت پائی جاتی ہے۔ جب یہ دونوں خلیے یعنی اسپرم سیل اور ایگ سیل (عورت کا بیضہ) ایک دوسرے میں مدغم ہوتے ہیں تو 46 کروموسومز کی تعداد پوری ہو جاتی ہے اور ایک نیا خلیہ وجود میں آ جاتا ہے۔ یہیں سے ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ نئے انسان کے عدم سے وجود میں آنے کی ابتداء اسی خلیے سے ہوتی ہے۔

مرد کے مادۂ تولید (اسپرم سیلز) کے اندر لڑکا پیدا کرنے والے کروموسومز "Y" بھی ہوتے ہیں اور لڑکی کو وجود میں لانے والے کروموسومز "X" بھی۔ جب کہ عورت کے بیضے میں صرف "X" کروموسومز پائے جاتے ہیں۔ اس لیے اس بات کا تعین میرے اسپرم سیلز ہی کرتے ہیں کہ لڑکا پیدا ہوگا یا لڑکی۔ اس کے علاوہ میرے تیار کردہ اسپرم سیلز میں سے ہر خلیے میں جینز (Genes) ہوتے ہیں جو باپ کی طرف سے ملنے والی خصوصیات کو آئندہ نسل میں منتقل کرنے کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔

آج کے مہذب معاشرے میں بھی بہت سے خاندانوں میں لڑکی پیدا ہو جائے تو اس کا الزام بیوی یا بہو کے سر تھوپ دیا جاتا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس میں بیوی یا بہو کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔

اپنی دُم کے سہارے تیزی سے تیرتے ہوئے میرے اسپرم سیلز ایک گھنٹے میں سات انچ کی ''مسافت'' طے کر سکتے ہیں۔ ان کے سائز کو دیکھتے ہوئے ایک گھنٹے میں سات انچ کا یہ سفر تقریباً ایسا ہی ہے جیسے آپ ایک گھنٹے میں چالیس میل کا سفر دوڑتے

ہوئے طے کریں۔

ان لاکھوں زندگی بردار اسپرم سیلز میں سے عام طور پر کسی ایک ہی خلیے کے لیے ممکن ہوتا ہے کہ وہ عورت کی بیضہ دانی سے آنے والے بیضے میں مدغم ہو سکے۔ بیضے کی بیرونی سطح خاصی ''سخت'' ہوتی ہے۔ اگر ہم یعنی آپ کے ٹیس ٹی کلز اپنے مخصوص اینزائم (خامرے) اسپرم سیل کے ہمراہ نہ کریں تو اس کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ بیضے کی جھلی کو پھاڑ کر اس کے اندر داخل ہو سکے۔ اسپرم سیل جب بیضے کی سطح سے ٹکراتا ہے تو ہمارا یہ مخصوص ہارمون بیضے کی جھلی کو گھلا دیتا ہے اور اسپرم سیل کے اندر جانے کی راہ ہموار ہو جاتی ہے اور عورت کی بیضہ دانی سے آنے والا بیضہ بار آور ہو کر تخلیق کی اگلی منزل یعنی رحم مادر کی دیوار سے جا کر چپک جاتا ہے۔ (اس کی تفصیل ''رحم مادر'' والے باب میں موجود ہے)

بلوغت کے برسوں میں ہم ٹیس ٹی کلز پانچ کروڑ اسپرم سیلز روزانہ پیدا کرتے ہیں۔ انہیں زیادہ مقدار میں اسٹور کرنے کی گنجائش ہمارے پاس نہیں ہے۔ اگر مناسب وقفوں سے ان کا اخراج نہ ہو تو لاکھوں اسپرم سیلز ''بڑھاپے'' کے سبب مرجاتے ہیں اسی لیے ان کے اخراج کا ایک فطری نظام خواب کی حالت میں خودکار انداز سے کام کرتا ہے اور پرانے اسٹاک کو نکالنے کے ساتھ ذہنی خلفشار کو بھی ختم کر دیتا ہے۔ جونو جوان اس کام کو شعوری طور پر کرنے لگتے ہیں تو خودکار نظام کے کام کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اس کے برعکس کسی بھی سبب سے ان کا اخراج تیزی سے ہونے لگے تو لاکھوں اسپرم سیلز اپنی بلوغت کی منزل تک نہیں پہنچ پاتے۔ اگر ان کا اخراج غیر معمولی حد تک بہت زیادہ ہونے لگے، مثلاً دس دن تک روزانہ دو مرتبہ تو میرا خزانہ بہت جلد خالی ہو جاتا ہے۔ میری پیداواری صلاحیتیں اس بے اعتدالی کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ یہی نہیں ایسی صورت سے دوچار ہونے کے بعد مجھے اپنے کارخانوں کو دوبارہ چلانے اور

حالات کو معمول پر لانے میں ہفتوں لگ جاتے ہیں۔

نئے شادی شدہ جوڑے اکثر اس طرح کی صورتِ حال سے گزرتے ہیں۔ یعنی اعتدال کی بجائے بے اعتدالی کا رویہ۔ جب کئی ماہ تک حمل ٹھہرنے کے آثار دکھائی نہیں دیتے تو دونوں میاں بیوی متفکر ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں وہ سمجھتے ہیں کہ شاید مباشرت کرنے کے عمل میں اضافہ اس مسئلے کا حل ہے۔ اگرچہ صورتِ حال صبر و ضبط کی متقاضی ہوتی ہے یعنی اعتدال کی راہ۔ مباشرت میں مناسب وقفے دینا زیادہ ''نتیجہ خیز'' ثابت ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ کے اخراج میں میرے تیار کردہ اسپرم سیلز کی تعداد پانچ سے چھ کروڑ کے لگ بھگ ہوتی ہے لیکن مادہ تولید میں زیادہ مقدار اس گاڑھے سیال کی ہوتی ہے جو آپ کا پروسٹیٹ گلینڈ اور سمینل وزائکل (Seminal Vesicle) پیدا کرتے ہیں۔ اس رطوبت کا کام میرے اسپرم سیلز کو غذائیت اور توانائی کے ساتھ ساتھ نقل و حمل کے ذرائع فراہم کرنا ہے۔ یہ رطوبت شوگر، لحمیات اور معدنیات پر مشتمل ہوتی ہے۔ (اس کی تفصیل آپ پروسٹیٹ گلینڈ کے باب میں پڑھیں گے)

جب آپ جسمانی طور پر نابالغ تھے اس زمانے میں ہمارا کردار زیادہ نہیں تھا۔ یوں سمجھیں اس زمانے میں ہم دونوں اس وقت کا انتظار کر رہے تھے کہ ہمیں ''اوپر سے'' حکم ملے اور ہم خلقتِ انسانی کے ڈرامے میں اپنا کردار ادا کرنا شروع کریں۔ یہ حکم ہمیں آپ کے دماغ میں موجود پیچوٹری گلینڈ کی جانب سے ملا۔ خود اس نے یہ حکم کس کے اشارے پر جاری کیا ہمیں اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔

بہر حال پیچوٹری گلینڈ نے ایک ہارمون کے ذریعے یہ حکم جاری کیا کہ ہم نابالغ لڑکے کو ایک بالغ نوجوان میں تبدیل کرنے کا آغاز کر دیں۔ اس ہارمون کے ملتے ہی ہم نے اپنے اندر موجود باریک باریک رگوں سے بنے ہوئے نیٹ ورک کے ذریعے اسپرم سیلز کی پیداوار شروع کر دی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارے لیڈگ سیلز

(Leydig Cells) نے مردانہ ہارمون بنانا اور اسے دوران خون میں شامل کرنا شروع کردیا تھا۔

ٹیس ٹوسٹیرون نامی یہ ہارمون جادوئی انداز سے کام کرتا ہے۔ آپ کی امی کو یاد ہوگا کہ اس عمر میں آپ کے کپڑے تیزی سے چھوٹے پڑنے لگے تھے۔ سال بھر کے اندر آپ کا قد پانچ انچ بڑھ گیا تھا۔ آواز بھاری ہوگئی تھی۔ رخساروں پر داڑھی مونچھیں نظر آنے لگتی ہیں۔ جلد کے اندر موجود چکنائی کے غدود میرے ہارمون کے سبب زیادہ تیزی سے کام کرنے لگے تھے جس کے نتیجے میں آپ کے چہرے پر کیلیں اور مہاسے نظر آنے لگے تھے۔

میرے اس ہارمون کے اثرات کے تحت ایک طرف تو آپ کے جسم میں یہ تبدیلیاں رونما ہوئیں دوسری طرف اسی ہارمون کے اثرات نے آپ کی شخصیت کے اندر بھی تبدیلیاں پیدا کرنا شروع کردیں۔ آپ کے رویوں میں سنجیدگی اور بلوغت نظر آنے لگی۔ غصہ اور کسی حد تک بدمزاجی بھی پیدا ہوگئی اور آپ کے رویے میں زیادہ اعتماد ابھر آیا۔

ہمارے تیار کردہ ہارمونز جنسی معاملات میں تو کردار ادا کرتے ہی ہیں، اس کے ساتھ یہ بلوغت کے بعد کے دنوں میں آپ کے جذبات پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ ہارمون آپ کے خون میں موجود نہ ہوں تو آپ جھنجلاہٹ، غصے، بیزاری، چڑچڑے پن اور نیند کی کمی کا شکار ہوجائیں گے۔ یادداشت جواب دینے لگے گی اور آپ جسم کے مختلف حصوں میں ایسی تپش کا احساس کریں گے جیسی تپش سن یاس (Menopause) سے گزرنے والی خواتین کو محسوس ہوتی ہے۔

مقدار و معیار کے حساب سے ہم سب سے زیادہ ہارمونز 25 سے 35 سال کی عمر میں پیدا کرتے ہیں۔ 47 برس کی عمر سے یہ مقدار روبہ زوال ہونے لگتی ہے۔ وقت گزرنے کے بعد جوش و جذبے اور خواہش میں کمی آنے لگتی ہے لیکن ہم دونوں آپ

کے جسم کی دوسری اہم ضروریات کے لیے ٹیس ٹوسٹیرون کی مناسب مقدار پیدا کرتے ہی رہتے ہیں۔ جب آپ 90 برس کے ہو جائیں گے تو ہم اسپرم سیلز کی پیداوار اس وقت بھی جاری رکھیں گے مگر ان کا معیار عام طور پر نئی زندگی کی تخلیق میں قابل ذکر کردار ادا کرنے سے قاصر رہے گا۔

خاص دوائیں، کشتے، کیپسول سب جوان رکھنے کے خواب ہیں۔ ممکن ہے یہ چند لمحوں کے لیے جوان بنا کر بڑھاپا آنے کی رفتار کو تیز تر کر دیں۔ ان سے پرہیز کریں۔ خود کو فٹ رکھنے کے لیے اپنی عمومی صحت اور غذا کا خیال رکھیں۔ تمام جسم ٹھیک ہوگا تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے لیکن یاد رکھیں ہر عمر کے اپنے تقاضے اور ضروریات ہوتی ہیں۔ سنجیدگی بچپنے میں، بڑھاپا جوانی میں اور شوخیاں بڑھاپے میں اچھی نہیں لگتیں۔

*

ٹرانسپورٹر

پروسٹیٹ گلینڈ

اس نیم سیال مادے میں ایسے کیمیائی اجزاء بھی شامل ہوتے ہیں جو مردانہ اور زنانہ اعضاء کی اندرونی گزرگاہوں میں موجود سخت تیزابی اجزاء کے اثرات کو بے اثر کر دیتے ہیں تاکہ زندگی بردار اسپرم سیلز بحفاظت اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکیں۔ اس حیران کن نیم سیال مادے کو میں ہی تیار کرتا ہوں۔

پروسٹیٹ کی کہانی، خود اس کی زبانی

جسم کے بہت سے اعضاء تو ایسے ہیں کہ انسان کو چالیس پچاس سال کی عمر سے پہلے تو ان کا علم ہی نہیں ہو پاتا۔ وہ بھی اس صورت میں کہ ان میں سے کسی عضو میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے۔ میرا شمار جسم کے انھی اعضاء یا غدود میں ہوتا ہے۔

آپ کی زندگی کو جسمانی لذتوں سے خوشگوار بنانے میں میرا کردار بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اگر میں یہ کہوں تو غلط نہیں ہوگا کہ اگر میں نہ ہوتا تو اس کرۂ ارض پر حضرت انسان کی شکل شاید ہی کہیں دیکھنے کو ملتی۔ زندگی بردار اسپرم سیل میرے ہی تیار کردہ حیات آفریں سیال میں سفر کرتے ہیں۔ یہ سیّال مادّہ لحمیات، خامروں، چکنائی اور شوگر سے مالا مال ہوتا ہے اور اسپرم سیلز کو تیز رفتار سفر کی سہولت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کی غذائیت اور توانائی بھی فراہم کرتا ہے۔

اس نیم سیال مادے میں ایسے کیمیائی اجزاء بھی شامل ہوتے ہیں جو مردانہ اور زنانہ اعضاء کی اندرونی گزرگاہوں میں موجود سخت تیزابی اجزاء کے اثرات کو بے اثر کر دیتے ہیں تاکہ زندگی بردار اسپرم سیلز بحفاظت اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکیں۔ مردوں کے لیے جسمانی لذت کے عروج کا عرصہ وہی ہوتا ہے جس عرصے میں میرا

تیار کردہ یہ نیم سیال مادہ مجھ سے نکل کر جسم سے باہر جا رہا ہوتا ہے۔ اس حیران کن نیم سیال مادے کو میں ہی تیار کرتا ہوں۔ میں آپ کا پروسٹیٹ گلینڈ ہوں۔

میرا رنگ کتھئی اور سائز اخروٹ کے برابر ہے۔ میں آپ کے پیٹ کے نیچے اور ٹھیک مثانے کے منہ پر رہتا ہوں۔ میں نے اپنی جو خوبیاں ابھی بیان کی ہیں ان کے برعکس میں انسان کی زندگی اجیرن بھی کرسکتا ہوں۔ اس کی نیند برباد کرسکتا ہوں۔ اس کی خون میں زہر کی آمیزش کرسکتا ہوں حتیٰ کہ اسے موت کے گھاٹ اتار سکتا ہوں اگر کسی شخص کی عمر طویل ہو تو میں خود کینسر کا شکار ہوسکتا ہوں۔ کینسر ہونے کے امکانات پھیپھڑوں کی نسبت مجھ میں کہیں زیادہ پائے جاتے ہیں۔

آپ کے زمانہ بلوغت تک میرا سائز بادام کے برابر تھا۔ بلوغت کے آغاز کے ساتھ جب دوسرے اعضاء میں تبدیلیاں رونما ہونا شروع ہوئیں تو دماغ سے آنے والے ہارمون کے سگنلز کے مطابق میں نے بھی بڑھنا شروع کر دیا۔ موجودہ سائز میں آنے کے بعد میرے کارخانے اپنی پوری صلاحیت کے ساتھ کام کرنے لگے۔ یہ مخصوص رطوبت یا سیال مادّہ جو جنسی ملاپ کے وقت مادہ تولید کے ساتھ خارج ہوتا ہے مجھ میں موجود بہت سے غدود تیار کرتے ہیں اور میں اسے اپنی بافتوں سے بنی ہوئی ایک تھیلی یا بیگ میں اسٹور کرتا رہتا ہوں۔

جنسی ہیجان کے لمحوں میں مجھے کس لمحے اپنے ذخائر کو خالی کرنا ہے اس کے بارے میں مجھے پہلے سے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ بس میں خود کو تیار رکھتا ہوں اور آپ کی ریڑھ کی ہڈی کے نچلے سرے سے آنے والے احکامات (سگنلز) کا انتظار کرتا ہوں۔ جیسے ہی یہ سگنل مجھے موصول ہوتا ہے، میں اپنے دریا کا منہ کھول دیتا ہوں اور آپ کیف سرور کی ایک ایسی کیفیت محسوس کرتے ہیں جو اگرچہ چند لمحوں پر محیط ہوتی ہے لیکن اس کی خاطر عام انسان اکثر اپنی دنیا و آخرت دونوں کو داؤ پر لگانے کو تیار ہو جاتا ہے۔

ریڑھ کی ہڈی کے نچلے سرے سے جب یہ سگنل مجھے موصول ہوتا ہے تو اس

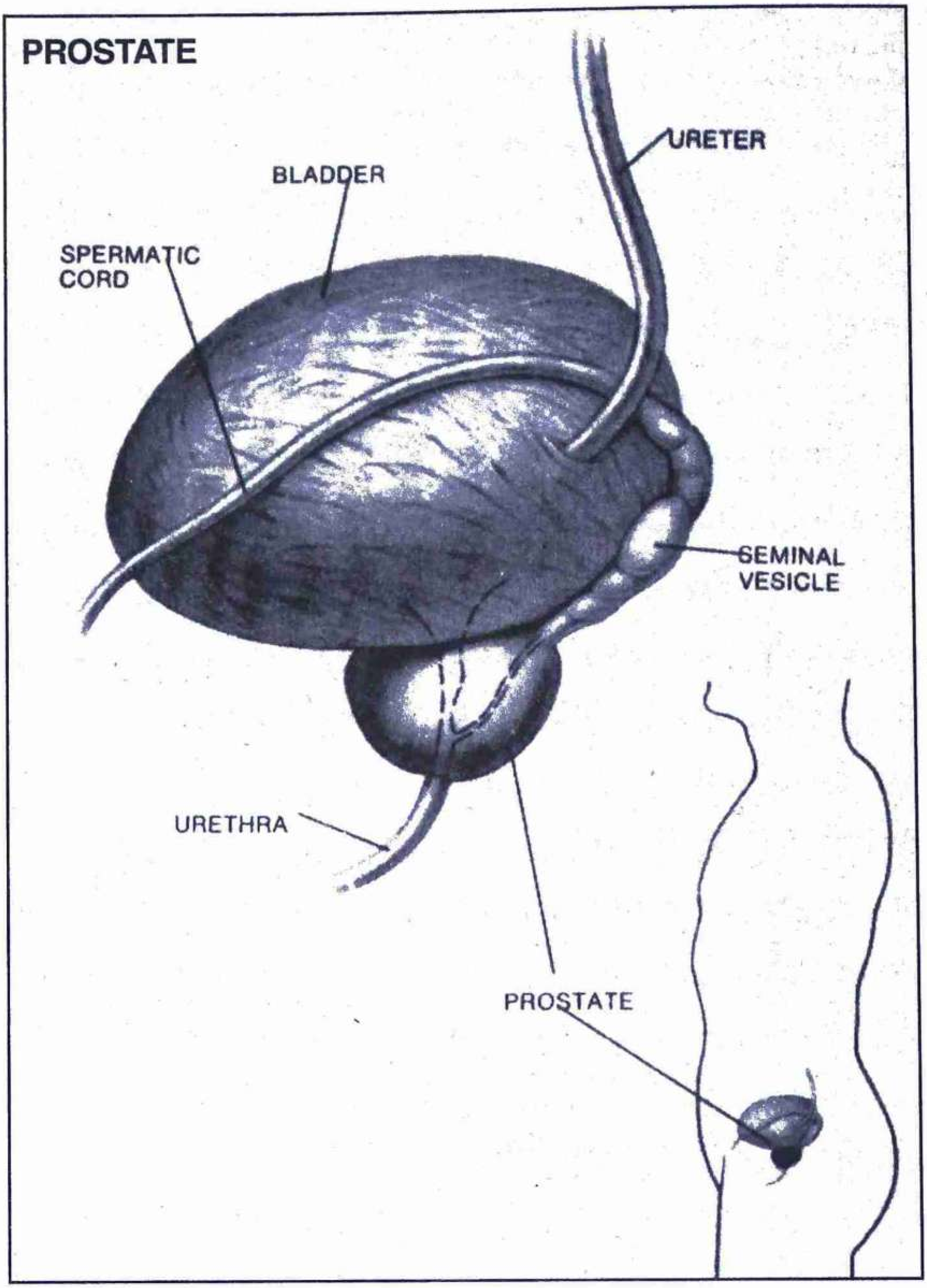

وقت میرے اردگرد بڑی پراسرار سرگرمیاں دیکھنے میں آتی ہیں ۔ مثلاً اس سگنل کے آنے سے پہلے پہلے آپ کے مثانے کا منہ سختی سے بند ہو جاتا ہے تاکہ ان لمحوں میں پیشاب کا ایک قطرہ بھی باہر نہ نکل سکے۔ میرے عضلات بار بار سکڑنے لگتے ہیں ایسا

ہی میری دونوں سیمنل وزائکلز کے ساتھ ہوتا ہے۔ سیمنل وزائکلز غدود اس ٹیوب کا حصہ ہیں جو مجھ یعنی پروسٹیٹ گلینڈ کے اندر سے گزر کر اس راستے تک جارہی ہے جہاں سے مادہ تولید کا اخراج ہوتا ہے۔

سیمنل وزائکلز ان اسپرم سیلز کو اپنے اندر اسٹور کرتی ہیں جو آپ کے ٹیسٹی کلز تیار کرتے ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جڑی ہوتی ہیں۔ جڑی ہوئی دو مونگ پھلیوں کی طرح۔ مادۂ تولید کی مجموعی مقدار کا 20% سیمنل وزائکلز فراہم کرتی ہیں اور باقی میں یعنی آپ کا پروسٹیٹ گلینڈ۔ ایک بار میں اس کی مقدار پانچ ملی لیٹر یا چائے کے چمچے کے بہ قدر ہوتی ہے۔ یہ مرکب، نیم سیال مادہ اسی راستے سے باہر نکلتا ہے جہاں سے زہریلے مادے پیشاب کی صورت جسم سے خارج ہوتے ہیں۔

یہ نیم سیال مادہ جس کے اندر کم از کم پانچ کروڑ زندگی بردار اسپرم سیلز تیر رہے ہوتے ہیں جسم سے نکل کر تخلیق کے راستوں پر گامزن ہوتا ہے یا پچھتاوؤں کے دھندلکوں میں کہیں گم ہو جاتا ہے اس سے مجھے کوئی غرض نہیں۔ میری ذمے داری اس کی تیاری اور فراہمی سے زیادہ نہیں۔

میرے تین خانے یا سیکشن ہیں۔ یہ تینوں خانے ایک دوسرے کے برابر برابر بنے ہوئے ہیں اور تینوں ایک کیپسول کے اندر بند ہیں۔ وہ نالی جو آپ کے مثانے سے پیشاب خارج کرتی ہے، میرے درمیانی خانے کے اندر سے ہو کر گزرتی ہے۔ یہاں کوئی خرابی پیدا ہو اور میرے اندر یعنی آپ کے پروسٹیٹ گلینڈ میں سوجن آجائے تو بڑے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً انفیکشن، سوزش اور کینسر کے سبب میرے ان خانوں یا سیکشن کا سائز بڑھ سکتا ہے ان میں سوجن آسکتی ہے اور اس کے نتیجے میں پیشاب کی نالی بند ہو سکتی ہے اور پیشاب بند ہونے کا مطلب آدمی کی سمجھ میں اسی وقت آسکتا ہے جب ایسا ہو جائے۔

پیشاب کی نالی اگر جزوی طور پر بھی بند ہو جائے تو پیشاب مثانے سے باہر

جانے کی بجائے مثانے کے اندر واپس آنے لگتا ہے۔ گندآب کے اس تالاب میں بیکٹریاز کو کھل کھیلنے کا موقع مل جاتا ہے۔ یہاں ان کی افزائشِ نسل کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اوراس کے نتیجے میں شدید قسم کا انفیکشن۔

پیشاب کی یہ نالی مکمل طور پر بند ہو جائے تو زہریلا پیشاب گردوں میں واپس ہونے لگتا ہے اور گردوں کے ذریعے دورانِ خون میں شامل ہو جاتا ہے۔ سیورج کا گندا پانی، آبِ حیات میں شامل ہو جائے تو نتائج کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ فوری موت واقع نہیں ہوتی۔ موت کے قدموں کی آہٹ مدھم ہوتی ہے لیکن شدید اذیت کے ساتھ۔

کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ چوبیس گھنٹے میں سیورج کا پانی آپ کے جسم سے کتنی بار باہر نکلتا ہے! اس معاملے میں آج تک آپ کو شاید ہی کبھی کوئی مشکل پیش آئی ہو اور اس عمل سے بہ خیر و خوبی فارغ ہونے کے بعد شاید ہی کبھی آپ نے شکر ادا کرنے کی ضرورت محسوس کی ہو۔ جسم سے زہریلے مادے خارج کرنے کا یہ نظام ایک خودکار انداز سے چل رہا ہے۔ جب سے آپ اس دنیا میں آئے ہیں اس دن سے لے کر آج تک اس نظام کے چلانے میں آپ کا کوئی کردار نہیں۔ سوائے اس کے کہ جب آپ کو اشارہ ملے، آپ باتھ روم کا رخ کریں اور بس۔

کتنے مریضوں کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ ان کے بیڈ کے نیچے ایک تھیلی لٹکی ہوتی ہے۔ اس تھیلی میں ایک ٹیوب کے اندر سے گندآب قطرہ قطرہ ہو کر تھیلی میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ یہ پتلی سی ٹیوب اسی گزرگاہ سے گزار کر مثانے تک پہنچائی جاتی ہے جہاں سے پیشاب جسم سے خارج ہوتا ہے۔ لوگ ایسے مریضوں کو دیکھ کر ان پر ترس کھاتے ہیں لیکن جب تک خود ان کا اپنا ڈرینج سسٹم ٹھیک طرح سے کام کرتا رہتا ہے اس وقت تک نہ وہ اللہ کی ان نعمتوں کی قدر و قیمت پر غور کرتے ہیں اور نہ کبھی اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

عمر بڑھنے کے ساتھ آپ کے ٹیس ٹی کلز اپنی پیداوار کم کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں میری خدمات کی ضرورت بھی کم ہو جاتی ہے اس لیے مجھے بھی سکڑ جانا چاہیئے لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ سکڑنے کی بجائے میرا سائز بڑھ جاتا ہے۔ انتہائی صورتوں میں میرا سائز چکوترے کے برابر ہو سکتا ہے۔ اس کا سبب کینسر بھی ہو سکتا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ یعنی میرا بڑھنا بے ضرر بھی ہو سکتا ہے اور خطرناک بھی۔ ویسے بے ضرر ہونے کے امکانات خاصے معدوم ہوتے ہیں۔

آپ خوش قسمت ہیں کہ فی الحال میرا سائز بالکل نارمل ہے لیکن بہت جلد، بڑی سست رفتاری سے میرے اندر سوجن کا آغاز ہونے والا ہے۔ جب آپ پچاس سال کی عمر کو پہنچیں گے تو آپ کے پروسٹیٹ گلینڈ کا سائز بڑھنے کے امکانات 20% فیصد ہوں گے۔ ستر سال کی عمر میں 50% فی صد اور اسّی برس کی عمر میں اس خطرے کے امکانات 80% ہوں گے۔

میرے وزن و حجم میں یہ اضافہ کیوں ہوتا ہے اس کا جواب میرے پاس نہیں ہے لیکن اس معاملے کا کوئی تعلق سیکس ہارمونز سے ضرور ہے کیوں کہ مخنث افراد میں شاید ہی کبھی ایسا ہوتا ہو۔

پروسٹیٹ گلینڈ کا صرف بڑھ جانا کوئی سیریس مسئلہ نہیں ہے لیکن اگر میرے بڑھ جانے سے پیشاب کی نالی پر دباؤ بڑھ جائے تو مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی علامات پیشاب کی دھار کا چھوٹا اور پریشر کا کم ہو جانا ہے۔ اس کے ساتھ اگر اس علاقے میں انفیکشن بھی ہو تو پیشاب کرتے وقت جلن کا احساس بھی اس کی ایک علامت ہے۔ دوسری علامتوں میں بار بار پیشاب آنا اور ہر بار یہ ناگوار سا احساس ہونا کہ پیشاب پوری طرح نہیں ہوا۔

اگر یہ علامات ظاہر ہوں تو فوری طور پر ڈاکٹر سے رجوع کرنا آپ کے فائدے میں رہے گا۔ ضروری نہیں کہ ڈاکٹر آپ کو آپریشن ہی بتائے۔ ایسے میں 20 میں سے

ایک کیس میں سرجری کا امکان ہوتا ہے۔ ڈاکٹر یہ طے کرنا چاہے گا کہ کوئی انفیکشن یا سوجن تو نہیں ہے۔ ساتھ ہی وہ مریض کو شراب، مرچوں، چائے اور کافی سے پرہیز کرنے کے لیے کہے گا۔ ان سب اشیاء میں ایسے اجزاء موجود ہوتے ہیں جو پیشاب کی نالی میں سوزش پیدا کر سکتے ہیں۔ پروسٹیٹ گلینڈ میں کسی خرابی سے مذکورہ بالا علامات ظاہر ہوں اور پھر یہ اجزاء بھی پیشاب کی نالی میں سوزش پیدا کریں تو یہ نالی مکمل طور پر بند بھی ہو سکتی ہے۔

پیشاب کی نالی (Urethra) کا مکمل طور پر بند ہو جانا ایمرجنسی کی صورتِ حال ہوتی ہے۔ اس وقت پیشاب کی نالی کو کھولنا اور ڈرینج سسٹم کو دوبارہ بحال کرنا سب سے ترجیحی مسئلہ ہوتا ہے۔ اس کے لیے ڈاکٹر ربر کی ایک پتلی سی ٹیوب پیشاب کی گزرگاہ کے اندر داخل کر کے اسے گند آب یا پیشاب کے اسٹور یعنی مثانے تک پہنچاتے ہیں۔ مثانے میں جمع ہونے والا پیشاب اس ٹیوب کے ذریعے باہر نکلنے لگتا ہے۔ اگر یہ پیشاب اس طرح باہر نہ نکالا جائے تو آخر کار گردوں میں واپس جا کر دورانِ خون میں شامل ہونے لگتا ہے۔ ایسے میں جسم کے اندر موجود اللہ کی کھرب ہا کھرب مخلوق (خلیوں) کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے اور نتیجتاً خود مریض کی بھی۔

اس اہم کام سے فارغ ہونے کے بعد سرجن کو اتنا وقت مل جاتا ہے کہ وہ مسئلے کی شدت کے حساب سے مختلف امکانات پر غور کر سکے۔ اس وقت سرجن کے پاس کئی راستے ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر میرا حجم بہت زیادہ بڑھ چکا ہے تو آپریشن کے ذریعے مجھے نکال دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس یہ بھی ممکن ہے آپریشن کی ضرورت ہی نہ پڑے اور سرجن ایک مخصوص آلہ پیشاب کی نالی کے ذریعے اندر داخل کر کے پیشاب کی نالی کو بند کرنے والے ریشوں کو کھرچ کر باہر نکال دے۔ اس رکاوٹ کے دور ہوتے ہی مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ یہ مخصوص آلہ بجلی کے ذریعے کام کرتا ہے۔ اس کے اندر داخل ہونے والے سرے پر ایک ننھا سا بلب بھی لگا ہوتا ہے جس کی مدد سے سرجن اس

علاقے کا تفصیلی معائنہ کرسکتا ہے۔اس آلے کا دوسرا حصہ غیر ضروری بافتوں یا ریشوں کو کھرچنے کا کام کرتا ہے۔

اس سلسلے میں تیسرا ممکنہ طریقہ یہ ہے کہ پیشاب کی نالی میں رکاوٹ پیدا کرنے والے ٹیشو کو سیال نائٹروجن کی مدد سے یخ بستہ کردیا جائے۔ برف کی طرح جمنے سے یہ بافتہ (ٹیشو) مردہ ہوجاتا ہے اور سطح سے الگ ہوکر پیشاب کے ساتھ باہر نکل جاتا ہے۔

اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ ان طریقوں پر عمل کرنے سے ان کی مردانگی پر حرف آجائے گا لیکن ضروری نہیں کہ ایسا ہو۔ اگر میرے اندر کینسر نے ہاتھ پاؤں نہ پھیلا رکھے ہوں تو پروسٹیٹ کا آپریشن کرانے والے پانچ میں سے چار افراد کی جنسی صلاحیتوں کو کسی طرح کا خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔

میرا صرف بڑھ جانا کوئی خطرناک بات نہیں لیکن بڑھنے کے ساتھ میرے اندر کینسر بھی پیدا ہوجائے تو مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔ میرے اندر پیدا ہونے والا کینسر بہت خطرناک ہوتا ہے۔ خاص طور پر اس لیے بھی کہ اس کا بروقت پتا چلنا مشکل ہے۔ 20 سے 19 افراد اس وقت ڈاکٹر کے پاس پہنچتے ہیں جب معاملہ سرجن کے ہاتھ سے بھی نکل چکا ہوتا ہے۔ اس اسٹیج پر سرجری بھی کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتی۔

پچاس سال کی عمر کے لوگوں میں میرے کینسر کے چانسز 5% ہوتے ہیں۔ ستر سال کی عمر میں اس کے امکانات 50% ہوجاتے ہیں۔ بہر حال یہ اعداد و شمار اتنے خوفناک نہیں جتنے کے بہ ظاہر لگ رہے ہیں۔ میرا کینسر بہت سست رفتاری سے بڑھتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ کینسر ہوا اور آدمی چند ہفتوں یا مہینوں میں چٹ پٹ ہوگیا۔ اس لیے زیادہ تر لوگوں کو اتنی سہولت اور وقت مل جاتا ہے کہ وہ پروسٹیٹ کا کینسر کے ہونے کے باوجود ذیابیطس، شریانوں کے سخت ہوجانے، دل کی خرابی یا کسی دوسری بیماری کے سبب دنیا سے کوچ کرجائیں۔

میرا کینسر اگر سرجری کے کمالات سے بالا نہ ہو تب بھی ایسے علاج موجود ہیں

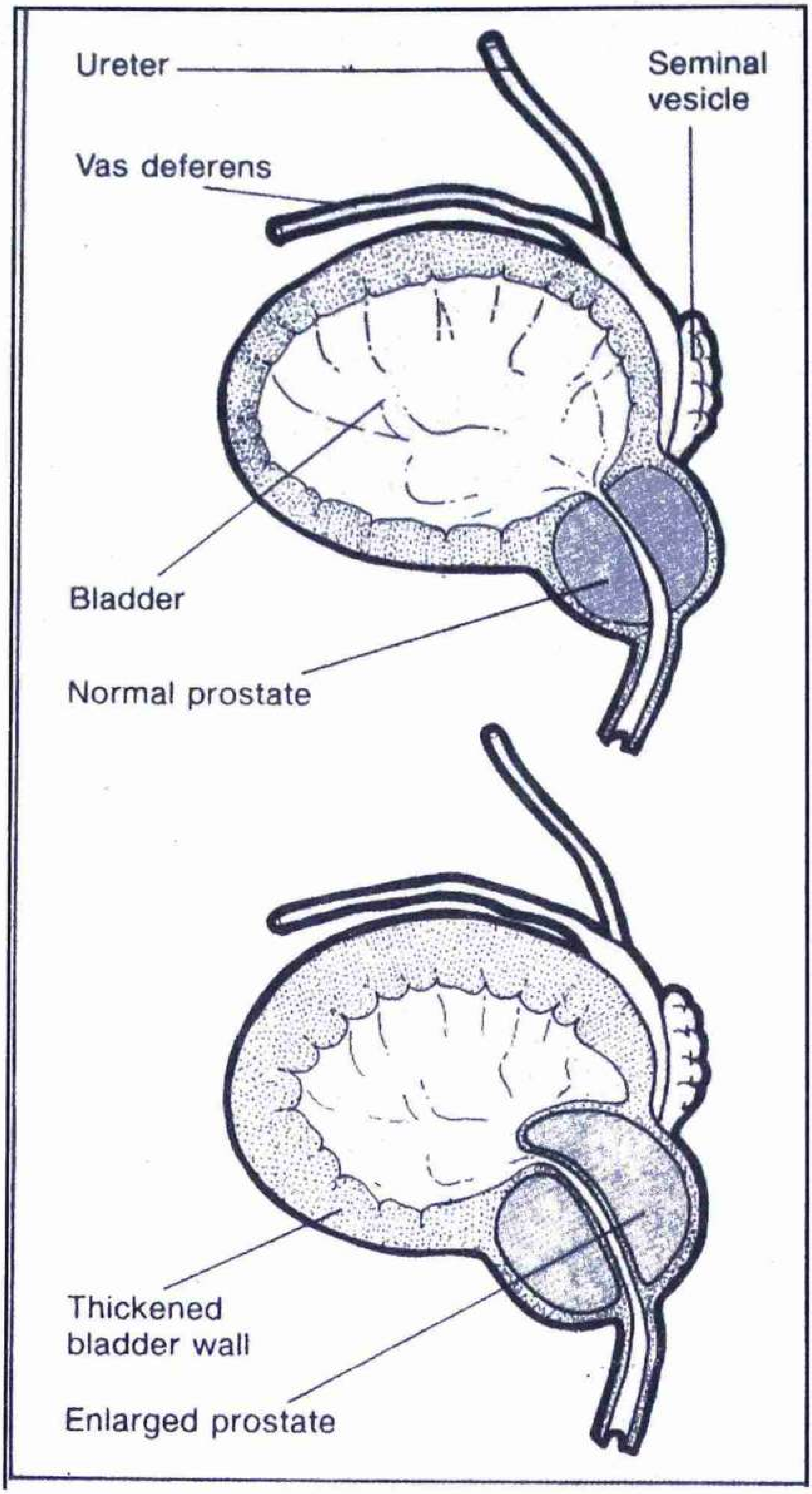

جو اکثر زندگی بخش ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً میرے بڑھنے اور کینسر پیدا ہونے کا ایک بنیادی سبب سیکس ہارمون یعنی ٹیسٹوسٹرون کی پیداوار ہے۔ ایسی صورت میں اگر ریڈی ایشن کے ذریعے ٹیس ٹی کلز کو ناکارہ کر دیا جائے اور ٹیسٹی سٹرون کی پیداوار ختم کر کے

مریض کو انجکشن کے ذریعے زنانہ ہارمون پروجسٹرون دیئے جائیں تو معاملات کافی حد تک سدھر جاتے ہیں۔اس کے بعد توانائی بحال ہو جاتی ہے۔معمول کے کام خوش اسلوبی سے ہونے لگتے ہیں۔درد ختم ہو جاتا ہے۔

تاب کاری یا ریڈیشن سے میرا کینسر سکڑ جاتا ہے اور اگر زنانہ سیکس ہارمونز کے ذریعے علاج کے ساتھ ریڈی ایشن بھی کی جائے تو زیادہ بہتر نتائج سامنے آتے ہیں۔

بہرحال میڈیکل سائنس کے ان کارناموں کی موجودگی کے باوجود امریکا جیسے ملک میں پروسٹیٹ کینسر ہر سال تقریباً سترہ ہزار افراد کو دوسری دنیا میں پہنچاتا ہی رہتا ہے۔امریکا میں اس بیماری سے مرنے والوں کی اکثریت سیاہ فام افراد کی ہوتی ہے۔

چربی زیادہ کھانے والے افراد کو بھی پروسٹیٹ گلینڈ کے کینسر کا خطرہ زیادہ رہتا ہے۔

اگر آپ اس گروپ میں شامل نہیں ہونا چاہتے تو خوش قسمتی سے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔مثلاً پچاس سال کی عمر کے بعد جب آپ اپنا میڈیکل چیک اپ کرائیں تو ڈاکٹر سے سیرم ایسڈ فاسفیٹیز ٹیسٹ کے لیے کہہ سکتے ہیں۔اس ٹیسٹ کی مدد سے خون کے اندر ان انیزائم کا پتا چلایا جاسکتا ہے جو زیادہ تر پروسٹیٹ گلینڈ میں پائے جاتے ہیں۔دورانِ خون میں ان کی مقدار معمول سے زیادہ ہو تو اس کا مطلب یہ کہ وہ کیپسول جس کے اندر میرے تین خانے یا سیکشن کام کرتے ہیں پھٹ چکا ہے اور اس کا سبب کینسر کی تباہ کاری ہوتا ہے۔

پینتالیس پچاس سال کی عمر کے بعد آپ کو اپنا جسمانی معائنہ ضرور کرانا چاہیئے۔خاص طور پر پروسٹیٹ گلینڈ کا معائنہ۔اسے ریکٹل ایگزامینشن کہا جاتا ہے۔ اس معائنے میں بہ مشکل ایک منٹ صرف ہوتا ہے۔پروسٹیٹ گلینڈ کی خرابی کا بروقت پتا لگانے کا یہ واحد ذریعہ ہے۔اس طرح کہ اس مسئلے کو سرجری کے ذریعے دور کیا جاسکے۔ڈاکٹر معائنہ کر کے اس مقام پر بٹن کے برابر کوئی سخت ابھار محسوس کرتا ہے تو جب تک لیبارٹری ٹیسٹ کے نتائج اس کے برعکس نہ ہوں اس وقت تک وہ کینسر تشخیص

کرنے میں حق بہ جانب ہوگا۔ (پانچ میں سے تین کیسز میں یہ کینسر ہی ہوتا ہے)۔
تشخیص کو یقینی طور پر درست ثابت کرنے کے لیے اس سخت ابھار میں کھوکھلی سوئی داخل کر کے یہاں سے نمونہ حاصل کرلیا جاتا ہے۔ اگر لیبارٹری کے ٹیسٹ بھی اسے کینسر ثابت کریں تو مجھے یعنی پروسٹیٹ گلینڈ کو مکمل طور پر نکال دینا ضروری ہوجاتا ہے۔

اس کے علاوہ اور کوئی ایسا کام نہیں جو آپ میری جانب سے پیدا ہونے والے مسائل سے بچنے کے لیے کرسکیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ میں ایک بار پھر آپ سے درخواست کروں کہ مسئلے کا احساس ہوتے ہی آپ فوراً ڈاکٹر بلکہ اسپشلسٹ سے رجوع کریں۔ میری طرف سے مسئلے کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ اس کی علامات میں پہلے بھی بیان کرچکا ہوں۔ بار بار پیشاب آنا، جلن کا احساس، کمزور دھار اور یہ احساس کہ پیشاب مکمل طور پر خارج نہیں ہوا۔

خطرے کا بروقت اندازہ لگانے کا آسان طریقہ میں نے آپ کو بتادیا ہے۔ وہی ریکٹل ایگزامینیشن سال میں ایک بار بلکہ دو بار خود کریں یا اس کے لیے ڈاکٹر کی مدد حاصل کریں۔ یہ صفحات اس کا طریقہ بتانے کے متحمل نہیں ہوسکتے اس کے لیے آپ کسی ڈاکٹر سے معلومات حاصل کرسکتے ہیں۔

*

ڈائی لائی سز مشینیں

گردے

رات کے وقت جب آپ سو جاتے ہیں تو میں کام کی رفتار ذرا کم کر دیتا ہوں۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو آپ کو سوتے میں بار بار اٹھنا پڑے اور آپ کی نیند خراب ہو۔ سردیوں میں مجھے زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ ٹھنڈک کی وجہ سے جلد پر پھیلی ہوئی رگوں میں موجود زیادہ تر خون اندرونی اعضا میں چلا جاتا ہے تا کہ خون کو بیرونی فضا میں موجود ٹھنڈک سے بچایا جا سکے۔ اس کے نتیجے میں مجھے زیادہ خون صاف کرنا ہوتا ہے اس طرح زیادہ پیشاب بنتا ہے۔

گردوں کی کہانی، گردے کی زبانی

میرا وزن پانچ اونس ہے اور میرا وجود منی ایچر آئی ایشن کا ایک عظیم نمونہ۔ مختصر سی جگہ میں قدرت نے میرے اندر دس لاکھ چھلنیاں بنائی ہیں ان نازک ٹیوبس کو باہر نکال کر ایک لائن میں رکھیں تو ان کی لمبائی ستر میل بنے گی۔

شکل لوبیے کے دانے سے ملتی جلتی، سائز تقریباً آپ کی مٹھی کے برابر، رنگ سرخی مائل کتھئی اور وزن پانچ اونس۔ میں ہوں آپ کا دایاں گردہ۔ میرا دوسرا ساتھی بھی میری طرح آپ کی ریڑھ کی ہڈی کی دوسری جانب موجود ہے۔ لوگ اپنے گردوں کو پیشاب بنانے کی مشین سمجھتے ہیں۔ یہ بڑی زیادتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ میں آپ کے جسم کے اس عظیم کارخانے میں کسی ماہر کیمیا داں کا فریضہ انجام دیتا ہوں۔ آپ کے جسم کا تمام خون ہر وقت مجھ میں سے گزرتا رہتا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ سارا خون ہم دونوں گردوں میں سے گزرتا رہتا ہے۔ اپنی اور اپنے ساتھی گردے کی کہانی سنانے کا فرض میں انجام دے رہا ہوں اس لیے آئندہ گفتگو میں آپ لفظ ''میں'' ہی پڑھیں گے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ آپ کے جسم کا سارا خون ہر وقت مجھ میں سے گزرتا

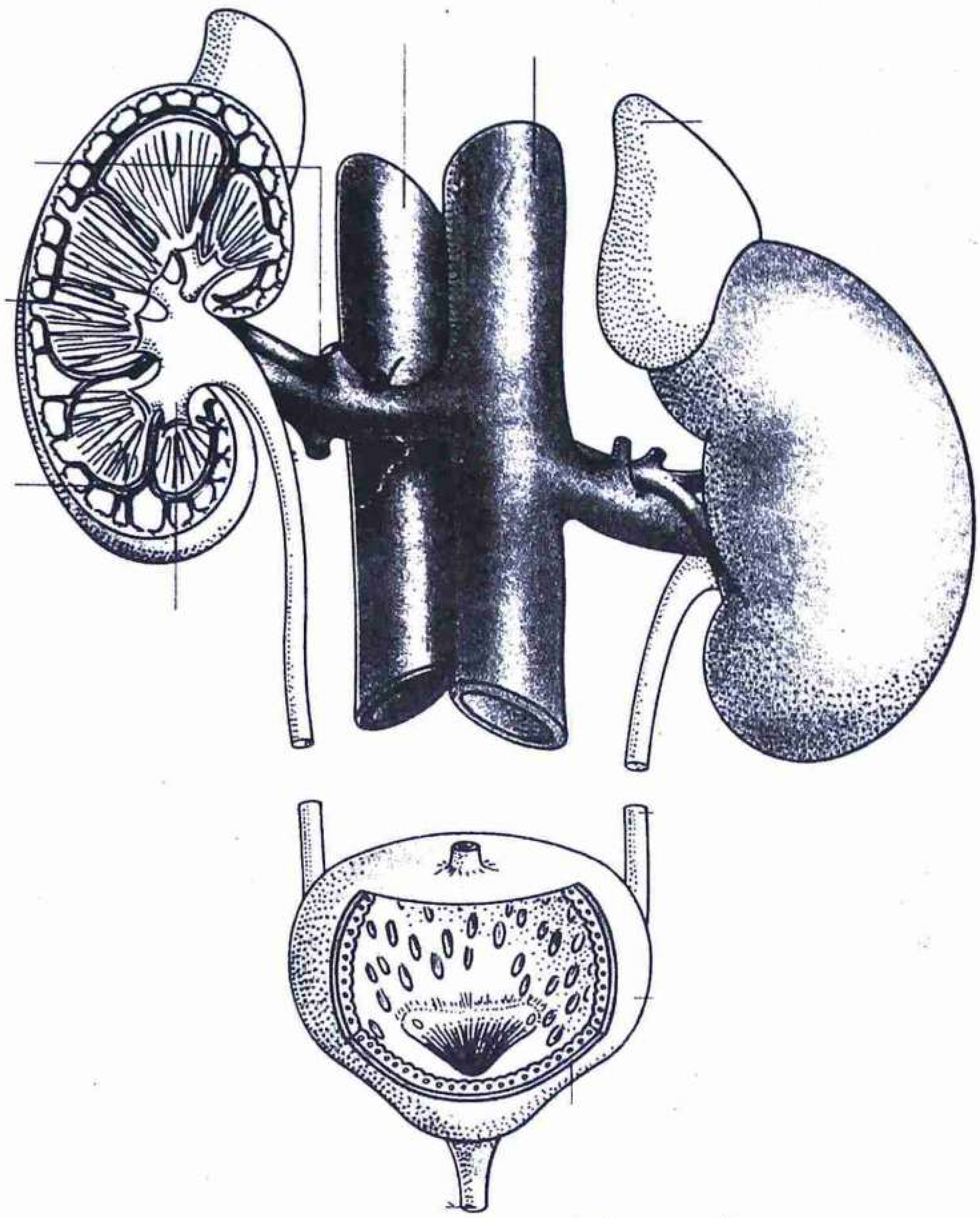

رہتا ہے۔ میں اس خون کو صاف کرتا ہوں، چھانتا ہوں اور اس میں موجود فالتو اور زہریلے مادوں کو الگ کرتا ہوں۔ میں خون کے سرخ خلیوں کی تیاری میں بھی مدد فراہم کرتا ہوں۔ میں آپ کے جسم میں موجود پوٹیشیم، سوڈیم کلورائیڈ اور دوسرے کیمیائی مادوں پر بھی نظر رکھتا ہوں۔ خون میں ان کی ذرا سی کمی یا زیادتی زندگی کے لیے شدید خطرات پیدا کر سکتی ہے۔ میں ہی آپ کے جسم میں پانی کی مقدار کو اعتدال میں رکھتا ہوں۔ جسم میں پانی زیادہ ہو جائے تو جسم کے خلیے تباہ ہو سکتے ہیں اور اگر پانی کم ہو جائے تو یہ خلیے سوکھ سکتے ہیں۔

یہ بھی میری ذمے داری ہے کہ میں چوبیس گھنٹے اس بات پر نظر رکھوں کہ آپ کے خون میں تیزابی مادوں کی مقدار بڑھ تو نہیں رہی! آپ کے خون میں نمکیات کی مقدار زیادہ تو نہیں!

حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی صحت، زندگی اور بقا کے لیے میں بہت سی ایسی خدمات انجام دیتا ہوں جن کے بارے میں ڈاکٹرز ابھی تک مکمل واقفیت نہیں رکھتے۔

میں دو انتہائی اہم ہارمون بھی تیار کرتا ہوں۔ ایک اری تھروپائی ٹن (Erythropoietin) کہلاتا ہے۔ یہ ہارمون خون کے سرخ خلیوں کی پیداوار میں مدد فراہم کرتا ہے۔ دوسرا ہارمون رینن (Renin) کہلاتا ہے جو آپ کے بلڈ پریشر کو معمول پر رکھنے میں مدد دیتا ہے۔

ہماری اتنی ساری خدمات اور ذمے داریوں کے باوجود عام انسان ہمیں صرف پیشاب بنانے کی مشین سمجھتا ہے تو کیا یہ زیادتی نہیں!

آیئے میں آپ کو اپنی بناوٹ کے بارے میں بتاؤں۔ میرا وزن صرف پانچ اونس ہے اور میرا وجود منی ایچرآئی زیشن کا ایک عظیم نمونہ۔ مختصر سی جگہ میں قدرت نے میرے اندر دس لاکھ چھلنیاں بنائی ہیں۔ ان فلٹرز یا چھلنیوں کو نیفران (Nephrons) کہا جاتا ہے۔ انہیں اگر آپ طاقتور خردبین سے دیکھیں تو یہ نیفران، بڑے سر والے کیچوؤں کی طرح نظر آتے ہیں۔ اگر ان نازک ٹیوبس کو گردے سے نکال کر ایک لائن میں رکھیں تو ان کی مجموعی لمبائی ستر میل بنے گی۔ یہ صرف میں اپنی بات کر رہا ہوں۔ میرا ساتھی گردہ بھی ان تمام خوبیوں صلاحیتوں اور آلات سے مکمل طور پر لیس ہے۔

ان چھلنیوں (Nephrons) کی مدد سے ہم دونوں گردے آپ کے جسم کے سارے خون کو ہر گھنٹے میں دو مرتبہ مکمل طور پر صاف کر چکے ہوتے ہیں۔ یہ اتنا آسان کام نہیں۔ اس پیچیدہ عمل کے دوران کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ خون میں موجود

پروٹین یا خون کے سرخ خلیے میری چھلنیوں سے نکل کر ضائع ہو جائیں۔ اگر ایسا ہونے لگے تو اس کے نتائج جان لیوا ہو سکتے ہیں۔ میری یہ چھلنیاں خون میں موجود ننانوے فیصد مادوں کو دوبارہ اپنے اندر جذب کر لیتی ہیں۔ زندگی کے لیے ضروری وٹامنز، امائنو ایسڈز، گلوکوز، ہارمونز اور دوسرے مادے میری چھلنیوں میں جذب ہو کر دوبارہ دوران خون میں شامل ہو جاتے ہیں لیکن اگر ان زندگی بخش مادوں کی تعداد بھی جسم کی ضرورت سے زیادہ ہو تو میں ان فالتوں مادوں کو بھی پیشاب کے ذریعے جسم سے خارج کر دیتا ہوں۔ کیونکہ یہ زندگی بخش اجزاء بھی ضرورت سے زیادہ ہوں تو بڑے مسائل پیدا کر سکتے ہیں۔

اسی لیے اگر آپ بہت زیادہ مٹھاس استعمال کریں تو فالتو مٹھاس کو پیشاب کے ذریعے خارج کر دیا جاتا ہے۔ اکثر بچوں کے پیشاب پر چیونٹے آ جاتے ہیں اور محتاط مائیں پریشان ہو جاتی ہیں کہ کہیں ان کے بچے کو شوگر کی بیماری تو نہیں ہے۔

آپ ضرورت سے زیادہ نمکین غذا استعمال کریں اور جسم میں نمک کی زیادتی ہو جائے تو بڑے خطرات پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ نمک پانی کو جسم کے اندر روک لیتا ہے۔ اگر میں اس اضافی نمک کو فلٹر نہ کروں تو خون میں نمک کی مقدار زیادہ ہو جائیگی اور فالتو سیال مادے خلیوں اور خون کے درمیان جمع ہونے لگیں گے۔ اس کے نتیجے میں پیٹ اور پاؤں پھولنے لگتے ہیں۔ دل کو اتنا زیادہ کام کرنا پڑتا ہے کہ یہ کسی بھی لمحے جواب دے جاتا ہے۔

پوٹیشیم جو گوشت اور پھلوں سے حاصل ہوتی ہے اس کی کمی یا زیادتی پر بھی مجھے نظر رکھنا پڑتی ہے۔ اگر جسم میں اس کی مقدار کم ہو جائے تو پٹھے کمزور پڑ جاتے ہیں۔ خاص طور پر سانس لینے میں مدد فراہم کرنے والے پٹھے اس سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ اگر پوٹیشیم کی مقدار ذرا سی بھی بڑھ جائے تو دل کی دھڑکنیں بے قابو ہو جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ دل اچانک بند بھی ہو سکتا ہے اور دل بند ہونے کا مطلب تو سب کو معلوم

ہے۔ جیتا جاگتا، ہنستا مسکراتا آدمی چند لمحوں میں ہڈیوں اور گوشت کے ڈھیر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جسے فوری طور پر مٹی میں دبانا ضروری ہوتا ہے۔ بیچارہ انسان!

میں اس اضافی پوٹیشیم کو فوری طور پر خون سے نکال کر ضائع کر دیتا ہوں اور اس کی کمی ہو تو خون میں موجود پوٹیشیم کے کفایت شعاری کے ساتھ استعمال کو یقینی بناتا ہوں۔

سب سے بڑا افضلہ یا فالتو مادہ جس سے میرا سابقہ پڑتا ہے وہ یوریا (Urea) ہے۔ یوریا، پروٹین یعنی لحمیات کے ہضم ہونے کے عمل کے دوران پیدا ہوتا ہے۔ دوسرے مادوں کی طرح جسم میں اس کی مقدار کا بھی اعتدال میں رہنا نہایت ضروری ہے۔ یوریا کی مقدار کم ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے اوپر والے پڑوسی یعنی جگر میں کوئی خرابی موجود ہے۔ اگر اس کی مقدار ضرورت سے زیادہ ہو تو یہ انتہائی خطرناک بیماری کا سبب بن جاتا ہے۔ اسے ''یوریمک پوائزننگ'' کہتے ہیں۔

ایسے مریض کو بے ہوشی کے دورے پڑتے ہیں۔ وہ گہری غنودگی (Coma) میں جا سکتا ہے حتیٰ کہ اس کی موت واقع ہو سکتی ہے۔ مریض کا جسم اس زہریلے مادے سے ہر صورت نجات حاصل کرنا چاہتا اسی لیے جب یہ زہریلا مادہ گردوں کے ذریعے باہر نہیں نکلتا تو جسم اسے پسینے کے غدود کے ذریعے باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہے اور یوریا کے کرسٹل مریض کی جلد پر نظر آنے لگتے ہیں۔

آپ بہر حال پریشان نہ ہو۔ آپ مزے سے گوشت کھائیں۔ اضافی یوریا کو ٹھکانے لگانا میری ذمے داری ہے۔ ہاں اگر میں ہی کسی وجہ سے بیمار ہو جاؤں اور کام نہ کر سکوں تو پھر مجبوری ہے۔

خون کی صفائی کے دوران ہم گردے چوبیس گھنٹے پیشاب بناتے رہتے ہیں، تقریباً تین لیٹر سیال روزانہ۔ پیشاب کے ننھے منے قطرے (جنہیں خردبین سے دیکھا جا سکتا ہے۔) میری دس لاکھ چھلنیوں (Nephrone) میں سے گزر کر میرے

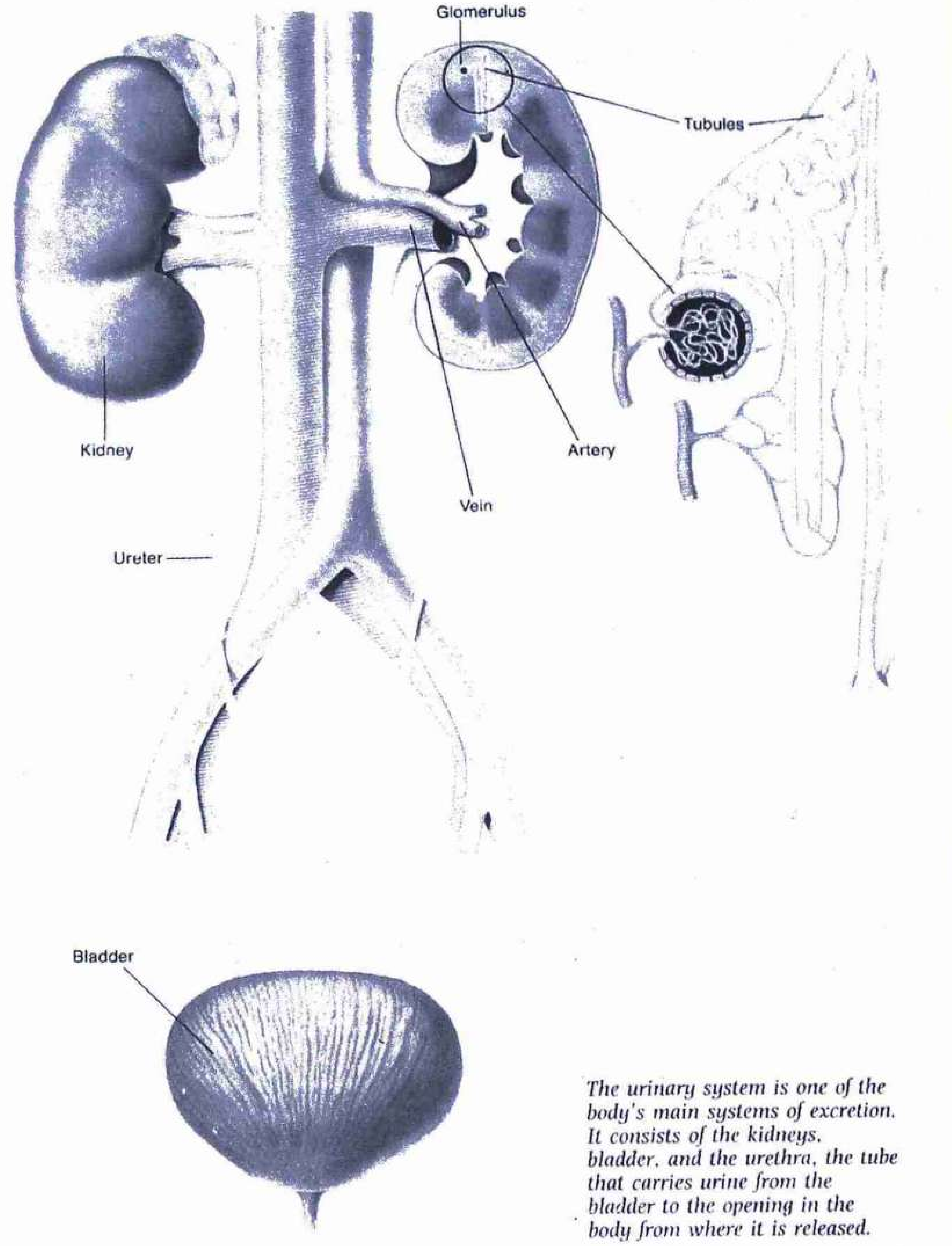

The urinary system is one of the body's main systems of excretion. It consists of the kidneys, bladder, and the urethra, the tube that carries urine from the bladder to the opening in the body from where it is released.

درمیانی حصے میں جمع ہوتے رہتے ہیں۔ اس چھوٹے سے ''اسٹور'' سے دو ننھی منی نالیاں آپ کے مثانے میں کھلتی ہیں اور مثانے کا منہ جسم سے باہر نکلنے والی ''آبی گزرگاہ'' سے ملا ہوا ہے۔ ہر دس سے تیس سیکنڈ کے بعد میرے پٹھوں میں لہر جیسی حرکت پیدا ہوتی ہے اور اسٹور میں جمع شدہ سیال مادہ میری بیرونی نالیوں میں چلا جاتا

ہےاور یہ نالیاں اسے مثانے تک پہنچا دیتی ہیں۔باقی ذمے داری مثانے کی ہے۔

رات کے وقت جب آپ سو جاتے ہیں تو میں کام کی رفتار ذرا کم کر دیتا ہوں۔اگر میں ایسا نہ کروں تو آپ کو سوتے میں بار بار اٹھنا پڑے اور آپ کی نیند خراب ہو۔سردیوں میں مجھے زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ٹھنڈک کی وجہ سے جلد پر پھیلی ہوئی رگوں میں موجود زیادہ تر خون اندرونی اعضا میں چلا جاتا ہے تاکہ خون کو بیرونی فضا میں موجود ٹھنڈک سے بچایا جا سکے۔اس کے نتیجے میں مجھے زیادہ خون صاف کرنا ہوتا ہے اس طرح زیادہ پیشاب بنتا ہے۔

غصے کے اپنے نقصانات ہیں۔غصہ جسم کے بہت سے اعضاء کو متاثر کرتا ہے۔غصے کی حالت میں بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے اور خون زیادہ تعداد میں مجھ تک آتا ہے زیادہ مرتبہ صاف ہوتا ہے اور زیادہ پیشاب بنتا ہے۔شراب نوشی کے نتائج بھی یہی ہوتے ہیں لیکن ذرا پیچیدہ طریقے پر۔

آپ کے دماغ میں موجود پیچوٹری گلینڈ ہارمون کے ذریعے مجھے مختلف ہدایات جاری کرتا رہتا ہے۔پیچوٹری گلینڈ کا ایک ہارمون Antidiuretic کہلاتا ہے اگر میں زیادہ پیشاب بنانے لگوں تو انسان پانی کی کمی سے قلت آب (De Hydration) کا شکار ہوسکتا ہے۔یہ ہارمون مجھے پیشاب کی غیر ضروری پیداوار سے روکتا ہے۔

شراب نوشی مجھے براہ راست متاثر نہیں کرتی لیکن شراب پینے سے پیچوٹری گلینڈ کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے اور وہ میری غیر ضروری پیداوار کو روکنے والے ہارمون کو جاری نہیں کرپاتا۔ظاہر ہے کہ جب کوئی روکنے والا نہ ہوتو میں ’’بلا روک ٹوک‘‘ کام کرتا ہوں اور زیادہ پیشاب کے نتیجے میں جسم کے اندر پانی کا تناسب بگڑ جاتا ہے۔

کافی میں موجود کیفین (Caffeine) کے اثرات بھی اسی طرح ہوتے

ہیں۔ ہاں سگریٹ میں موجود نکوٹین (Nicotine) کے اثرات اس کے برعکس ہیں۔ نکوٹین آپ کے دماغ میں موجود پیچوٹری گلینڈ کو اس طرح متاثر کرتی ہے کہ وہ میری غیر ضروری پیداوار کو روکنے والا ہارمون زیادہ مقدار میں جاری کرنے لگتا ہے۔ اسی لیے سگریٹ نوش حضرات کو کم پیشاب آتا ہے۔ اس کے نقصانات۔۔۔، یہ الگ موضوع ہے۔

ہماری بیماریوں کی تشخیص کے لیے اب بہت سے ذرائع موجود ہیں۔ پیشاب اور خون کے تجزیے اس سلسلے میں بڑی مدد دیتے ہیں۔ پھر ان کے علاوہ کئی دوسرے ٹیسٹ بھی ہوتے ہیں۔

پینتالیس پچاس سال کی عمر میں مجھ پر بڑھاپے کے اثرات ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ میں بہت سی بیماریوں کا شکار ہوسکتا ہوں۔ مثلاً گردے میں پتھری پیدا ہونا۔ کم پانی پینے سے پیشاب بہت گاڑھا بنتا ہے، کیلشیم نمک اور یورک ایسڈ کے ذرات میرے اندر جمع ہونے لگتے ہیں۔

پتھری بجری کی طرح باریک ہوتو پیشاب کے ساتھ نکل جاتی ہے اور پتا بھی نہیں چلتا۔ یہی پتھری اگر مٹر کے دانے جتنی بڑی ہوجائے تو معاملہ سیریس ہوجاتا ہے۔ یہ پتھری نوکیلی ہوتی ہے اس لیے جب یہ مجھ سے مثانے میں جانے والی نالیوں (Ureters) سے گزرنے کی کوشش کرتی ہے تو اس کے نتیجے میں شدید درد اٹھتا ہے۔ انتہائی صورتوں میں یہ پتھری سیب کے برابر بھی ہوسکتی ہے۔ ایسی صورت میں سرجری کے بغیر کام نہیں چلتا۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ گردے یا مثانے میں پتھری نہ بنے تو دن میں کم از کم نو دس گلاس پانی، شربت، یا جوس استعمال کریں۔ زیادہ گرمی ہو تو زیادہ پانی پئیں۔ یہ پانی آپ کی غذا سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ گوشت میں پچاس فیصد پانی ہوتا ہے۔ کیلوں میں نوے فیصد، تربوز اور خربوزے وغیرہ میں 93% فیصد۔

میری سب سے بڑی بیماری میرے فلٹرز (Nephrons) یعنی چھلنیوں کو نقصان پہنچنا ہے۔اس کا سبب جراثیم ہوتے ہیں۔ یہ عام طور پر پیشاب کی گزرگاہ سے مجھ تک پہنچتے ہیں۔ جراثیم کے معمولی حملوں کو انٹی بائیوٹک دواؤں کے ذریعے ناکام بنایا جاسکتا ہے۔

جسم کا بڑا حصہ جل جائے تو وہاں کا موادخون کے ذریعے مجھ تک آنے لگتا ہے۔تباہ شدہ بافتے یا ریشے میرے اندراتنی تیزی سے جمع ہونے لگتے ہیں کہ اتنی تیزی سے میں انہیں پیشاب کے ذریعے خارج نہیں کر پاتا۔دوسری طرف خون کے ضروری اجزاء اتنی تیزی سے ضائع ہوتے ہیں کہ میں اتنی تیزی سے یہ نقصان پورا نہیں کر پاتا۔

لات، مکے یا کسی حادثے کے سبب لگنے والی چوٹ بھی سخت مشکلات پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح کئی دوائیں اور زہریلے مادے بھی میری چھلنیوں (Nephrons) کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

یہ نقصانات عارضی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ میں دوبارہ طاقت حاصل کرنے اور اپنی تعمیر نو کرنے کی حیران کن صلاحیت رکھتا ہوں۔ اگر ہماری چھلنیوں کا 90% فیصد حصہ بھی ضائع ہو جائے تب بھی ہم بہترین سروس فراہم کرسکتے ہیں۔ اگر ایسا مرحلہ آجائے تو اچھے ڈاکٹر کے مشورے، غذا اور دوا کی مدد سے لمبی زندگی گزاری جاسکتی ہے۔نمک، پوٹیشیم اور دوسرے اجزاء کا خیال رکھیں کہ یہ اجزاء غذا کے ذریعے اتنے ہی جسم کو ملیں جتنی ان کو ضرورت ہے۔یہی معاملہ پانی کا ہے کہ یہ اتنا ہی استعمال کیا جائے جتنا کہ پیشاب، پھیپھڑوں اور پسینے کے ذریعے جسم سے خارج ہو۔

سب سے خطرناک مسئلہ خون کی نالیوں کا سخت ہو جانا ہے اور یہ بڑھاپے کی وجہ سے ہوتا ہے میری خون کی نالیاں سخت، غیر لچک دار اور تنگ ہو جاتی ہیں اور مجھے ملنے والے خون کی فراہمی متاثر ہوتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ دل کے اندر خون کو

پمپ کرنے کی صلاحیت نسبتاً کم ہوجاتی ہے اس کے نتیجے میں مجھے ضرورت سے کم خون سپلائی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اپنا کام ٹھیک طریقے پر سرانجام نہیں دے پاتا۔ خون اچھی طرح صاف نہ ہوتو زہریلے مادے جمع ہونے لگتے ہیں۔ جسم میں سوڈیم، پوٹیشیم کلورائیڈ اور دوسرے اجزاء کا تناسب بگڑ جاتا ہے۔

اپنی بیماریوں کے حوالے سے میں آپ کو چند دلچسپ معلومات بھی فراہم کرنا چاہتا ہوں آپ نے سنا ہوگا کہ گردے کی پتھری کو ڈاکٹرز گردے کے اندر توڑ دیتے ہیں۔ آپریشن کی ضرورت نہیں پڑتی۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ کام کس طرح ہوتا ہے؟

اس کام کے لیے ایک خاص مشین استعمال کی جاتی ہے اسے لیتھوٹرپٹر (Lithotriptor) کہا جاتا ہے اس مشین کا ایک حصہ گردے کا ایکسرے بناتا ہے ایکسرے میں معلوم ہوجاتا ہے کہ پتھری کس جگہ ہے۔ مشین کا دوسرا حصہ اس پتھری کا نشانہ لیتا ہے۔ پھر ایک بٹن دبایا جاتا ہے اور آواز کی انتہائی طاقتور لہریں مشین سے نکل کر اس پتھری کو ''فائر'' کرتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں پتھری کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو ریت کے ذرات میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ یہ ذرات بعد میں پیشاب کے ساتھ گردے سے باہر نکل جاتے ہیں۔

ڈائی لی سیز کے بارے میں بھی آپ نے سنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو اس مرحلے سے محفوظ رکھے۔ گردے کے مریضوں کو آخری صورت میں ڈائی لی سیز کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ یہ مشین وہی کام کرتی ہے جو ہم دونوں گردے چوبیس گھنٹے خاموشی سے ساری زندگی کرتے رہتے ہیں۔ ڈائی لی سیز کے عمل کے دوران جسم کا خون مشین میں داخل کرتے ہیں اور دوسری طرف سے تازہ خون جسم کو فراہم کرتے رہتے ہیں۔ اس عمل میں کم وبیش ایک گھنٹا صرف ہوتا ہے اور ایک دفعہ ڈائی لی سیز کرانے میں تقریباً تین سے چار ہزار روپے خرچ ہوجاتے ہیں۔ بلڈ بینک کے خون کے ذریعے بہت ساری بیماریوں کے منتقل ہونے کے خطرات اپنی جگہ ہیں۔ مریضوں کے لیے ہر ہفتے یا

ہفتے میں دو تین مرتبہ ڈائی لی سیز کرانا ضروری ہوتا ہے۔

آپ نے دیکھا کہ ہم دونوں گردے آپ کے لیے آپ کے پیدا کرنے والا کا کس قدر انمول تحفہ ہیں۔ اللہ نے آپ کے جسم کے فالتو اور زہریلے مادوں کے اخراج کا کس قدر بہترین انتظام کیا ہے۔ پانچ پانچ اونس کی چھوٹی چھوٹی ڈائی لی سیز مشینیں کس طرح چوبیس گھنٹے اس قدر خاموشی سے کام کرتی ہیں کہ آپ کو ان کی موجودگی کا علم تک نہیں ہو پاتا اور اگر ہم دونوں خراب ہو جائیں اور کام کرنا بند کر دیں تو انسان کو کن مشکلات، اخراجات تکلیف اور خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے!

لوگ صحت یابی کے بعد ڈاکٹر کا تو شکریہ ادا کرتے ہیں مگر کتنے لوگ ہیں جو صحت کے دنوں میں اپنے مالک کی نعمتوں کا شکر بھی ادا کرتے ہوں!

*

گندآب کا اسٹور

مثانہ

دن کے مقابلے میں رات کے وقت پیشاب کی مقدار کم ہوجاتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کی رات کی نیند حرام ہوجاتی۔ رات کو اللہ نے آرام کے لیے بنایا ہے اس لیے اس نے آپ کے جسم میں بھی ایسے انتظامات کیے کہ جسم اپنی ضروریات کے لیے رات کے وقت آپ کو پریشان نہ کرے۔

مثانے کی کہانی، مثانے کی زبانی

آنکھوں، زلفوں اور ہونٹوں کی طرح میرے قصیدے نہیں پڑھے جاتے اس لیے کہ میرے اندر واقعی کوئی حسن وخوب صورتی موجود نہیں۔ یہ الگ بات کہ انسان سب سے زیادہ میری ہی بات مانتا ہے۔ کوئی تقریب ہو یا انتہائی ضروری میٹنگ، کلاس روم ہو یا کھیل کا میدان، میں آپ کو مجبور کردیتا ہوں کہ مجھے جلد از جلد خالی کیا جائے۔ میرا بروقت خالی ہونا اتنا ضروری ہے کہ آپ کو بچپن ہی سے یہ تربیت دی جاتی ہے کہ آپ میری بات مانیں۔ ہر کام چھوڑیں اور مجھے خالی کریں۔ میں آپ کا مثانہ (Bladder) ہوں اور اپنا حکم منوانا جانتا ہوں۔

اکثر لوگ اپنی آنتوں کو نکاسی کا سب سے بڑا نظام سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ نہیں ہے۔ انسان کو قبض ہوجائے اور یہ کیفیت کئی دن بلکہ ہفتوں بھی برقرار رہے تو زندگی کو کوئی بڑا خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس اگر کسی وجہ سے میں یعنی اس کا مثانہ، جسم کے فالتو پانی، نمکیات اور دوسرے زہریلے مادوں کا اخراج بند کردے اور یہ کیفیت چند دن برقرار رہے تو زندگی کو شدید خطرہ لاحق ہوجاتا ہے۔

جب میں بھرا ہوا ہوتا ہوں تو ایک چھوٹے سے غبارے کی طرح نظر آتا ہوں

جس میں پانی بھرا ہو۔ مجھ میں کتنی گنجائش ہے اس کا درست جواب دینا ممکن نہیں کیوں کہ مثانے میں پیشاب کو اسٹور کرنے کی گنجائش ہر انسان میں مختلف ہوتی ہے۔ مختلف انسانوں کے مثانے چھ سے چوبیس اونس کے درمیان پیشاب کو اسٹور کر سکتے ہیں۔

آپ کے دونوں گردے رات دن آپ کے خون کو صاف کرتے رہتے ہیں۔ صفائی کے اس عمل میں جو فالتو پانی اور زہریلے مادے بچتے ہیں، گردوں سے مجھ تک آنے والی دو نالیاں انہیں تھوڑا تھوڑا کر کے مجھ تک پہنچاتی رہتی ہیں۔ ان نالیوں کو یوری ٹرز (Ureters) کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں نالیاں پنسل کے سکے جتنی موٹی اور بارہ انچ لمبی ہیں۔

میری اخراج کی نالی جو ان زہریلے مادوں کو جسم سے باہر نکالتی ہے وہ پنسل جتنی موٹی ہے۔ اس کے ذریعے کتنا زہریلا مال باہر نکلتا ہے، اس کی مقدار حالات پر منحصر ہے۔ یہ ایک لیٹر سے دو گیلن تک ہو سکتا ہے۔ گرمی زیادہ ہو تو جسم کا ایئر کنڈیشننگ کا نظام خود بہ خود کام کرنے لگتا ہے۔ جلد کے نیچے موجود بیس لاکھ پسینے کے غدود اپنے اندر موجود پانی کو جلد پر بہانے لگتے ہیں اور آپ کی جلد ٹھنڈی ہونے لگتی ہے۔ ایسی صورت میں آپ کو پیشاب کم آتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے پھیپھڑے بھی سانس کے ذریعے جسم میں موجود نمی کو باہر نکالتے رہتے ہیں۔ سردیوں کے موسم میں اپنے سانسوں کے ذریعے اس نمی کو بھاپ کی شکل میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔

اس طرح جسم میں موجود پانی میرے یعنی مثانے کے علاوہ دوسرے ذرائع سے بھی جسم سے باہر نکلتا رہتا ہے۔ میرے ذریعے خارج ہونے والے زہریلے سیال مادے (پیشاب) کی مقدار دن اور رات میں گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ رات کے وقت جب آپ سو جاتے ہیں تو دن کے مقابلے میں پیشاب کی مقدار ایک چوتھائی کم ہو جاتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو رات کی نیند حرام ہو جاتی۔ رات کو اللہ نے آرام کا ذریعہ بنایا ہے اس لیے اس نے آپ کے جسم میں بھی ایسے انتظامات کیے ہیں کہ جسم

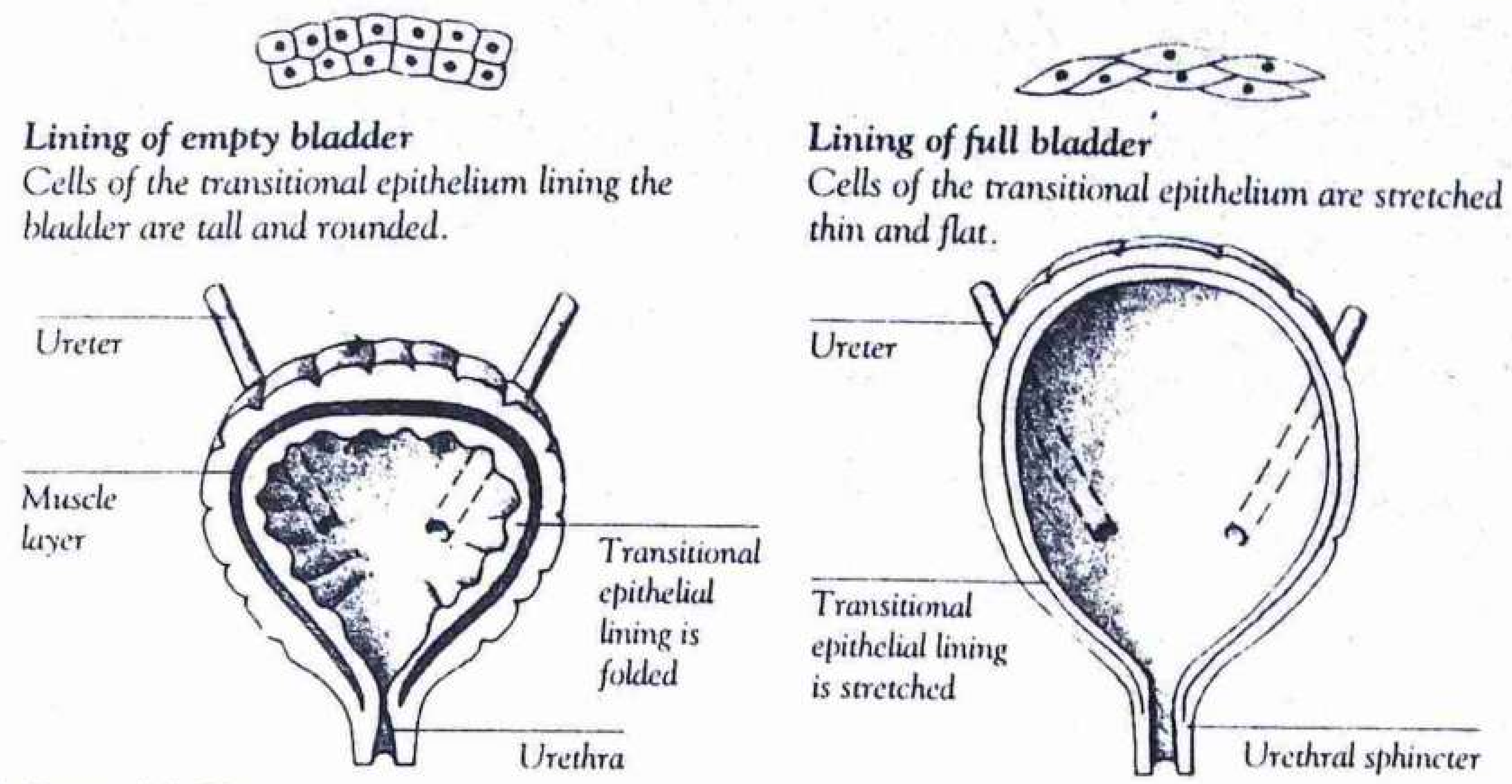

Lining of empty bladder
Cells of the transitional epithelium lining the bladder are tall and rounded.

Lining of full bladder
Cells of the transitional epithelium are stretched thin and flat.

Empty bladder
The multi-layered bladder wall thickens and folds up as urine flows away along the urethra. The empty bladder looks like a wrinkled prune.

Full bladder
The muscle wall stretches thin as the bladder blows up like a balloon. The urine is held in by a muscular ring, the urethral sphincter.

اپنی ضروریات کے لیے رات کے وقت آپ کو پریشان نہ کرے۔

جب مجھے خالی ہونا ہوتا ہے تو میرے اوپری حصے کے پٹھے سکڑتے ہیں۔ پھر اسی طرح میرا نچلا حصہ سکڑتا ہے اور آپ کے جسم کے زہریلے مادے جسم سے باہر گرنے لگتے ہیں ایسا کتنی مرتبہ ہوتا ہے ان کا دارومدار بہت سی باتوں پر ہے۔ تفکرات، خوف یا ذہنی دباؤ کی وجہ سے بلڈ پریشر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ بلڈ پریشر بڑھتا ہے تو گردوں کو زیادہ خون صاف کرنا پڑتا ہے۔ اس کے نتیجے میں زیادہ پیشاب بنتا ہے اور میں بار بار آپ کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہوں۔

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ مجھ میں پیشاب موجود نہیں ہوتا لیکن آپ کو بار بار پیشاب محسوس ہوتا ہے۔ اس کی وجہ ذہنی دباؤ، بہت زیادہ غصہ ہوتا ہے۔ مثلاً کرکٹ یا کسی دوسرے کھیل کے پر جوش لمحات کے دوران میرے پٹھے عارضی طور پر سکڑنے لگتے ہیں۔ ایسے میں آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ آپ کو پیشاب آ رہا ہے۔

سردیوں کے موسم میں آپ کو بار بار پیشاب آتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جسم کی

گرمی کو محفوظ رکھنے کے لیے جسم کا زیادہ تر خون بیرونی جلد کی باریک نالیوں سے سمٹ کر جسم کے اندرونی اعضا میں آ جاتا ہے۔ اس طرح گردے زیادہ خون صاف کرتے ہیں اور زیادہ پیشاب بنتا ہے۔

سردیوں میں پسینہ پیدا کرنے والے غدود بہت کم پسینہ خارج کرتے ہیں اس لیے بھی جسم کا اضافی پانی گردوں کے راستے مجھ تک آتا ہے۔ غذا میں استعمال ہونے والی بعض چیزیں بھی مجھے ضرورت سے زیادہ متحرک کرتی ہیں۔

پیشاب کا تجزیہ جسم میں ہونے والی تبدیلیوں کو جاننے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعے بہت سی اندرونی خرابیوں کا پتا چلایا جاسکتا ہے۔ لیبارٹری میں ہونے والا یہ تجزیہ تمام طبی تجزیوں سے زیادہ معلومات فراہم کرتا ہے۔ پیشاب اگر کئی روز تک دھندلا، یا معمول کے رنگ سے مختلف آئے تو فوری طور پر ڈاکٹر سے مشورہ کرنا چاہیئے۔ پیشاب گاڑھا، کم اور گہرا زرد ہو تو اس کا مطلب ہے کہ گردے صفائی کا کام زیادہ شدت سے کر رہے ہیں یا آپ دھوپ میں زیادہ تر کام کرتے رہے ہیں جس کی وجہ سے آپ کو زیادہ پسینہ آیا ہے اور گردوں کے استعمال میں آنے والا پانی کہیں اور استعمال ہو گیا ہے۔ زیادہ ورزش کے بعد بھی اسی طرح ہوتا ہے۔

پیشاب میں خون آنا بہت خطرناک ہے ایسی صورت میں جلد از جلد کسی اچھے ڈاکٹر سے رابطہ کریں۔ پیشاب کے تجزیئے کے دوران اگر یورک ایسڈ (Uric Acid) کی موجودگی کا معلوم ہو تو یہ گردے میں پتھری کی موجودگی یا گردوں میں کسی خرابی کی علامت ہے۔ یورک ایسڈ کی موجودگی دل اور گردوں میں خرابی اور ہارمون پیدا کرنے والے غدود کے نظام میں گڑبڑ کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔

کسی حد تک تمام ہی اعضا اپنے فضلے یا اضافی پیداوار کو پیشاب کے ذریعے خارج کرتے ہیں۔ یہی حال تمام غدود (Glands) کا بھی ہے۔ ماں کے اضافی ہارمون (Female Harmone) پیشاب ہی کے ذریعے خارج ہوتے ہیں اسی

لیے پیشاب کے تجزیئے سے نئے آنے والے ننھے منے مہمان کے بارے میں خوش خبری معلوم کی جاسکتی ہے۔

عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ پانی پیتے ہیں اور یہ پانی پیشاب بن کر جسم سے خارج ہوتا رہتا ہے۔ یہ اتنی سادہ بات نہیں۔ پیشاب کا جسم سے نکلنا آپ کے پیدا کرنے والے کی ایک عظیم رحمت ہے۔ جو پانی آپ پیتے ہیں اسے جسم کا ایک ایک خلیہ استعمال کرتا ہے۔ جسم کے تمام اعضاء اس پانی سے اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں اور اپنا زہریلا فضلہ اس پانی میں شامل کرتے رہتے ہیں۔

پانی آپ کے جسم میں کسی دریا کی طرح سفر کرتا ہے۔ جس طرح دریا، ندی نالوں اور شاخوں میں تقسیم ہوکر زمینوں فصلوں اور کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں اسی طرح جسم میں داخل ہونے والا پانی بھی جسم کی اس عظیم مملکت کے چپے چپے کو سیراب کرتا ہے۔ جس طرح کھیتوں کو سیراب کرنے والے پانی میں مٹی کھاد اور دوسرے زہریلے مادے شامل ہوتے رہتے ہیں اسی طرح جسم کو سیراب کرنے والا پانی بھی زہریلے مادوں سے آلودہ ہوجاتا ہے۔ اس پانی کا جسم میں رہنا انتہائی خطرناک ہوتا ہے اس لیے قدرت نے آپ کے جسم میں اس گندآب کی نکاسی آب کے لیے بڑے نادر و نایاب انتظام کیے ہیں۔ یہ نظام خود کار طریقے سے کام کرتا ہے اسے آپ کی نگرانی اور توجہ کی ضرورت نہیں۔ نکاسی آب کا کام چوبیس گھنٹے جاری رہتا ہے اور آپ کے جسم کو زہریلے اور فاسد مادوں سے پاک کرتا رہتا ہے۔

خون کے فلٹر پلانٹ یعنی آپ کے گردے جو میرے اوپری علاقے میں چوبیس گھنٹے کام کرتے ہیں ہر آدھا گھنٹے میں آپ کے جسم کے تمام خون کو چھانتے ہیں اور اس میں موجودہ فالتو پانی اور زہریلے اجزاء کو دو نالیوں کے ذریعے مجھ میں گراتے رہتے ہیں۔ قدرت نے میرے اندر دو والو (Valve) بنائے ہیں ان دونوں والوز کو اسفنکٹر ز (Sphincters) کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک میرے نچلے حصے میں

ہوتا ہے اور جب میں پورا بھر جاتا ہوں تو یہ خود بہ خود کھل جاتا ہے۔ میرا دوسرا منہ پہلے والے والو یا منہ کے نیچے ہے۔ اس منہ کا کھولنا اور بند کرنا آپ کے اختیار میں ہے۔

پہلے منہ کے کھلتے ہی آپ کو پیشاب محسوس ہونے لگتا ہے۔ دوسرے منہ کو آپ کے اختیار میں دیا گیا ہے تاکہ آپ پیشاب کرنے کے لیے مناسب جگہ تلاش کرسکیں یا کچھ دیر اسے برداشت کرسکیں۔ فالج کے کچھ مریض اکثر میرے دوسرے والے منہ کو اپنی مرضی سے کھولنے یا بند کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتے ہیں۔ موت کے وقت بھی میرا یہ دوسرا منہ خود بہ خود کھل جاتا ہے اور اگر میرے اندر پیشاب موجود ہو تو میں خود کو خالی کرلیتا ہوں۔

اکثر بچوں کو بستر پر پیشاب کرنے کی گندی عادت ہوتی ہے۔ اس کی بہت ساری وجوہات ہوتی ہیں۔ پیشاب اپنے اختیار سے کرنا بچپن میں سیکھنا پڑتا ہے۔ ماں باپ بچے کو بتاتے ہیں کہ پیشاب جیسے ہی آئے فوراً ہی اس جگہ نہ کرو بلکہ ایسی چند لمحے روکو اور باتھ روم میں جاکر پیشاب کرو۔ نوزائیدہ بچوں میں میرا سائز بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ دو سے چار سال کی عمر میں میرا سائز پیشاب کی زیادہ مقدار کو سنبھالنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ کوئی فکر، پریشانی اور عدم تحفظ کا احساس اور دوسرے نفسیاتی مسائل بستر پر پیشاب کرنے کی عام وجوہات ہیں۔ حیران کن بات یہ ہے کہ یہ بیماری لڑکوں میں زیادہ پائی جاتی ہے۔

جب کوئی بچہ اجنبی اور نئے ماحول میں جاتا ہے۔ یہ نیا پڑوس بھی ہوسکتا ہے اور نیا اسکول بھی۔ ایسے ماحول میں وہ اکثر عدم تحفظ کا شکار ہوجاتا ہے اور بستر پر پیشاب کرنے لگتا ہے جب کچھ دنوں بعد وہ نئے دوست بنالیتا ہے اور اس کا خوف دور ہوجاتا ہے تو یہ گندی عادت بتدریج ختم ہوجاتی ہے۔

اگر کسی بیماری کے سبب مجھے جسم سے نکال دیا جائے تو زندگی کو کوئی بڑا خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ ایسے میں گردوں سے مجھ تک آنے والی پائپ لائنیں بڑی آنت میں

ڈال دی جاتی ہیں۔ایسی صورت میں انسان میں پرندوں کا سا نظام کام کرنے لگتا ہے مریض آنت کے ذریعے پیشاب کرتا ہے۔ پرندوں کے جسم میں مثانہ نہیں ہوتا۔جسم کے پانی کا اخراج پرندے اپنی بیٹ کے ساتھ کرتے ہیں۔

مجھ میں اکثر پتھری پیدا ہو جاتی ہے یہ انتہائی صورتوں میں میری نالیوں کو بند کرسکتی ہے۔ ایسے مریض کو شدید درد اور تکلیف سے گزرنا پڑتا ہے۔ ایسے میں زہریلے مادوں سے بھرا ہوا پیشاب گردوں میں واپس داخل ہونے لگتا ہے اور موت تک کا سبب بن سکتا ہے۔ یہ پتھری پیشاب کے ذریعے خارج ہونے والے معدنیات کے میرے اندر جمع ہو جانے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ بیماری سرد علاقوں کی نسبت گرم علاقوں میں زیادہ پائی جاتی ہے۔ ورزش یا محنت کے کام نہ کرنا بھی اس کا سبب ہوتا ہے۔پتھری مختلف سائز کی ہوسکتی ہے۔ چھوٹی پتھری تو اکثر پیشاب کے ساتھ جسم سے نکل جاتی ہے لیکن انتہائی صورتوں میں یہ پتھری چودہ پونڈ یعنی تقریباً سات کلو تک کی ہوسکتی ہے۔

سیب کے برابر پتھری اگر میری اندرونی سطح کو زخمی اور میری نالیوں کو بند نہ کرے تو میں آپ کو کوئی تکلیف دیئے بغیر اس کے ساتھ برسوں گزارہ کرسکتا ہوں۔

میری بیماریاں جان لیوا نہیں ہوتیں۔سب سے بڑی بیماری جو مجھے عام طور پر ہوتی ہے وہ مثانے کی سوزش ہے۔ یہ بیماری خوردبینی جراثیم پیدا کرتے ہیں۔مردوں کی نسبت عورتوں کو یہ بیماری زیادہ ہوتی ہے۔ مثانے کی سوزش اینٹی بائیوٹک دواؤں سے چند روز میں ختم ہو جاتی ہے۔

میں نہ آپ سے بہت زیادہ توجہ چاہتا ہوں اور نہ آپ کو کسی بڑے خطرے میں مبتلاء کرتا ہوں شاید اسی لیے آپ مجھے کوئی خاص اہمیت بھی نہیں دیتے لیکن اگر میں نہ ہوتا تو انسان پرندوں کی نقالی کرنے پر مجبور ہو جاتا پرندوں کی نقالی کا مطلب میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں!

ذرائع مواصلات

ریڑھ کی ہڈی

میری ہی وجہ سے انسان سیدھا کھڑا ہوسکتا ہے، دو پیروں پر چل سکتا ہے اپنے دونوں ہاتھوں کو استعمال کرسکتا ہے۔ میری مخصوص صلاحیتیں نہ ہوتیں تو انسان بھی دوسرے چوپایوں کی طرح ہوتا۔ آج جو آپ سینہ تان کر چلتے ہیں تو اس احسان کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر کیا ہے اور وہ احسان میں ہوں یعنی آپ کی ریڑھ کی ہڈی!

ریڑھ کی ہڈی کی کہانی، خود اس کی زبانی

میں آپ کے جسم کی ایک ایسی ہڈی ہوں جو اپنی بناوٹ اور کارکردگی کی وجہ سے انسان کو دوسرے تمام جانداروں سے ممتاز کرتی ہے۔ ریڑھ کی ہڈی تو بے شمار جانداروں میں پائی جاتی ہے لیکن آپ کی ریڑھ کی ہڈی قدرت کی انجینئرنگ کا ایک منفرد شاہکار ہے۔ جو خوبیاں آپ کے بنانے والے نے مجھے عطا کی ہیں وہ کسی دوسرے جاندار کی ریڑھ کی ہڈی میں کم ہی پائی جاتی ہیں۔

میری ہی وجہ سے انسان سیدھا کھڑا ہوسکتا ہے، دو پیروں پر چل سکتا ہے۔ اپنے دونوں ہاتھوں سے کام کرسکتا ہے۔ میری مخصوص صلاحیتیں نہ ہوتیں تو انسان بھی دوسرے چوپایوں کی طرح اپنے دونوں ہاتھوں کو چلنے کے لیے استعمال کرنے پر مجبور ہوتا۔ آج جو انسان سر اٹھا کر، سینہ تان کر، دو پیروں پر کھڑا ہوتا ہے تو اس احسان کی وجہ سے جو اللہ نے صرف اور صرف اس پر کیا اور اللہ کا وہ احسان میں ہوں یعنی آپ کی ریڑھ کی ہڈی!

عام طور پر لوگ مجھے ہڈیوں کے چھوٹے چھوٹے جوڑوں کا مجموعہ سمجھتے ہیں۔ اکثر ان کی کمر میں تکلیف ہوتی ہے تو وہ کبھی میری سکائی کرتے ہیں، کبھی مالش کراتے

ہیں۔اس سے تکلیف میں کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ مالش کے ''ماہرین'' اکثر مجھے مزید تکلیف میں مبتلاء کردیتے ہیں۔تکلیف کا اظہار کرنا دراصل میرے احتجاج کا طریقہ ہے کہ میرے ساتھ بہت برا سلوک کیا جارہا ہے۔تکلیف کے ذریعے میں آپ کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہوں۔

آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ جب آپ کسی تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں تو یہ تکلیف بھی آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت بن جاتی ہے۔تکلیف نہ ہوتی تو انسان اپنا علاج ہی نہ کراتے اور بیماری اندر ہی اندر انہیں گھن کی طرح چاٹ جاتی۔یہ تکلیف ہی ہے جو انسان کو خود اس کے ہونے کا احساس دلاتی ہے۔

ددوسرے جانداروں کی ریڑھ کی ہڈیاں بڑے مزے سے رہتی ہیں۔ان کی نسبت انسان کی ریڑھ کی ہڈی بہت مصروف وقت گزارتی ہے۔دوسرے جانداروں کی ریڑھ کی ہڈی، چھت پر پڑے ہوئے شہتیر کی طرح ہوتی ہے جب کہ مجھے دن بھر میں جھکنے، مڑنے اور سیدھا کھڑے ہونے کے دوران سینکڑوں زاویوں میں حرکت کرنا پڑتی ہے۔

آپ صرف نماز ہی کی مثال لے لیں کہ میں قیام، رکوع، سجدے اور سجدہ شکر ادا کرنے میں کن کن زاویوں سے آپ کی مدد کرتی ہوں۔آپ کی گردن اور سر کا بوجھ بھی مجھ ہی کو سنبھالنا پڑتا ہے اور پورے جسم کا وزن بھی میں ہی برداشت کرتی ہوں۔اس طرح کہ آپ کی گردن 180 سے زیادہ زاویوں پر مڑ سکے اور جسم کا توازن بھی قائم رہے۔

آپ کے دماغ سے پاؤں کے انگوٹھے تک پھیلے ہوئے انتہائی نازک مواصلاتی نظام کو تحفظ فراہم کرنا بھی میری ہی ذمے داری ہے۔اس مواصلاتی نظام کا اک موٹا کیبل میرے اندر سے گزرتا ہے۔کیبل کو سمجھنے کے لیے آپ اپنے ٹی وی کیبل کی مثال لے سکتے ہیں۔ایک موٹا سا تار ٹی وی سے لگاتے ہی آپ ساری دنیا سے

منسلک ہوجاتے ہیں۔

کیبل دیکھنے میں ایک موٹا تار دکھائی دیتا ہے لیکن اس تار کے اندر بہت سے باریک باریک تار موجود ہوتے ہیں۔ مجھ میں سے جو" کیبل" گزرتا ہے اس کے اندر ہزاروں لاکھوں تار (ریشے) موجود ہوتے ہیں انہیں دیکھنے کے لیے طاقتور خردبین استعمال کرنا پڑتی ہے۔ یہ ریشے آپ کے اعصابی نظام کا حصہ ہیں۔ اس کیبل یا تار کو جو مجھ میں سے گزرتا ہے حرام مغز کی بتی یا اسپائنل کورڈ (Spinal Cord) کہا جاتا ہے۔ اس میں سے بے شمار اعصاب نکل کر سارے جسم میں پھیلے ہوتے ہیں۔ اس بتی کی موٹائی آدھا انچ ہے۔

اس اٹھارہ انچ لمبی اور آدھا انچ موٹی بتی (Spinal Cord) کی قدر و قیمت کا تھوڑا سا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اگر اس میں کوئی خرابی ہو جائے تو انسان کو باقی ماندہ زندگی وہیل چیئر پر گزارنا پڑتی ہے۔

ہر لمحے دماغ کے کھربوں احکامات جسم کے مختلف حصوں میں اسی بتی کے ذریعے جاتے ہیں اور ہر لمحے جسم کے مختلف حصوں سے کھربوں اطلاعات اسی بتی کے ذریعے دماغ کو فراہم کی جاتی ہیں۔ اگر اطلاعات اور احکامات کا یہ رابطہ منقطع ہوجائے تو جسم کے نادر و نایاب اعضا، آلات، پیچیدہ مشینیں اور پراسرار کارخانے سب ایک لمحے میں ناکارہ ہوکر رہ جائیں اور انسان لمحے بھر میں ساکت، بے جان اور زمین کے بوجھ میں تبدیل ہوجائے۔

اس مواصلاتی نظام کے حساس اور انتہائی نازک کیبل یعنی حرام مغز کی بتی (Spinal Cord) کو میں یعنی ریڑھ کی ہڈی تین تہوں کے اندر محفوظ رکھتی ہوں۔ ان تہوں کے اندر اس بتی کو ایک سیال مادہ نے گھیرے رکھا ہے جس کی وجہ سے یہ نازک کیبل جھٹکوں سے بچا رہتا ہے۔ میری ہڈیوں کے 33 مہرے الگ اس کی حفاظت کی ذمے داری ادا کرتے ہیں۔

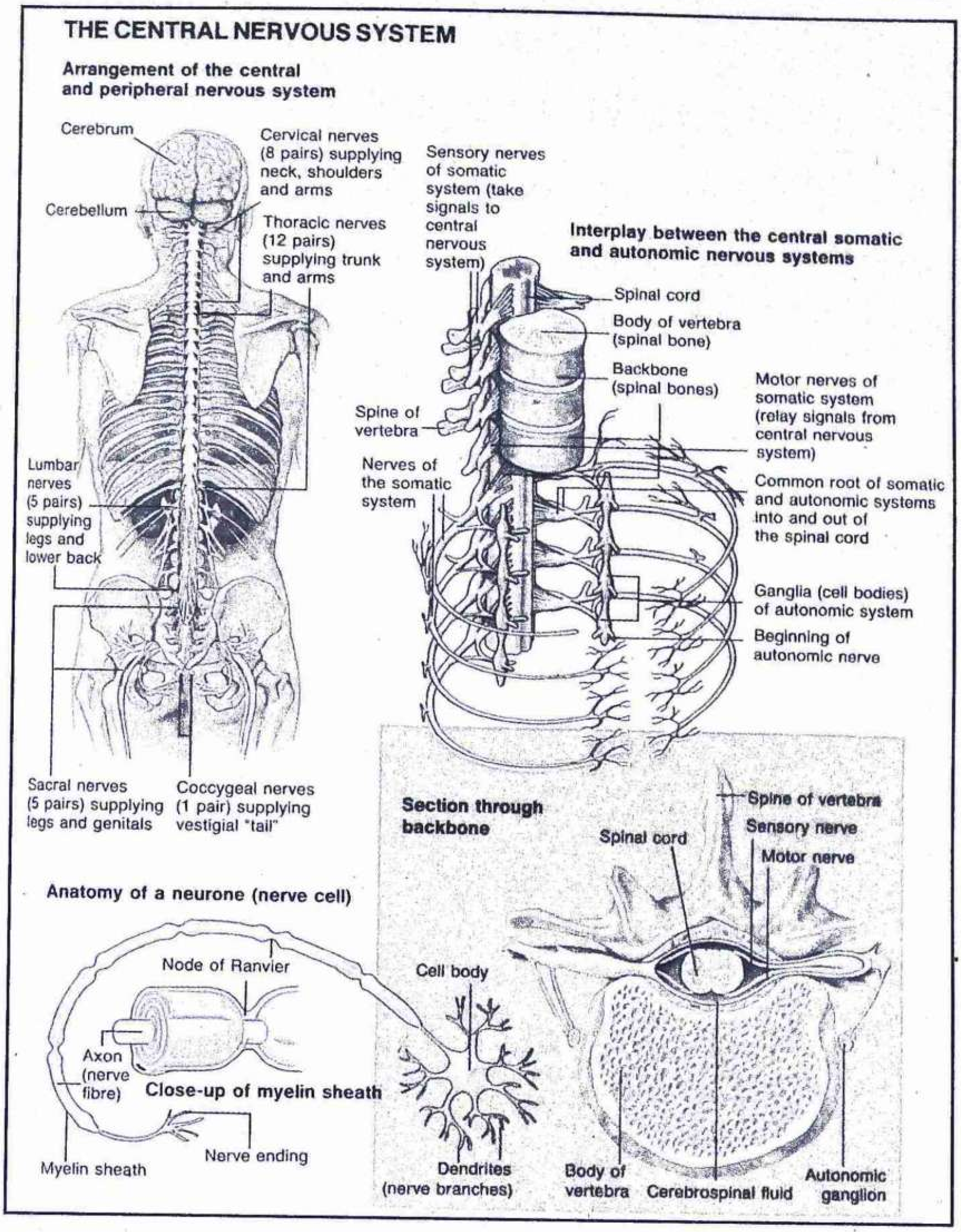

اسپائنل کورڈ (Spinal Cord) سے اعصابی تاروں کے 31 جوڑے باہر نکلتے ہیں۔ انہیں حرام مغز کے اعصاب (Spinal Nerve) کہا جاتا ہے۔ ان سے تقریباً آدھے بے حد حساس ہیں اور جسم سے آنے والے پیغامات کو دماغ تک پہنچانے کے ذمے دار ہیں۔ باقی اعصابی تار دماغ کے احکامات کو پٹھوں تک پہنچاتے

ہیں۔

بعض حالات میں اتنا وقت نہیں ہوتا کہ ایک اطلاع دماغ کو پہنچا کر اس کے احکامات کا انتظار کیا جائے۔ اس ایمر جینسی سے نمٹنے کے لیے حرام مغز کی بتی خود بھی ''چھوٹے موٹے فیصلے'' کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ایسے میں حرام مغز کی بتی وقت ضائع کرنے کی بجائے خود ہی عمل کرتی ہے اور آپ کا ہاتھ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں گرم پتیلی سے ہٹ جاتا ہے۔

حرام مغز کی بتی میں کسی خرابی کا امکان بہت کم ہوتا ہے لیکن میرے تینتیس (33) مہروں اور ان سے وابستہ میرے دوسرے حصوں کی کہانی خاصی مختلف ہے۔ بہت ساری وجوہات کے سبب یہاں کئی تکالیف پیدا ہوسکتی ہیں۔ گردوں کی خرابی، پروسٹیٹ گلینڈ میں گڑبڑ، جگر کی بیماری، جوڑوں کی سوزش، جراثیم کا پھیلایا ہوا انفیکشن حتیٰ کہ ذہنی تفکرات اور پریشانیاں بھی میرے اس حصے میں درد اور تکلیف کا سبب بن سکتی ہیں۔

آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ جب آپ ذہن تفکرات کا شکار ہوں اور مسلسل پریشان رہیں تو ان دنوں میں اکثر آپ کی کمر اکڑ جاتی ہے۔ اکثر لوگ کمر کی اس تکلیف کا سبب میرے اندر کسی خرابی کو سمجھتے ہیں حالانکہ اس کا سبب میرے اوپر آپ کے دماغ میں ہوتا ہے۔

میں آپ کو بتاؤں کہ ایسے میں دراصل ہوتا کیا ہے۔ چالیس پچاس سال سے زیادہ عمر کے خواتین وحضرات اکثر اس تجربے سے گزرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شاید ان کی کمر میں چک آ گئی ہے۔ اسی لیے کمر تختہ بنی ہوئی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ ذہن پر مستقل سوار رہنے والے تفکرات کی وجہ سے پٹھے اکڑ جاتے ہیں جن کی وجہ سے میں بھی تھک جاتی ہوں اور میرے پٹھے درد کے ذریعے احتجاج کرنے لگتے ہیں۔

ایسے میں اگر دعا کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے اپنی پریشانیاں بیان کردی جائیں تو

ذہن کا بوجھ کم اور اعصاب پر سکون ہو جاتے ہیں۔ ان کا کھنچاؤ ختم ہو جاتا ہے تو کمر کی تکلیف بھی چند روز میں غائب ہو جاتی ہے۔

اگر آپ میری بناوٹ کا معائنہ کریں تو قدرت کی اعلیٰ انجینئرنگ کا یہ شاہکار آپ کو حیرت زدہ کر دے گا۔ میرے طرز تعمیر کو دیکھ کر آپ کمر کی تکلیف کی بہت سی وجوہات بھی سمجھ سکیں گے۔

میرے اوپر کے سات مہرے (Vertebrae) آپ کو اس قابل بناتے ہیں کہ آپ اپنی گردن کو 180 زاویوں پر گھما سکیں۔ آپ کے سر کا وزن بھی میرے یہی مہرے سنبھالتے ہیں۔ انہیں سروائی کل (Cervical) کہا جاتا ہے۔

درمیان کے مہروں کو تھوروسک (Thoracic) کا نام دیا گیا ہے۔ ان کی تعداد بارہ ہوتی ہے۔ یہ بہت کم زاویوں میں حرکت کر سکتے ہیں۔ انہیں زیادہ حرکت کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ یہ آپ کی پسلیوں سے جڑے ہوتے ہیں۔ میرے اس علاقے میں کوئی پیچیدگی یا تکلیف بہت کم پیدا کرتی ہے۔

میرے آخری یا نچلے حصے کے مہرے زیادہ مضبوط اور طاقتور بنائے گئے ہیں کیوں کہ جسم کا زیادہ تر وزن سنبھالنا انہی کی ذمے داری ہے۔ ان کی تعداد پانچ ہے۔ ان مضبوط مہروں کو لمبر (Lumber) کا نام دیا گیا ہے۔ ان پانچ مہروں کے آخر میں ڈڈی کی ہڈی (Coccyx) ہے۔ یہ ہڈی دراصل پانچ ایسے مہروں کے ایک دوسرے سے جڑ جانے سے بنی ہے جنہیں سیکرم (Sacrum) کہا جاتا ہے۔ میرا نچلا حصہ اور خاص طور پر چوتھے اور پانچویں لمبر نامی مہروں کا علاقہ بہت سی تکلیفوں کا گڑھ ہے۔

جب آپ پیدا ہوئے تھے اس وقت میں تقریباً سیدھی تھی۔ جب آپ کا ہلتا ہوا سر ٹھہرا تو میرے گردن کے مہرے یعنی سروائی کل (Cervical) میں بھی ذرا سا خم آ گیا۔ جب آپ نے گھٹنوں کے بل چلنا شروع کیا تو میرے کمر والے مہروں

(Thoracic) میں بھی خم پیدا ہوگیا۔ اس کا نتیجہ یہ کہ اب میں بالکل سیدھی نہیں ہوں۔

اب میری شکل تقریباً انگریزی کے حرف ایس (S) سے ملتی جلتی ہے۔ یہ قدرت کے بے مثال انتظامات ہیں۔ اگر میں بالکل سیدھی ہوتی تو جھٹکوں کو برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ مجھ میں اب جو لچک موجود ہے اس کی وجہ سے میں جھٹکوں کو برداشت کرنے کی کئی گنا زیادہ صلاحیت سے مالا مال ہوں۔

اس لچک کے علاوہ قدرت نے میری بناوٹ میں جھٹکے برداشت کرنے کے دوسرے انتظام بھی کیے ہیں۔ اس مقصد کے لیے میرے ہر دو مہروں کے درمیان چھوٹی چھوٹی نرم گدیاں یا پیڈ موجود ہیں انہیں ڈسکس (Discs) کہا جاتا ہے۔ یہ ڈسکس باہر سے چبنی ہڈی سے بنی ہوئی ہیں اور ان کے اندر جیلی جیسا ایک خاص مادہ موجود رہتا ہے۔ (آپ کا بیرونی کان بھی اسی طرح کی چبنی ہڈی کا بنا ہوا ہے) نرم ہڈی اور اس کے اندر بھرا ہوا مادہ میرے مہروں کو ایک دوسرے سے ٹکرانے سے محفوظ رکھتا ہے۔

آپ نے اکثر لوگوں کو کہتے سنا ہوگا کہ انہیں ''سلپ ڈسک'' ہوگئی ہے۔ یعنی ریڑھ کی ہڈی کے مہروں کے درمیان موجود گدی (Disc) پھسل گئی ہے۔ ایسا ہوتا بہت کم ہے۔ کمر کے پٹھوں کے کھنچاؤ کی وجہ سے ہونے والی تکلیف کو عام طور پر سلپ ڈسک سمجھ لیا جاتا ہے۔ ورنہ سلپ ڈسک کی تکلیف اتنی معمولی نہیں ہوتی۔ بہتر ہے کہ آپ کو اس کے بارے میں بتادوں کہ یہ ہوتی کیا ہے اور کیوں ہوتی ہے؟

میرے مہروں کے درمیان موجود یہ گدیاں (Discs) کئی خطرات میں گھری رہتی ہیں۔ عام جھٹکوں کو برداشت کرنا ان کے لیے مشکل نہیں ہے۔ انہیں اسی مقصد کے لیے بنایا گیا ہے لیکن اچانک کوئی بڑا جھٹکا لگ جائے تو بات دوسری ہے۔ مثلاً کار۔ کے حادثے یا بلندی سے گر جانے کی وجہ سے انہیں شدید نقصان پہنچ سکتا ہے۔

ایسی صورت میں سب سے زیادہ چوٹ میرے نچلے حصے میں لگتی ہے اور کسی ایک ڈسک کو توڑ دیتی ہے۔ اگر ایسا ہو تو بڑے آپریشن کی ضرورت پڑتی ہے۔ آرتھوپیڈک سرجن آپریشن کر کے ڈسک کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو نکالتے ہیں اور ایک دوسرے میں گھس جانے والے دونوں مہروں کو الگ کر دیتے ہیں۔

اس سے کم چوٹ لگنے کی صورت میں ڈسک ٹوٹتی نہیں صرف کسی جگہ سے پھٹ جاتی ہے۔ پھٹنے کی صورت میں اس کے اندر موجود جیلی جیسا مادہ باہر نکل آتا ہے اور یہ اندر سے خالی ہو جاتی ہے۔ خالی ہونے کے بعد یہ اوپر اور نیچے والے دونوں مہروں کے درمیان موجود اعصابی ریشوں سے ٹکراتی ہے اور مریض کو انتہائی شدید تکلیف سے گزرنا پڑتا ہے۔

اعصابی نظام کے ریشے خود کو بچانے کی کوشش میں وہاں موجود کمر کے پٹھوں کو سکڑنے اور تن جانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں مریض حرکت کرنے سے معذور ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے میں کسی قسم کی حرکت مزید نقصانات کا سبب بن سکتی ہے اسی لیے جسم کا اعصابی نظام مریض کو چلنے پھرنے یا حرکت کرنے سے روک دیتا ہے۔

سکڑے اور تنے ہوئے پٹھے انسان کو ایک خاص سمت، عام طور پر آگے کی طرف جھکے رہنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ یہ چٹخی ہوئی ڈسک ٹانگ کی بڑی شریان کے اعصاب کو بھی متاثر کر سکتی ہے۔ ایسی صورت میں شدید درد کی لہریں پوری ٹانگ حتیٰ کہ پیر کے انگوٹھوں تک جاتی ہیں۔ اس طرح کے درد کو ''عرق النساء'' کا درد کہا جاتا ہے۔ پینتالیس پچاس سال کی عمر کے لوگوں میں کمر کا درد زیادہ تر جسمانی کمزوری اور میرے پورے نظام میں کھنچاؤ کی وجہ سے رونما ہوتا ہے۔

میرے اندر چار سو پٹھے ہیں اور جھلی کی بنی ہوئی ایک ہزار پٹیاں ہیں جنہیں لیگامینٹس (Ligaments) کہا جاتا ہے۔ اس عمر میں اکثر لوگ کئی کھیلوں کے

ذریعے خود کو فٹ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بہت سے کھیل مثلاً گالف کھیلتے وقت ان کے پیٹ پر دباؤ پڑتا ہے۔ پیٹ کے پٹھے کمزور ہو چکے ہوتے ہیں۔اس لیے یہ اضافی دباؤ میرے پٹھوں کو برداشت کرنا ہوتا ہے۔اس سے میرے پٹھوں میں کھینچاؤ پیدا ہونے لگتا ہے۔خواتین میں کمر کے درد کی شکایت ماں بننے کے دنوں میں اسی لیے زیادہ ہوتی ہے کہ بچے کا اضافی بوجھ بھی مجھ ہی کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

اونچی ہیل کی سینڈلیں مجھے شدید تکلیف پہنچاتی ہیں۔خواتین کی کمر میں درد کی شکایت کی ایک بڑی وجہ اونچی ہیل کی سینڈلیں ہوتی ہیں، یہی نہیں اکثر لوگ زندگی بھر درست طریقے سے بیٹھنا نہیں سیکھتے۔کشن والی کرسیاں اور صوفے میرے لیے سزا ہیں۔لوگ بہ ظاہر آرام دہ کرسیوں اور نرم و گداز صوفوں پر بیٹھ کر راحت محسوس کرتے ہیں لیکن اس وقت میں اور میرا پورا نظام شدید ایمر جینسی سے دوچار ہوتا ہے کہ ریڑھ کی ہڈی کے مہروں کو کس طرح درست حالت میں رکھا جائے۔

بہتر ہے کہ فرش یا تخت پر روئی کا ہلکا سا گدا بچھا کر سونے کی عادت ڈالیں۔ فوم والی کرسیوں سے نجات حاصل کریں۔ پلاسٹک کی ذرا سخت کرسی استعمال کریں۔ میز پر زیادہ نہ جھکیں اور اپنی ٹانگوں کو بار بار ایک دوسرے پر رکھ کر مجھے آرام پہنچاتے رہیں۔

سونے کے لیے لیٹیں تو سیدھے لیٹیں یا کسی کروٹ سے لیکن جسم کو سیدھا رکھیں۔کئی لوگ اپنے گھٹنے اپنے پیٹ میں گھسا کر سوتے ہیں۔ یہ انداز بالکل غلط ہے۔آپ کے اس طرح سونے سے مجھے اور میرے پٹھوں کو بہت تکلیف سے گزرنا پڑتا ہے۔اسی طرح الٹا لیٹنا بھی طرح طرح کے مسائل پیدا کرتا ہے۔

پچاس سال کی عمر کے بعد آپ کو وزن اٹھانے میں زیادہ احتیاط کرنا چاہیئے۔ اس دور میں ہڈیوں میں کیلشیم خاصی کم ہوتی ہے۔ ہڈیاں کمزور پڑ چکی ہوتی ہیں۔اس لیے اس دور میں زیادہ طاقت لگانے سے بچیں۔ بہت دنوں سے بند کھڑکی کو زور لگا کر

کھولنے سے بھی اس دور میں آپ کی ریڑھ کی ہڈی میں تکلیف پیدا ہو سکتی ہے۔

میرے اوپر کے مہرے یعنی سروائی کل آپ کے لیے عام طور پر بہت کم تکالیف پیدا کرتے ہیں لیکن اگر کسی سبب سے یہاں کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو انسان کو بڑی شدید اذیت سے گزرنا پڑتا ہے۔ درد کی شدید لہریں گردن سے بازوؤں تک پھیلتی محسوس ہوتی ہیں۔ گردن کا اکڑ جانا اتنا بڑا مسئلہ نہیں۔ یہ تکلیف دراصل میرے پٹھوں اور جھلیوں جیسی پٹیوں یعنی لیگامینٹس میں کھنچاؤ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

ایسا زخمی جس کی ریڑھ کی ہڈی میں شدید چوٹ آ چکی ہو اسے کبھی گردن میں ہاتھ ڈال کر نہ اٹھائیں اس طرح اسے مزید نقصان پہنچ سکتا ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے مفلوج بھی ہو سکتا ہے۔

بڑھاپے کی آمد کے ساتھ ساتھ جسم کے پٹھے اور ہڈیاں کمزور ہونے لگتی ہیں۔ ڈاکٹر کے مشورے سے روزانہ ہلکی پھلکی ورزش کرنا، ذہنی پریشانیوں اور مشکلات میں روزانہ دُعا کے ذریعے اپنے بنانے والے سے دل کا حال کہہ کر اپنے ذہن کو ہلکا کرتے رہنا، صحت وصفائی کے اصولوں کو اپنانا اور کھانے پینے میں اعتدال قائم رکھنا مجھے ہی نہیں آپ کے پورے جسم کو مدتوں صحت مند رکھ سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کا بڑھاپا پرسکون، آرام دہ اور طرح طرح کی تکالیف سے محفوظ رہتا ہے۔

خلیوں کی فیکٹری

ران کی ہڈی

جو اللہ ایسے خلیوں کو پیدا کر سکتا ہے جو ہڈیوں کے جڑنے کے بعد ان کی تراش خراش کر کے انہیں دوبارہ ان کی اصل شکل میں واپس لے آتے ہیں تو اس اللہ کے لیے یہ بات کون سی مشکل ہے کہ وہ ہم ہڈیوں کو دوبارہ جمع کرے، ان پر گوشت پوست چڑھائے اور انسان کو دوبارہ سے بالکل ویسا ہی زندہ کر دے جیسا کہ وہ دنیا کی زندگی میں تھا۔

ہڈیوں کی کہانی، ران کی ہڈی کی زبانی

عام لوگ ہم ہڈیوں کو بے جان سی چیز سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں ہڈیوں کا کام جسم کے لیے ایک ڈھانچا فراہم کرنا ہے اور بس۔ یہ خیال غلط بھی نہیں جسم کے لیے ڈھانچا فراہم کرنا ہماری ہی ذمے داری ہے۔ ہمارے بغیر انسان کا جسم خالی بوری کی طرح زمین پر ڈھیر ہو سکتا ہے۔ پھر نہ وہ چل سکتا، نہ کھا سکتا اور نہ بول سکتا! لیکن ہم نہ بے جان ہیں اور نہ مردہ۔ ہم آپ کے ''اعضا'' ہیں اور آپ کے جسم کو سنبھالنے کے علاوہ ہماری بے شمار ذمے داریاں اور بھی ہیں۔ ایسی ذمے داریاں جن کے بارے میں شاید ہی آپ کو کچھ معلوم ہو!

غذا کے ذریعے جو معدنیات جسم کے اندر آتی ہیں وہ ہمارے ہی اندر اسٹور ہوتی ہیں۔ 99% فیصد کیلشیم، 88% فاسفورس، ان کے علاوہ معمولی مقدار میں تانبا، کوبالٹ اور دوسرے معدنی اجزاء ہڈیوں ہی میں پائے جاتے ہیں۔ ہماری مثال ایک اسٹور کی سی ہے۔ اس اسٹور سے روزانہ کچھ مال نکلتا ہے اور کچھ نیا مال اس میں جمع کیا جاتا ہے۔ معدنیات کا یہ اسٹور چوبیس گھنٹے کھلا رہتا ہے۔ نہ معلوم آپ کے جسم کو کس وقت کس چیز کی ضرورت پڑ جائے!

اس کے علاوہ آپ ہمیں ایک بہت بڑی فیکٹری سے بھی تشبیہہ دے سکتے ہیں۔ چوبیس گھنٹے کام کرنے والا کارخانہ۔ یہ کارخانہ ہڈی کا گودا ہے (Bone Marrow) جو آپ کی پیدائش سے بھی پہلے سے ہمارے ہی اندر لگاتار کام کر رہا ہے۔ صرف ایک منٹ کے اندر خون کے 180 ملین سرخ خلیے اپنی طبعی عمر پوری کر کے مر جاتے ہیں۔ ان کی جگہ اتنی ہی تیزی سے نئے سرخ خلیوں کی فراہمی زیادہ تر ہماری ہی ذمے داری ہے۔

آپ کی تلی اور جگر بھی نئے سرخ خلیے فراہم کرتے ہیں لیکن ان کی مقدار بہت کم ہوتی ہے۔ زیادہ تر تعداد اسی برق رفتاری کے ساتھ ہمیں ہی فراہم کرنا ہوتی ہے۔ بیماری کے جراثیم سے جنگ کرنے والے سفید خلیے بھی اسی کارخانے میں تیار ہوتے ہیں جو آپ کی لمبی ہڈیوں کے سروں پتلی ہڈیوں اور ریڑھ کی ہڈی کے مہروں میں قائم ہے اور جسے ''ہڈیوں کا گودا'' کہا جاتا ہے۔ اگر یہ سفید خلیے نہ ہوں تو بیماریوں کے جراثیم چند ہی دنوں میں جیتے جاگتے انسان کو موت کی نیند سلا سکتے ہیں۔

میں آپ کی ران کی ہڈی ہوں۔ میں جسم کی تمام ہڈیوں سے بڑی ہوں۔ اس لیے تمام ہڈیوں کی نمائندگی کرنے کا مجھے زیادہ حق حاصل ہے۔ میں جسم کی سب سے بڑی، سب سے لمبی اور سب سے زیادہ مضبوط ہڈی ہوں۔ اتنی مضبوط اور طاقتور کہ میں ایک بوری کار کا وزن اٹھا سکتی ہوں۔ آپ تو خود ہی گواہ ہیں کہ میں کتنے عرصے سے آپ کے جسم کا وزن اٹھائے ہوئے ہوں!

ہم ہڈیاں ایک بڑے خاندان کی طرح ہیں۔ آپ کے جسم میں ہماری تعداد 206 ہے۔ کئی لوگوں میں یہ تعداد کم یا زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب آپ بچے تھے اس وقت ہماری تعداد آج کی نسبت زیادہ تھی۔ جب آپ پیدا ہوئے تھے اس وقت آپ کی ریڑھ کی ہڈی میں تینتیس (23) مہرے تھے۔ بعد میں ان میں سے 9 مہرے (Vertebrate) ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے۔ پسلی کی

Naming the bones

Every bone has its own anatomical name, usually in Latin. Some names are given here. Most of these names were introduced by anatomists of ancient times, especially the Roman physician Rufus of Ephesus, in his book *The Names of Different Parts of the Human Body* (about AD 100), and Galen , . Many bones also have everyday names.

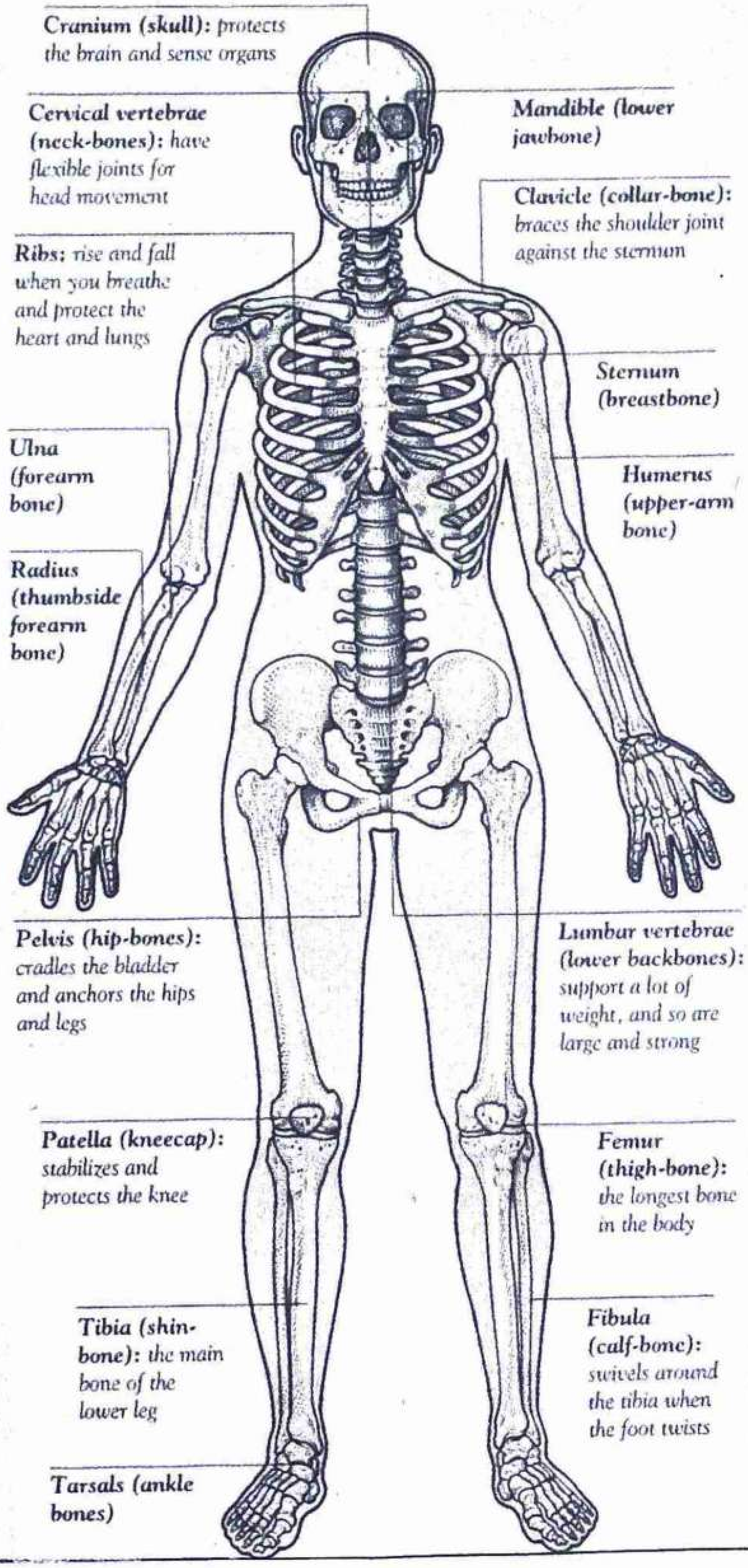

ہڈیاں گیارہ بھی ہوسکتی ہیں اور بارہ بھی لیکن زیادہ تر لوگوں میں پسلی کی ہڈیاں بارہ ہی ہوتی ہے۔

جسم کی ہڈیاں مختلف سائز کی ہوتی ہیں۔ ان میں سے سب سے چھوٹی ہڈی اندرونی کان میں اپنی خدمات انجام دیتی ہے اور اس کی مدد سے آپ مختلف آوازوں کو سننے کے قابل ہوتے ہیں۔

سب سے بڑی ہڈی میں خود ہوں یعنی آپ کی ران کی ہڈی۔ ہم دونوں یعنی دائیں اور بائیں ران کی ہڈیاں مل کر آپ کا وزن اٹھاتی ہیں۔ آپ کے بنانے والے نے جسم کی ہڈیوں کو ایک جوڑ سے دوسرے جوڑ تک ایک دوسرے سے جوڑنے کے لیے انتہائی اعلیٰ درجے کا انتظام کیا ہے۔ سادہ سی زبان میں آپ یہ سمجھ لیں کہ ہم ساری ہڈیاں ڈوریوں اور پٹیوں کی مدد سے ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں۔ ان ڈوریوں کو (Tendons) اور پٹیوں کو (Ligaments) کہا جاتا ہے۔ طاقت ور خردبین سے ہمارا معائنہ کریں تو ہماری بناوٹ دیکھ کر آپ حیران رہ جائیں گے۔ ہماری تعمیر میں جو مادہ استعمال کیا گیا ہے۔ وہ انتہائی ہلکا ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد طاقتور اور مضبوط ہوتا ہے۔ ہماری اندرونی ساخت دیکھ کر آپ ہماری اندرونی بناوٹ کا معائنہ کر سکتے ہیں۔

ہڈیاں کس طرح تعمیر ہوتی ہیں۔ یہ بڑا حیران کن کام ہے۔ شروع میں ہڈیاں نرم ہوتی ہیں۔ اس میں بھی قدرت کا ایک راز چھپا ہوا ہے کہ نوزائیدہ بچے کی ہڈیاں ربر کی طرح نرم ہوتی ہیں۔ جوڑوں کے سرے (مثلاً کہنی، کولہے، بازوؤں اور گھٹنوں کے جوڑ جہاں ایک ہڈی دوسرے ہڈی سے ملتی ہے) قدرت نے ایک انتہائی مضبوط ''مصالحے'' سے بنائے ہیں۔ اس مصالحے کو کارٹی لیج (Cartilage) کہا جاتا ہے۔ یہ شیشے کی طرح ہوتا ہے، بہت کم گھستا ہے اور جھٹکوں کو برداشت کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے۔ ہمارے اس حصے میں ننھے منے کھربوں سوراخ ہوتے ہیں۔

ہمارے یعنی ہڈیوں کے مخصوص خلیے اوسٹیو بلاسٹ (Osteoblasts) ایک خاص قسم کی پروٹین پیدا کرتے ہیں۔ اسے کولوجن (Collagen) کہا جاتا ہے۔ اس پروٹین کے ریشوں کے درمیان خالی جگہیں پائی جاتی ہیں اور ان خالی جگہوں میں گوند جیسا مادہ بھرا ہوتا ہے۔ آپ کے جسم کا خون جب یہاں سے گزرتا ہے تو دورانِ خون میں موجود کیلشیم، فاسفورس، کاربونیٹ اور دوسرے معدنی اجزاء کے خردبینی ذرات اس گوند جیسے مادے میں جمتے چلے جاتے ہیں اور اس طرح ہڈیاں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جاتی ہیں۔

ہم ہڈیاں اکیس سال کی عمر تک بڑھتی رہتی ہیں۔ اس طرح کہ ہمارے دونوں سرے (کارٹی لیجز) دوران خون سے معدنی اجزاء حاصل کرتے ہیں اور بڑھتے ہیں بڑھنے والا حصہ سخت ہڈی میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

یہ کام ہے بہت مشکل ہے خاص طور پر ان دنوں میں جب ایک بچہ، بچپن سے لڑکپن کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہے۔ اس وقت ہمیں ایک ہی وقت میں دو انتہائی اہم ذمے داریاں انجام دینا پڑتی ہیں۔ یعنی جسم کا وزن سنبھالنے کے ساتھ ساتھ خود بھی بڑھنا۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی انجینئر مکان کی دیواریں اور چھتیں بلند کرے مگر اس طرح کہ مکان میں رہنے والوں کے کسی کام میں خلل نہ پڑے۔ انہیں پتا ہی نہ چلے کہ مکان کی دیواریں اور چھتیں مزید بلند کی جارہی ہیں۔ ہے نا یہ ایک حیران کن کام!

ایک خاص مدت کے بعد لمبائی میں بڑھنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ ہم یا زیادہ مضبوط ہوسکتی ہیں یا زیادہ کمزور، آپ باقاعدگی سے ورزش کرنا شروع کردیں تو آپ کی رانیں زیادہ مضبوط اور طاقتور ہوجائیں گی۔ اس کے برعکس کوئی شخص بہت عرصے تک بستر پر پڑا رہے۔ بھاگ دوڑ کے کام نہ کرے تو اس کی رانیں کمزور ہوجائیں گی۔

STRUCTURE OF A LONG BONE

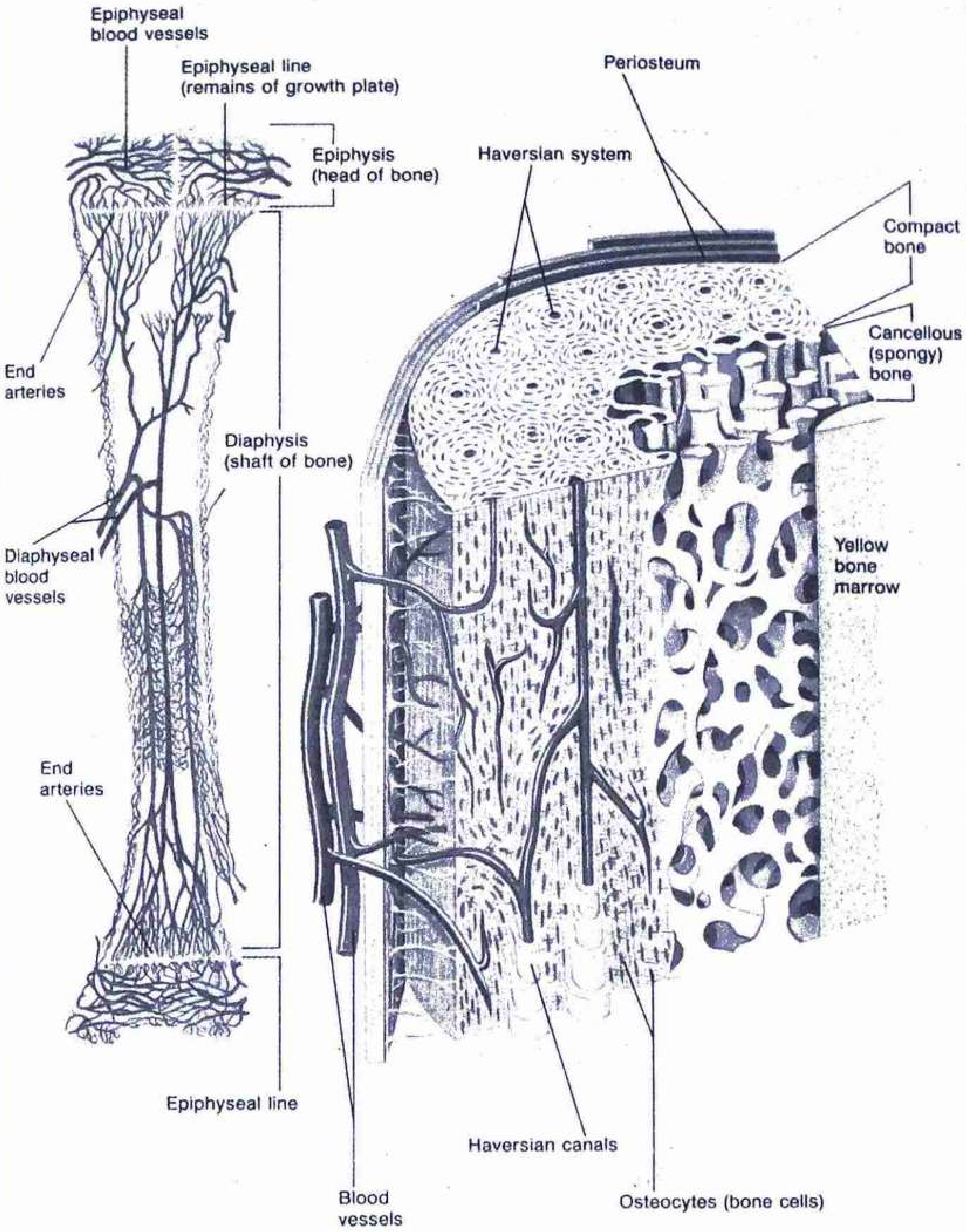

Growth takes place by an increase in length of the long bones, which have a growth plate at each end. These growth plates are made of cartilage, which progressively turns into solid bone until full skeletal maturity is reached at about the age of 20.

کیلشیم کو اسٹور کرنے اور اسے ایک خاص تناسب کے ساتھ تقسیم کرنے کی ذمے داری بہت اہم ہے۔ یہ کام میں دوران خون کی مدد سے سرانجام دیتی ہوں۔ یہ غذائی جز دوران خون کے ذریعے مجھ تک آتا ہے۔ میں کیلشیم کے اجزاء کو اسٹور کر لیتی ہوں اور جب دوران خون میں اس کی کمی واقع ہوتی ہے تو میں اس کمی کو اپنے اسٹور سے پورا کرتی ہوں۔

عام طور پر دو اعشاریہ دو (2.2) پونڈ کیلشیم ہر وقت ہمارے پاس اسٹور ہوتا ہے۔ اس کا صرف 1/40 حصہ دوران خون میں سفر کرتا ہے۔ دوران خون میں کیلشیم کی یہ معمولی سی مقدار آپ کی زندگی میں بڑا بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اس کے بغیر جسم اور دماغ کے درمیان مواصلاتی نظام فیل ہوسکتا ہے، خون کے اندر جمنے کی صلاحیت ختم ہوسکتی ہے، پٹھوں کی حرکات متاثر ہوسکتی ہیں حتیٰ کہ دل کی دھڑکنیں بھی بند ہوسکتی ہیں۔ اس کے برعکس خون میں کیلشیم کی زیادتی بھی کم خطرناک نہیں۔ ایسی صورت میں گردوں میں پتھری، اس کے بعد خون میں زہریلے مادوں کی آمیزش اور نتیجتاً موت واقع ہوسکتی ہے۔

ان خطرات سے میں نے آپ کو اس لیے خبردار کیا تاکہ آپ جسم میں کیلشیم کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔ جسم کو کیلشیم کی اتنی تعداد ملنا ضروری ہے کہ ہم آپ کے جسم کو نپی تلی مقدار میں کیلشیم فراہم کرسکیں۔ جسم کو کیلشیم کی فراہمی کو اعتدال میں رکھنے کے ذمے دار دراصل آپ کی گردن میں موجود غدود ہیں۔ اگر خون میں کیلشیم کی مقدار کم ہوتی ہے تو آپ کی گردن میں موجود غدود جنہیں پیراتھائی رائیڈز (Para thy roids) کہا جاتا ہے، ایک مخصوص ہارمون دوران خون میں جاری کردیتے ہیں۔ اس ہارمون میں ہمارے لیے یہ احکامات موجود ہوتے ہیں کہ ہم اپنے کیلشیم کے ذخائر سے کیلشیم نکال کر دورانِ خون میں شامل کردیں۔ اگر صورت حال اس کے برعکس ہو تو پیراتھائی رائیڈ گلینڈ ایک ہارمون جاری کرتے ہیں اور ہم دورانِ خون سے اضافی

کیلشیم کو اپنے اندر اسٹور کرنے لگتی ہیں۔

عام لوگوں کا خیال ہے کہ ہڈیوں کا سب سے بڑا مسئلہ ہڈیوں کا فریکچر (چیخ جانا) ہے حالانکہ یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں۔ بہرحال ہڈیوں کی چوٹ کئی طرح کی ہوتی ہے۔

۱۔ ہڈی کا اس طرح ٹوٹنا کہ ہڈی گوشت میں گھس گئی ہو اور کناروں سے ٹوٹی بھی نہ ہو۔
۲۔ ہڈی ٹوٹ کر گوشت میں گھس گئی ہو۔
۳۔ ہڈی لمبائی میں چیخ گئی ہو مگر مکمل طور پر نہ ٹوٹی ہو۔
۴۔ ہڈی ٹوٹ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تبدیل ہو گئی ہو۔

ابھی پندرہ بیس سال پہلے تک ہڈی ٹوٹنے کی صورت میں ''پلاسٹر اور وقت'' کے ذریعے ہی علاج ہوا کرتا تھا۔ بوڑھے لوگوں کے کولہے کی ہڈی ٹوٹ جاتی تو انہیں چھ سات مہینے بستر پر گزارنا پڑتے۔ اکثر اس کے کئی برے نتائج سامنے آتے تھے لیکن آج کل آرتھوپیڈک سرجن مریض کو جلد از جلد اس کے قدموں پر کھڑا کر دیتے ہیں۔

اب نئے آلات، مثلاً مصنوعی جوڑ اور دوسری بہت سی چیزیں ہیں جنہیں آپریشن کے دوران مریض کے جسم کے اندر لگا دیا جاتا ہے۔ یہ چیزیں پلاسٹک یا دھات کی بنی ہوتی ہیں اور بہترین کام کرتی ہیں۔ آج اگر کوئی لمبا آدمی اپنا قد کم کرنا چاہے تو اس کی ران کی ہڈی کو چند انچ کاٹ کر اس کا قد کم بھی کیا جا سکتا ہے۔ البتہ قد بڑھانے کا عمل بہت مشکل اور بے حد پیچیدہ ہے۔

آرتھوپیڈک سرجن کی مہارت اپنی جگہ لیکن زخموں کے بھرنے اور خود کو دوبارہ سے اسی حالت میں لانے کا اصل کام ہڈیاں خود کرتی ہیں۔ ہڈی کے ٹوٹ جانے کی صورت میں ہمارے مخصوص خلیے اوسٹیو بلاسٹ بہت برق رفتاری سے کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

ابھی میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ہمارے یہ خلیے کولوجن نامی پروٹین پیدا کرتے ہیں۔ ہڈی ٹوٹنے کی صورت میں ہمارے خلیے اس پروٹین کی پیداوار میں اضافہ کرتے

The self-healing process is more effective if the bone's broken ends are brought back into their natural alignment, a process doctors call "reducing a fracture".

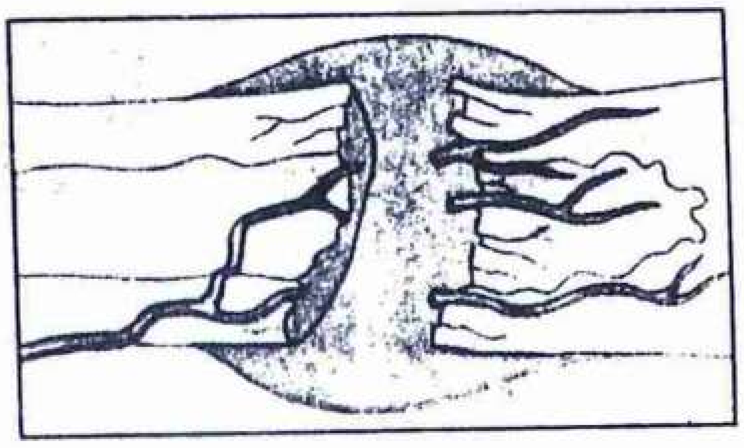

Within an hour
Healing of a fracture (break) begins almost at once. Leaking blood from the broken bone ends forms a clot.

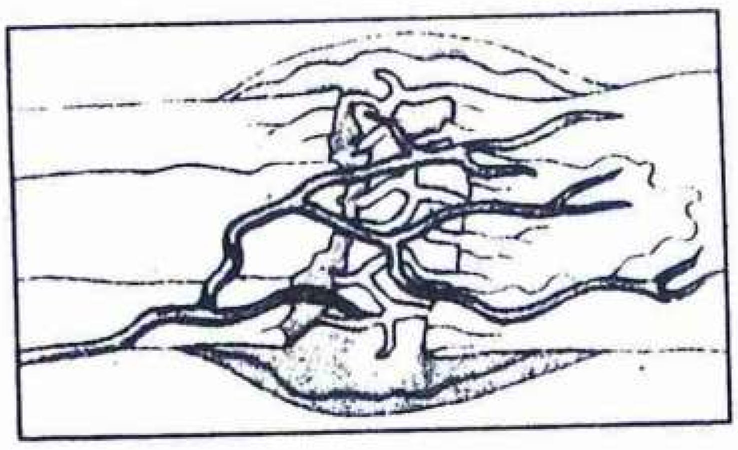

After a few days
Cells called fibroblasts and osteoblasts make an open network of spongy bone in the gap.

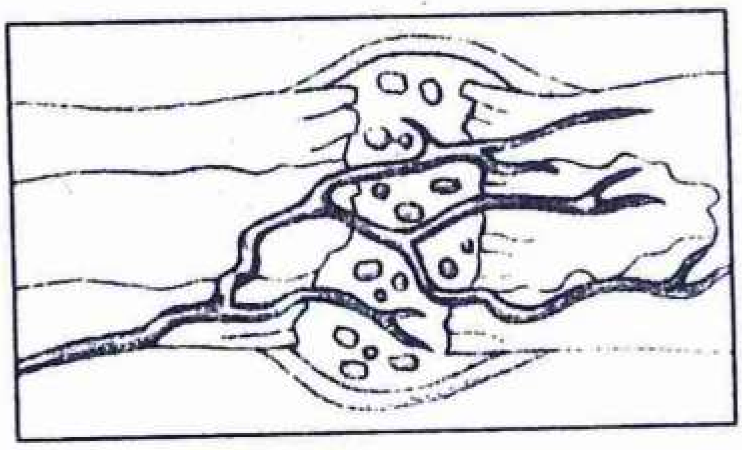

A week or two later
The spongy bone gradually fills in and becomes harder. Blood vessels have regrown and healed.

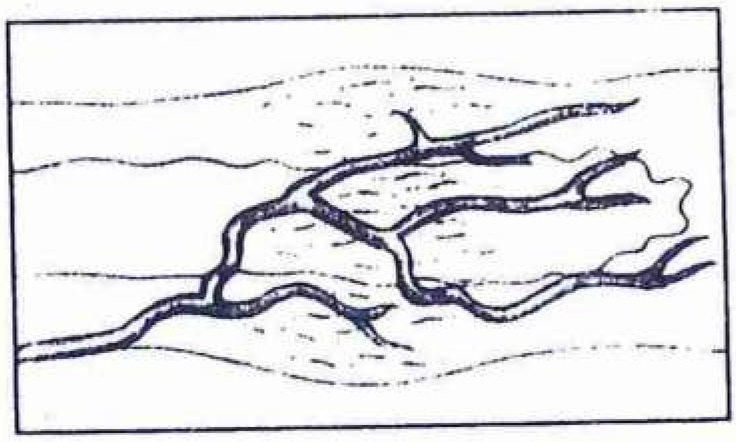

After two or three months
The bone is almost mended. The bulge at the break shrinks away, a process called bone remodelling.

ہیں اور اسے ہمارے ٹوٹے ہوئے حصوں میں ڈالنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس پروٹین کے درمیانی ریشوں میں دوران خون کے ذریعے آنے والے معدنی اجزاء آ آ کر چپکتے اور جمتے جاتے ہیں۔ اس طرح ہڈی دوبارہ جڑ جاتی ہے۔

یہی نہیں سب سے حیران کر دینے والا کارنامہ ہمارے ایک دوسری قسم کے خلیے انجام دیتے ہیں۔ ان خلیوں کو اوسٹیوکلاسٹ (Osteoclasts) کہا جاتا

ہے۔ان خلیوں کا کام ہے ہڈی کو دوبارہ اس کی اصل شکل میں واپس لانا۔ان خلیوں کی ''یادداشت'' میں ہڈی کی اصل شکل اس کا ناپا تلا سائز اور مکمل نقشہ موجود ہوتا ہے۔ ہڈی کے جڑنے کے عمل کے دوران یہ خلیے اس کے کھردرے حصوں کو کھرچ کر اضافی مصالحے کو ہضم کر جاتے ہیں۔

اس بات کو آپ ایک مثال سے سمجھیں۔آپ پلاسٹک کا ٹوٹا ہوا کھلونا یا شیشے کا برتن کسی مصالحے سے جوڑتے ہیں تو وہ مصالحہ ٹوٹی ہوئی جگہ کے اردگرد بھی جم جاتا ہے اور اسے کھردرا بنا دیتا ہے۔ ہڈیوں کے اندر اگر اس طرح کھردرا پن موجود ہو تو اس کے گوشت سے رگڑ کھانے سے مریض کو شدید تکلیف ہو سکتی ہے۔اسی لیے آپ کے بنانے والے نے ہمارے اندر اوسٹیوکلاسٹ نامی خلیے پیدا کیے ہیں جو ہڈی کی کھردری سطح یا ابھرے ہوئے مصالحے کی تراش خراش کر کے ہڈی کو دوبارہ اس کی اصل شکل میں واپس لے آتے ہیں۔

ہم ہڈیاں اکثر بعض پراسرار بیماریوں کا بھی شکار ہو سکتی ہیں۔ ایسی ہی خطرناک بیماریوں میں سے ایک بیماری ''اپلاسٹک انیمیا'' (Aplastic Anemia) ہے۔اس بیماری میں ہمارا گودا یعنی (Bone Marrow) خون کے سرخ خلیے بنانے کی ''ترکیب'' بھول جاتا ہے۔ایسا تابکاری کے اثرات کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے اور بعض زہریلے مادوں کی وجہ سے بھی اور اکثر اس کا سبب نامعلوم بھی ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹروں کے پاس اس کا صرف ایک علاج ہے کہ وہ مریض کو کسی دوسرے کے خون پر زندہ رکھیں، اس کی ہڈیوں کا گودا تبدیل کر دیں اور اللہ سے دعا کریں کہ ہم ہڈیاں خود ہی کسی طرح اپنی خرابی کو دور کرنے کے قابل ہو جائیں۔

جوڑوں کا درد اور طرح کی تکلیف دہ بیماری ہے۔اس میں ہمارے جوڑ سخت ہو کر حرکت کے قابل نہیں رہتے یا حرکت کرنے میں شدید تکلیف ہوتی ہے، آپریشن

اور جمے ہوئے جوڑوں کی تبدیلی اس کا علاج ہے۔

کچھ درد اور تکالیف ایسی ہیں جنہیں ہڈیوں سے منسوب کر دیا جاتا ہے، حالانکہ ان کا ہڈیوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ دراصل جوڑوں کے مقام پر ہمارے اوپر ایک تہہ پائی جاتی ہے۔ اس تہہ کے اندر کسی وجہ سے سوزش یا ورم آ جاتی ہے اور جوڑوں کو حرکت دیتے وقت مریض تکلیف محسوس کرتا ہے۔ اس میں ہمارا کیا قصور!

ہم جراثیمی حملوں کا بھی نشانہ بنتی ہیں۔ کینسر بھی ہمیں نشانہ بنا سکتا ہے۔ جراثیم خون کے ذریعے بھی ہم تک آتے ہیں اور قریبی علاقوں میں آنے والے زخموں کے ذریعے بھی۔ ہڈی ٹوٹی ہوئی ہو تو جراثیم اس راستے سے ہمارے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ ان کی وجہ سے ہمارے اندر سوزش پیدا ہوتی ہے۔ اس بیماری کو اوسٹیو مائی لائیٹس (Osteo Myelitis) کہا جاتا ہے۔ یہ بہت تکلیف دہ بیماری ہوتی ہے۔ اس کا علاج ڈاکٹر زا ینٹی بائیوٹک دواؤں سے شروع کرتے ہیں۔

بیس سال کی عمر میں آپ کی ہڈیاں مضبوطی اور طاقت کی لحاظ سے عروج پر ہوتی ہیں۔ اس کے بعد بہت آہستگی سے ہماری طاقت میں زوال آنا شروع ہو جاتا ہے۔ ہمارے اندر موجود معدنی ذخائر بتدریج کم ہونے لگتے ہیں۔ کیوں کہ ہم ان اجزاء کو جس مقدار میں دورانِ خون کے ذریعے جسم کو فراہم کرتی ہیں اتنی مقدار میں ہم انہیں اسٹور نہیں کر پاتیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہڈیاں کمزور پڑنے لگتی ہیں۔ شروع میں یہ عمل بہت آہستگی کے ساتھ ہوتا ہے لیکن پچاس سال کی عمر میں اس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ اس عمر کے بعد بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ مردوں کی نسبت خواتین میں زیادہ ہوتا ہے۔

زیادہ عمر کی خواتین کی ہڈیاں بہت نازک ہوتی ہیں۔ آپ اپنی والدہ سے کہیں کہ وہ اچھی غذا استعمال کریں، دودھ پیا کریں، کیلشیم اور آئرن ڈاکٹر کے مشورے سے پابندی کے ساتھ استعمال کریں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو آنے

والے دنوں میں وہ بہت ساری تکالیف سے محفوظ رہیں گی۔اپنی ماں کی صحت کا خیال رکھنا آپ کی اخلاقی ذمے داری ہے۔اسی لیے کہ ان کی ہڈیوں کی کمزوری میں آپ کا خاصا حصہ ہے!

آخر میں آپ کو ایک دلچسپ بات بتاؤں۔ ہم ہڈیاں کروڑوں سال تک موجود رہتی ہیں۔ ابتدائی دور کے انسانوں کی ہڈیاں بھی لاکھوں سال گزرنے کے باوجود ابھی تک زمین سے برآمد ہوتی رہتی ہیں۔ قیامت کے دن (شاید) سب سے پہلے ہم ہڈیوں ہی کو جمع کیا جائے اور پھر ان پر گوشت پوست چڑھا کر انسانوں کو زندگی دی جائے گی۔ یہ بات بہ ظاہر بڑی حیران کن لگتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے بے شمار حیران کن معجزے تو اس وقت بھی ہر لمحے آپ کے جسم میں رونما ہو رہے ہیں!

جو اللہ ایسے نادیدہ خلیوں کو پیدا کرسکتا ہے جو ہڈیوں کے جڑنے کے بعد ان کی تراش خراش کر کے انہیں دوبارہ ان کی اصل شکل میں واپس لے آتے ہیں۔تو اس اللہ کے لیے یہ بات کون سی مشکل ہے کہ وہ ہم ہڈیوں کو دوبارہ جمع کرے، ان پر گوشت پوست چڑھائے اور انسان کو دوبارہ سے بالکل ویسا ہی زندہ کردے جیسا کہ وہ دنیا کی زندگی میں تھا۔ایسے کام تو اس کے پیدا کیے ہوئے معمولی خلیے آپ کے جسم میں ہر لمحے سرانجام دیتے رہتے ہیں!

*

کمپیوٹرائزڈ مشینیں

ہاتھ

آپ تو ہمیں ہمیشہ سے دیکھتے آئے ہیں۔ بچپن سے لے کر آج تک آپ دن رات ہمیں استعمال کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے شاید اسی لیے آپ ہمیں دیکھ کر حیران نہیں ہوتے۔ اگر ہم نہ ہوتے اور پھر ایک دن ہم آپ کو مل جاتے تو شاید آپ ہماری قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکتے۔

ہاتھوں کی کہانی، ایک ہاتھ کی زبانی

میں آپ کا دایاں ہاتھ ہوں۔ دنیا میں پچانوے فی صد لوگ سارے کام اپنے دائیں ہاتھ ہی سے انجام دیتے ہیں اس لیے مجھے اپنے دوسرے ساتھی پر سبقت حاصل ہے۔

میں نہ آپ کے جگر کی طرح کیمیائی معجزے رونما کرسکتا ہوں اور نہ آپ کے دماغ کی طرح حیران کن کرشمے۔ میں تو صرف ایک مشین ہوں۔ قدرت کی اعلیٰ ٹیکنالوجی کا ایک نادر نمونہ۔ مختلف ہڈیوں، جوڑوں اور انہیں سنبھالنے والے بافتوں کا مجموعہ، جسے آپ کا دماغ اپنے حکم پر چلاتا ہے۔

دنیا کے تمام کمپیوٹرز، ٹیکنالوجی کے تمام تر شاہکار، زمینی فضا سے نکل کر خلاؤں میں سفر کرتے جہاز، دوربینیں، آلات، مشینیں، مصوری، ادب، موسیقی، مجسمہ سازی اور شاعری کے تمام نمونے، غرض یہ کہ انسان کی بنائی ہوئی ہر چیز میرے اور آپ کے دماغ کے درمیان بہترین ''ورکنگ ریلیشن شپ'' ہی کی وجہ سے وجود میں آئی ہے۔

جسم کے کسی عضو کی اہمیت کا اندازہ اس طرح بھی لگایا جاتا ہے کہ دماغ کے اندر اس عضو کے لیے کتنا بڑا حصہ مخصوص ہے۔ آپ کے دماغ میں ہم دونوں ہاتھوں

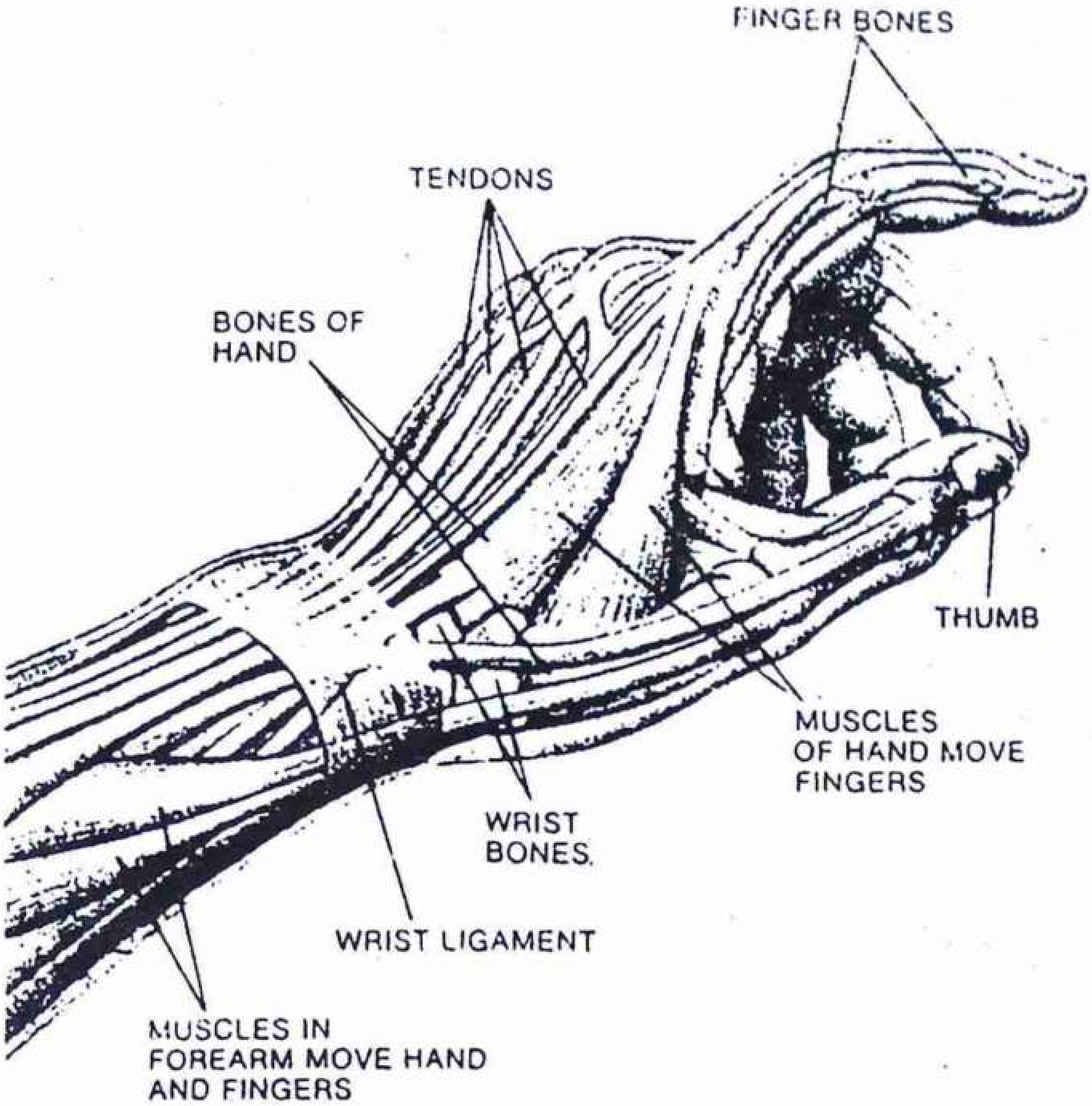

کی حرکات و سکنات کی نگرانی کے لیے دو بڑی جگہیں مخصوص ہیں۔ انہیں موٹر کورٹیکس (Motor Cortex) کہا جاتا ہے۔

اگر آپ اپنے انگوٹھے کو حرکت دیتے ہیں تو بہ ظاہر یہ ایک سادہ سا کام ہے لیکن اس حرکت کے پیچھے ایک حیران کن نظام کام کر رہا ہوتا ہے۔ اس معمولی سی حرکت کے لیے بھی دماغ سے مجھ تک ہزاروں پیغامات ہر لمحے سفر کرتے ہیں کہ فلاں پٹھے کو سکیڑا جائے، فلاں پٹھے کو ڈھیلا کر دیا جائے۔ فلاں ڈوری (Tendon) کو سخت کر و فلاں کو ڈھیلا چھوڑ دو۔

بچے کی پیدائش کے لمحے سے لے کر انسان کی آخری سانس تک، ہم دونوں ہاتھ مسلسل حرکت میں رہتے ہیں سوائے اس مختصر سے وقت کے جب آپ گہری نیند میں ہوتے ہیں۔

چالیس پینتالیس سال کے عرصے میں صرف انگلیوں کے کھلنے اور بند ہونے کا عمل کم از کم پچیس کروڑ مرتبہ دھرایا جاچکا ہوتا ہے۔ آپ کی ٹانگیں، بازو، پیر اور دوسرے اعضا مسلسل کام سے تھک جاتے ہیں مگر ہم یعنی آپ کے ہاتھ کبھی نہیں تھکتے۔ کیا آج تک کبھی آپ نے اپنے ہاتھوں میں تھکن یا درد محسوس کیا ہے۔ ہاں کوئی چوٹ لگ جائے تو دوسری بات ہے۔

نوزائیدہ بچہ جس وقت اس دنیا میں آتا ہے ہم دونوں ہاتھ اس وقت بھی بالکل تیار حالت میں ہوتے ہیں۔ اس وقت بھی ہم میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ اس کے وزن کو سنبھال سکیں۔ آپ کو یاد نہیں ہوگا لیکن آپ کی امی کو یاد ہوگا کہ آپ نے بھی پیدا ہوتے ہی اپنے ننھے منے سے ہاتھ کے ذریعے اپنی امی کی انگلی تھام لی تھی۔

جو پٹھے ہم ہاتھوں کو کنٹرول کرتے ہیں وہ ہم سے خاصے فاصلے پر آپ کی کہنی میں واقع ہیں اس کے باوجود ہمیں طاقت اور توانائی کی فراہمی میں نہ کبھی کمی واقع ہوتی ہے اور نہ خلل۔

میری طاقت کا شاید آپ کو اندازہ ہو۔ منوں وزنی سامان میں اٹھا سکتا ہوں۔ یہ طاقت میں آپ کے بازوؤں میں موجود پٹھوں سے حاصل کرتا ہوں۔ آپ کسی بھی چیز کو نوے پونڈ کی طاقت سے دبا سکتے ہیں۔ بعض لوگوں میں دباؤ کی یہ صلاحیت ایک سو بیس پونڈ تک ہوتی ہے۔ خواتین میں یہ طاقت مردوں کی نسبت آدھی پائی جاتی ہے۔

میرا اور میرے ساتھی کا باقاعدہ استعمال آپ نے چھ ماہ کی عمر سے کرنا شروع کیا تھا۔ اسی زمانے میں میں آپ کی آنکھوں اور ہاتھوں کی حرکات میں ہم آہنگی پیدا ہوئی تھی۔ اسی زمانے میں آپ نے چیزوں کو غور سے دیکھنا اور انہیں ہاتھ سے اٹھانا سیکھا تھا۔ یہ عرصہ انسان کی زندگی میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

سائنس دانوں کا خیال ہے کہ جب تک انسان چاروں ہاتھوں پیروں پر چلتا

تھا اور اس نے ہاتھوں کا استعمال شروع نہیں کیا تھا اس وقت تک وہ بڑے بڑے خطرات میں گھرا رہتا تھا لیکن جب اس کی ریڑھ کی ہڈی سیدھی ہوئی اور وہ دو پیروں پر کھڑا ہونے لگا تو ہم ہاتھوں کی خوبیاں اس پر ظاہر ہوئیں۔ ہمارے ہی ذریعے اس نے ہتھیار بنائے اور اپنے تحفظ کے لیے اقدامات کیے۔ اس زمانے کے بعد انسان کی زندگی میں ہاتھوں کی اہمیت وافادیت بڑھتی چلی گئی۔ اگر میں یہ کہوں کہ دنیا کے دوسرے جانداروں کی نسبت انسان نے ارتقاء و ترقی کے تمام زینے ہمارے ہی ذریعے طے کیے ہیں تو شاید یہ غلط نہ ہوگا۔

ویسے انسان نے اپنی تباہی و بربادی کے جو آلات اور ہتھیار ہمارے ذریعے تیار کیے ہیں انہیں دیکھ کر ہمارا دل چاہتا ہے کہ کاش ڈارون کا نظریہ درست ہوتا لیکن انسان ارتقائی منازل طے نہ کرتا۔

(یہ تصور سائنس نے پیش کیا ہے کہ انسان بھی پہلے چوپایہ تھا اور ارتقاء کی مختلف منزلیں طے کرتے ہوئے کھربوں سال میں اس نے موجودہ شکل اختیار کی ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق اللہ نے انسان کو مکمل انسان کے روپ میں پیدا کیا ہے۔ سائنس کے نظریات تبدیل ہوتے رہتے ہیں اس لیے کہ سائنس ابھی تحقیق و جستجو کے راستے میں محوِ سفر ہے۔ جب تک سفر مکمل نہ ہو جائے اس وقت تک راستے کے بارے میں کوئی بھی حتمی رائے قائم کرنا کہاں کی دانش مندی ہے!)

ہماری کچھ خوبیاں تو بہت ہی حیران کن ہیں مثلاً ہم نابینا لوگوں کی آنکھیں اور قوت گویائی سے محروم افراد کے لیے ان کی زبان بن جاتے ہیں۔ نابینا افراد ابھرے ہوئے الفاظ کی مدد سے علم حاصل کرتے ہیں اور قوت گویائی سے محروم لوگ اپنے ہاتھوں کے اشاروں سے ”بولنے“ لگتے ہیں۔

آپ جیب میں ہاتھ ڈال کر مطلوبہ سکے کو بغیر دیکھے پہچان لیتے ہیں۔ خواتین کپڑے کو صرف چھو کر اس کی کوالٹی کا اندازہ کر سکتی ہیں۔ کسان مٹی کو ہاتھ میں لے کر

اس کے بارے میں سب کچھ بتا سکتا ہے۔ یہ ہماری بڑی حیران کن خوبیاں ہیں مگر آپ کو ان کی اہمیت کا اندازہ اس لیے نہیں ہوتا کہ ہم ہمیشہ سے آپ کے ساتھ ہیں اور ان خوبیوں کو استعمال کرتے کرتے آپ ان کی قدر و قیمت کو محسوس ہی نہیں کرتے۔ حساب کتاب کرنے کے لیے اب تو کمپیوٹرز آ گئے ہیں لیکن میتھ میٹکس کا آغاز ہم ہاتھوں ہی کے ذریعے ہوا تھا۔شروع شروع میں انگلیوں کی پوریں ہی حساب کتاب کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔

ہماری بناوٹ اس قدر حیران کن ہے کہ ہمارا شمار آپ کے جسم کے بڑے پیچیدہ اعضاء میں کیا جاتا ہے۔آپ کے جسم کے کسی دوسرے حصے میں مختصر سی جگہ میں اتنی زیادہ مشینری موجود نہیں ہے۔آئیے میں آپ کو اپنا معائنہ کراؤں۔

میری کلائی میں آٹھ ہڈیاں موجود ہیں۔ پانچ ہڈیاں میرے پنجے میں پائی جاتی ہیں اور چودہ ہڈیاں انگلیوں کے جوڑوں میں۔ یہ کل ستائیس ہڈیاں ہوئیں۔اگر بائیں ہاتھ کی ستائیس ہڈیاں بھی جمع کر لیں تو یہ کل چون ہڈیاں ہوں گی۔یعنی جسم کی تمام ہڈیوں کا چوتھا حصہ تو صرف ہم ہاتھوں میں موجود ہے۔

مجھ میں اعصاب کا بہت بڑا نظام موجود ہے۔ جو مجھے بلکہ آپ کو گرمی، سردی، نرمی، سختی، درد یا راحت کو محسوس کرنے کے لیے دیا گیا ہے۔اتنی حساسیت جسم کے کسی دوسرے حصے میں نہیں پائی جاتی۔ ہر مربع انچ کے اندر مجھ میں اعصاب کے ہزاروں آخری حصے موجود ہیں۔خاص طور پر انگلیوں کے سروں یا پوروں میں تو ان کا بہت بڑا جال پھیلا ہوا ہے۔

کٹ پتلی کا تماشا تو آپ نے دیکھا ہوگا۔تماشا دکھانے والا کٹ پتلی کے ہاتھ، پیر اور گردن کو مختلف ڈوریوں کی مدد سے حرکت دیتا ہے۔ہم دونوں ہاتھ بھی کٹ پتلی کی طرح کام کرتے ہیں۔دماغ اپنے احکامات کے مطابق ہماری انگلیوں، پوروں اور جوڑوں کو حرکت دیتا رہتا ہے۔جن ڈوریوں کی مدد سے وہ ہمیں حرکت دیتا ہے

انہیں ٹین ڈنس(Tendons) کہا جاتا ہے۔

ٹین ڈنس کو آپ دیکھنا چاہیں تو اپنی ہتھیلی کو سامنے کر کے اپنی انگلیوں کو حرکت دیں اور اپنی کلائی پر نظر رکھیں یہ ڈوریاں یعنی ٹین ڈنس آپ کو جلد کی تہہ کے نیچے حرکت کرتی دکھائی دیں گی۔ یہ ٹین ڈنس پورے ہاتھ کی ہڈیوں سے گزرتے ہیں اور ان کا آخری سرا آپ کی کہنی میں ان پٹھوں(Muscles) سے جڑا ہوا ہے جو انہیں حرکت دیتا ہے۔

ہمیں حرکت دینے والے یہ ٹین ڈنس انتہائی پر پیچ طریقے سے جھلی کی پٹیوں میں پیک ہیں۔ انہی جھلیوں کے درمیان ایک خاص قسم کی جھلی (Facia) کی ایک تہہ موجود ہے۔ یہ جھلی دراصل اعصاب اور خون کی نالیوں کو سنبھالے رکھنے والے بافتوں(Tissues) کی ایک تہہ ہے۔

میرے اندر شریانوں اور وریدوں کے لیے جگہ کم ہوتی ہے۔ خون کی ان نالیوں کی بجائے میرے اندر خون کی باریک نالیوں (Capillaries) کا ایک بہت بڑا جال پھیلا ہوا ہے۔ اسی لیے سردی کا موسم یا کم درجہ حرارت ہم دونوں ہاتھوں کو سب سے زیادہ متاثر کرتا ہے۔ ہم دونوں ہاتھ آپ کے دل سے خاصے فاصلے پر واقع ہوئے ہیں۔ یہ سمجھ لیں کہ گویا ہم مصافات میں رہتے ہیں۔ جسم کے اندر رہنے والے اعضا سردی سے محفوظ رہتے ہیں۔ سردی کا مقابلہ ہمیں کرنا پڑتا ہے۔ یہاں کم خون ہوتا ہے اس لیے جلدی ٹھنڈا ہوتا ہے۔

آپ تو ہمیں ہمیشہ سے دیکھتے آئے ہیں۔ بچپن سے لے کر آج تک دن رات ہمیں استعمال کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے شاید اسی لیے آپ ہمیں دیکھ کر حیران نہیں ہوتے۔ اگر ہم نہ ہوتے اور پھر ایک دن ہم آپ کو مل جاتے تو شاید آپ ہماری قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکتے۔

میں یعنی آپ کا ہاتھ قدرت کی اعلیٰ ٹیکنالوجی کا نادر و نایاب نمونہ ہوں اور سپر

کمپیوٹر (دماغ) کی کمانڈز کے مطابق آپ کے لیے بیشمار خدمات انجام دیتا ہوں۔ کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ ضروری نہیں تھا کہ آپ کی انگلیاں الگ الگ ہوتیں اور ان میں پوریں بھی موجود ہوتیں۔ بہت سے بچے پیدائشی طور پر جڑی ہوئی انگلیوں کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں اور بہت سے مسائل سے دوچار رہتے ہیں! آپ اپنی انگلیوں کی پوروں کو موڑے بغیر کوئی کام کرنے کی کوشش کر کے دیکھیں۔ شاید ہی کوئی کام ایسا ہو جو آپ کر سکیں!

اگر پوریں ہوتیں اور انگوٹھا نہ ہوتا تب بھی آپ کے لیے کوئی کام کرنا ناممکن تھا۔ انگوٹھا آپ کی چاروں انگلیوں کے ساتھ ملتا ہے تو آپ دنیا کا ہر کام کر سکتے ہیں۔ انگوٹھا کام نہ کرے تو آپ کی تخلیقی صلاحیتیں دھری کی دھری رہ جائیں۔ آپ اسی کی مدد سے قلم تھامتے ہیں، اسی کی مدد سے پہاڑ کاٹتے ہیں۔ انگوٹھا نہ ہو تو ڈاکٹر نسخہ نہیں لکھ سکتا۔ سرجن آپریشن نہیں کر سکتا۔

انگلیوں میں سے کوئی انگلی ناکارہ ہو جائے تو دشواری کے ساتھ ہی سہی پھر بھی بہت سے کام کیے جا سکتے ہیں لیکن انگوٹھا نہ رہے تو آپ کا ہاتھ اس پلاس کی طرح ہو جائے گا جس کا ایک بازو الگ ہو چکا ہو!

ارے ہاں۔ میں اپنی ایک حیران کن خصوصیت تو بتانا بھول ہی گیا۔ انگوٹھے پر موجود نشان۔ یہ نشانات بچے کی انگلیوں پر اس وقت مکمل ہو چکے ہوتے ہیں جب بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں چوتھا مہینا گزار رہا ہوتا ہے۔ جو نشان آپ کے انگوٹھوں پر موجود ہیں، یہ آپ کی انفرادیت ہیں۔ یہ نشان دنیا میں اب تک پیدا ہونے والے ہر انسان کے انگوٹھے کے نشانات سے مختلف ہیں۔ مختصر سی جگہ میں دائروں اور لکیروں پر مبنی یہ نشانات قدرت کا ایک حیران کن عجوبہ ہیں۔

میری یعنی آپ کے ہاتھ کی ہتھیلیوں میں پسینہ پیدا کرنے والے غدود کا ایک بڑا نیٹ ورک کام کرتا ہے۔ ان غدود کی پیدا کردہ نمی کی وجہ سے میں اس قابل ہوتا

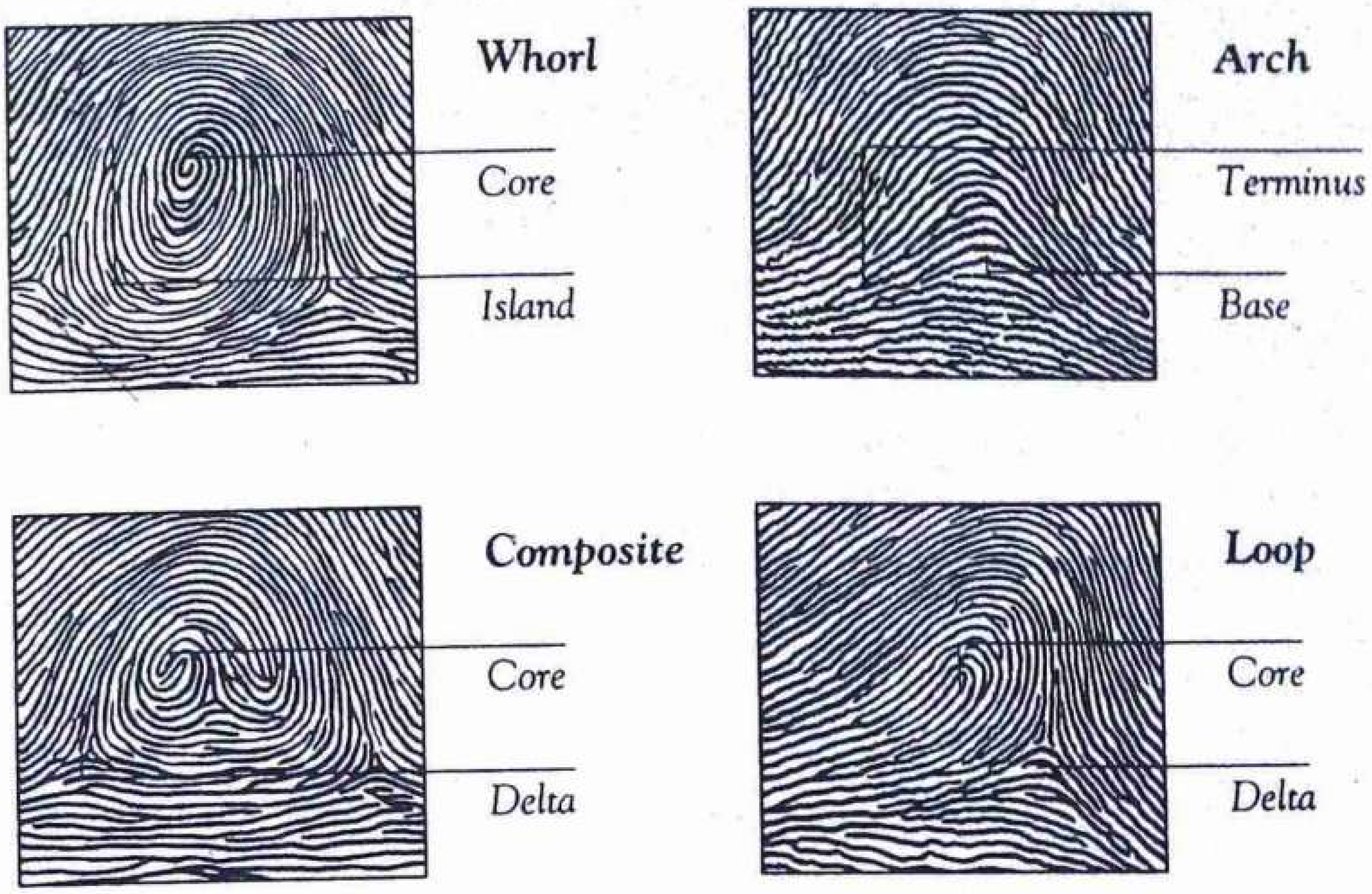

ہوں کہ کسی بھی چیز کو زیادہ مضبوطی سے پکڑ سکوں۔ کرکٹ کا بیٹ ہو یا کار کا اسٹیرنگ وھیل، اسے آپ ہتھیلیوں کی مناسب نمی کی مدد ہی سے بہتر طور پر تھام سکتے ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ اگر کسی شخص کا انگوٹھا کٹ جائے یا کسی حادثے میں ناکارہ ہو جائے تو وہ شخص معذوری کا شکار ہو جایا کرتا تھا۔ انگوٹھا معاشی جنگوں کا بھی شکار رہا ہے۔ یورپ کی طاقتور قوموں نے برصغیر پر قبضہ کیا تو وہ لوگ یہاں کپڑے کی اعلیٰ صنعت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہوں نے مغرب میں اپنی کپڑے کی مشینوں کو رواں دواں رکھنے کے لیے ڈھاکا کی نفیس ململ تیار کرنے والے بے مثال کاریگروں کے ہاتھ تو نہیں کاٹے بس ان خاندانی کاریگروں کے انگوٹھے کاٹ دیئے اور برصغیر میں کپڑے کی صنعت اپنی موت آپ مرگئی۔ اب مغرب کی طاقتور قومیں غریب قوموں کو اپنا غلام بنا چکی ہیں اس لیے اب انھیں انگوٹھا کاٹنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

اب ہمارا انگوٹھا کسی حادثے کی وجہ سے کٹ سکتا ہے یا ناکارہ ہو سکتا ہے۔ خدا نہ خواستہ اگر ایسا ہو جائے تو سرجری کے کمالات متاثرہ شخص کو معذور ہونے سے محفوظ

رکھتے ہیں۔ ہاتھ کی سرجری کے ماہرین ایک نازک آپریشن کے ذریعے انگشتِ شہادت کو انگوٹھے کی جگہ لگا دیتے ہیں۔ یہ کام بہ ظاہر آسان لگتا ہے لیکن حقیقتاً ایسا ہے نہیں۔ انگشتِ شہادت کو اس کے تمام اعصاب، خون کی نالیوں اور ٹین ڈنس کے ساتھ انگوٹھے کی جگہ ٹرانس پلانٹ کرنا بے حد مشکل اور پیچیدہ کام ہے۔ اس آپریشن میں کئی کئی گھنٹے صرف ہوتے ہیں اور آپریشن کامیاب ہو جانے کے بعد مریض کو کئی مہینے درکار ہوتے ہیں تب کہیں جا کر وہ اس نئے انگوٹھے کو استعمال کرنا سیکھتا ہے۔

ہاتھ کی سرجری کے ان کمالات سے صحیح معنوں میں وہ لوگ زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کی انگلیاں پیدائشی طور پر ایک دوسرے سے جڑی ہوں یا ان کے ہاتھوں میں اضافی انگلیاں موجود ہوں یا ان کے ہاتھوں میں پیدائشی طور پر کوئی دوسرا نقص پایا جاتا ہو۔ ہاتھ کی سرجری کے اس پیچیدہ آپریشن کو سرانجام دینے والے سرجن کے لیے سرجری کے ساتھ ساتھ آرتھوپیڈک، اعصابی ماہر، خون کی نالیوں کا اسپشلسٹ، اور پلاسٹک سرجری کا بھی ماہر ہونا ضروری ہے۔ ایسا ماہر سرجن ہی ہاتھ کو دوبارہ کام کرنے کے قابل بنا سکتا ہے۔ جو ان تمام شعبوں میں مہارت یا کم سے کم بہتر سوجھ بوجھ رکھتا ہو۔

جوڑوں کی بیماری شدید ہو تو اکثر ہماری شکل وصورت بگاڑ کر رکھ دیتی ہے۔ اس کی وجہ سے ہمارے جوڑوں میں سوجن اور سوزش پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح میں اور میرا دوسرا ساتھی آخر کار کسی کام کے لائق نہیں رہتے۔ ہاتھوں کے سرجن اس سلسلے میں کافی حد تک مدد کر سکتے ہیں۔ ماہر سرجن ہمارے جوڑوں کی اندرونی سطح پر موجود سوزش زدہ جھلی کو نکال کر انگلیوں کو دوبارہ سیدھا کر دیتے ہیں۔ اس طرح ہم دوبارہ آپ کی خدمت کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اس آپریشن کے دوران اگر سرجن محسوس کرے کہ ہمارے جوڑ بھی ناکارہ ہو چکے ہیں تو وہ ان خراب جوڑوں کو نکال کر ان کی جگہ پلاسٹک کے بنے ہوئے جوڑ ڈال دیتا ہے اور یوں ہمارا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

ہاتھوں کی ہتھیلیاں ایک خاص مادے میلانن سے محروم ہوتی ہیں۔ یہ مادہ انسان کی جلد، بالوں اور آنکھوں کے رنگ کو متعین کرتا ہے۔ اسی لیے انسان کالا ہو یا گورا، اس کی ہتھیلیاں گلابی سے رنگ کی ہوتی ہیں۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کا سبب یا فائدہ ابھی سائنس دانوں کی سمجھ میں نہیں آیا۔

میں اور میرا ساتھی آپ کا دوسرا ہاتھ آپ کے سب سے زیادہ کام سرانجام دیتا ہے اور شاید اسی لیے آپ کے کسی بھی دوسرے عضو کی نسبت ہم حادثات سے زیادہ دوچار ہوتے ہیں۔ میرا جلنا، دبنا، مجھ پر زخم آنا، میرا کٹ جانا، جھلس جانا، میرے اندر سوئی چبھنا، یہ سارے حادثات میرے لیے عام ہیں۔

مجھ پر فنگس انفیکشن کا حملہ ہوسکتا ہے۔ میں جلد کی سوزش (Dermatitis) کا شکار ہوسکتا ہوں۔ سورائی سس (Psoriasis) کی بیماری کی وجہ سے میری جلد پر مچھلی جیسے کھپرے ابھر سکتے ہیں۔ مختلف اقسام کی الرجی مجھے متاثر کرسکتی ہے میرے ٹین ڈنس (Tendons) جن کے بارے میں میں آپ کو بتا چکا ہوں ان میں کھنچاؤ پیدا ہوسکتا ہے جس کے نتیجے میں میرے پٹھے سکڑ جاتے ہیں۔ جوڑوں کی بیماری (Arthritis) مجھ پر حملہ آور ہوسکتی ہے۔ اس بیماری سے میرے جوڑ بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ البتہ کینسر ایک ایسی بیماری ہے جس سے میں محفوظ رہتا ہوں۔

چوٹ یا زخم کے ذریعے جلد کے اندر داخل ہونے والے جراثیم کی تباہ کاریوں سے بچنے یا ان کے نقصانات کو کم سے کم علاقے تک محدود رکھنے کے لیے ہمارے بنانے والے نے بڑے حیران کن انتظامات کیے ہیں۔ آپ بھی انہیں سنیں گے تو ان انتظامات کے بارے میں اپنی بے خبری پر حیرت بھی کریں گے اور افسوس بھی۔

اپنے ہاتھ کو ہتھیلی کی طرف سے اپنے سامنے کر کے دیکھیں۔ ہر انگلی تین حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ یہاں انگلیوں کے جوڑ موجود ہیں۔ انہیں آپ انگلی کی پوریں کہتے

ہیں۔ تین گہری لکیریں ہر انگلی کی پوروں کو ایک دوسرے سے الگ کرتی ہیں۔ یہ گہری لکیریں جوڑ کو مڑنے میں مدد فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ جراثیم کی تباہ کاریوں کو محدود رکھنے میں بھی بڑا اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ گہری لکیریں میری اوپری سطح سے ٹین ڈنس کے اوپر موجود ان جھلیوں تک جاتی ہیں جن کے اندر اعصاب اور خون کی نالیوں کا پورا نیٹ ورک موجود ہے۔ اس طرح انگلیوں اور انگوٹھے کی تمام پوریں میری اندرونی سطح تک ایک دوسرے کے ساتھ ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں۔ اسی لیے کٹ جانے، سوئی یا کانٹے کے چھبنے یا کسی اور سبب سے پیدا ہونے والا انفیکشن ایک خاص مدت تک صرف اسی پور تک محدود رہتا ہے۔ اس کے برعکس اگر اس طرح کا زخم جسم کے کسی دوسرے حصے پر آ جائے اور جراثیم یہاں انفیکشن پھیلا دیں تو یہ انفیکشن بہت تیزی سے زیادہ بڑے علاقے تک پھیل سکتا ہے۔

اس طرح کے حفاظتی زون آپ کی ہتھیلی پر بھی موجود ہیں۔ دست شناسی کرنے والے ان گہری لکیروں کو زندگی، دماغ اور دل کی لکیریں کہتے ہیں۔ حفاظتی نقطہ نظر سے یہ بڑی لکیریں ہمیں یعنی آپ کے ہاتھوں کو تین زون یا حصوں میں تقسیم کرتی ہیں۔ ایک حصہ انگوٹھے کو محفوظ کرتا ہے۔ دوسرے حفاظتی زون کے اوپر آپ کی انگشتِ شہادت واقع ہے اور تیسری بڑی لکیر آپ کی باقی تین انگلیوں کے گرد حفاظتی زون قائم کرتی ہے۔

قسمت کا حال جاننے کے لیے تو آپ نے ان لکیروں پر جانے کتنی مرتبہ غور کیا ہوگا لیکن ہمیں دن رات استعمال کرنے اور دن رات دیکھنے کے باوجود کتنے لوگ ہیں جو اپنے ہاتھ کے اندر قسمت بنانے والے کی بے پناہ حکمتوں پر بھی غور و فکر کرتے ہوں۔

ذرائع نقل و حمل

پاؤں

آپ پختہ سڑک یا فٹ پاتھ پر سو قدم فی منٹ کے حساب سے چلتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے ایک پاؤں کو ڈیڑھ سو پونڈ کے وزن کے ساتھ ایک منٹ میں پچاس مرتبہ پختہ فرش پر مار رہے ہوتے ہیں۔

پاؤں کی کہانی، ایک پاؤں کی زبانی

میں آپ کے جسم میں قدرت کا ایک حیران کن عجوبہ ہوں۔ میرے بغیر زندگی تو ممکن ہے مگر ایسی زندگی جو مصنوعی آلات اور معذوری کے درمیان بسر ہوتی ہے۔ اب تک آپ ہزاروں میل چل چکے ہوں گے۔ میں اور میرا ساتھی نہ ہوں تو انسان آنے جانے چلنے پھرنے سے معذور ہو جائے یا اس کی زندگی وہیل چیئر پر گزرے۔

میں آپ کا سیدھا پاؤں ہوں۔ آپ نے اگرچہ مجھے کبھی کوئی اہمیت نہیں دی اور نہ کبھی صحت مند انسان میری قدر و قیمت جان سکتا ہے لیکن میری قدر و قیمت ان لوگوں سے پوچھی جا سکتی ہے جن کے پاؤں کسی بیماری کی وجہ سے نہ جسم کا وزن برداشت کر سکتے ہوں اور نہ کوئی حرکت۔

انسانی جسم کے ماہرین ہمیں انجینئرنگ اور آرکیٹکٹ کا اعلیٰ ترین شاہکار قرار دیتے ہیں۔ یقین کیجئے کہ ایک عام آدمی اس بات کا اندازہ ہی نہیں کر سکتا کہ اس کے پاؤں کس قدر پیچیدہ مشین ہیں اور ایک سپر کمپیوٹر کے اشاروں پر کس طرح کام کرتے ہیں۔ اکثر آپ اپنی کھڑکی کھول کر باہر کا نظارہ کرنے میں مصروف ہوتے ہیں۔ بالکل خالی الذہن، آپ بے فکری اور آرام سے کھڑے خلاؤں میں گھور رہے ہوتے ہیں،

اس وقت آپ کے دماغ میں اپنے پیروں کے تصور کا کوئی امکان ہی نہیں ہوتا مگر اس وقت بھی میں اور میرا ساتھی پیر آپ کو آرام سے کھڑا رکھنے کے لیے بے حد پراسرار اور پیچیدہ خدمات انجام دے رہے ہوتے ہیں۔ اگر اس وقت ہم یہ خدمات انجام دینا بند کر دیں تو انسان خالی بوری کی طرح فرش پر ڈھیر ہو جائے۔

اس وقت میں اپنی 26 ہڈیوں، 107 لیگا مینٹس (Ligaments) (لیگا مینٹس کو آپ جھلی سے بنی ہوئی پٹیاں بھی کہہ سکتے ہیں) اور 19 پٹھوں کے پیچیدہ و پراسرار عمل اور رد عمل کے ذریعے سپر کمپیوٹر (دماغ) کو لمحہ بہ لمحہ پیغامات ارسال کرتا رہتا ہوں اور اس کی جانب سے ہر لمحہ آنے والے ہزاروں احکامات کے مطابق ڈیڑھ سو پونڈ وزنی اور ساڑھے پانچ چھ فٹ لمبے جسم کے توازن کو صرف سات آٹھ انچ کی جگہ پر سنبھالے رکھنے کے لیے ہر لمحہ ایک نئی حکمت عملی اختیار کرتا رہتا ہوں۔ اس طرح کہ آپ سیدھے کھڑے رہ سکیں کسی ایک طرف کو گر نہ جائیں۔ ذرا آپ کسی اتنی ہی وزنی اور لمبی چیز کو دو پیروں جتنی جگہ پر سیدھا کھڑا کر کے دیکھیں!

جب آپ کھڑے ہوتے ہیں تو اس وقت ہر لمحے بے شمار پیغامات پیروں سے دماغ اور دماغ سے ہم پیروں تک آتے جاتے رہتے ہیں۔ ایڑیوں میں موجود مواصلاتی مراکز دماغ کو ہر لمحے جسم کے ادھر ادھر ہوتے وزن اور بدلتے ہوئے زاویوں کے بارے میں سگنلز روانہ کرتے رہتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ پیر کے فلاں حصے میں وزن کا دباؤ بڑھ رہا ہے۔ جسم فلاں زاویے پر ذرا سا مڑ رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔ دماغ ہر لمحے ان پیغامات کی روشنی میں ہمارے لیے نئی حکمت عملی ترتیب دیتا ہے۔ مثلاً دماغ سے حکم جاری ہوتا ہے کہ فلاں پٹھے کو سکیڑ لو، فلاں پٹھے کو ڈھیلا چھوڑ دو۔

کھڑے ہونے کے لیے جسم کو جس توانائی کی ضرورت پڑتی ہے اس کی مسلسل فراہمی ایک الگ موضوع ہے۔ مطلوبہ توانائی کا اندازہ کر کے پیر کا مواصلاتی نظام دماغ میں موجود ہائی پوتھیلی مس کو اطلاع فراہم کرتا ہے۔ ہائی پوتھیلی مس ماسٹر گلینڈ کو ان

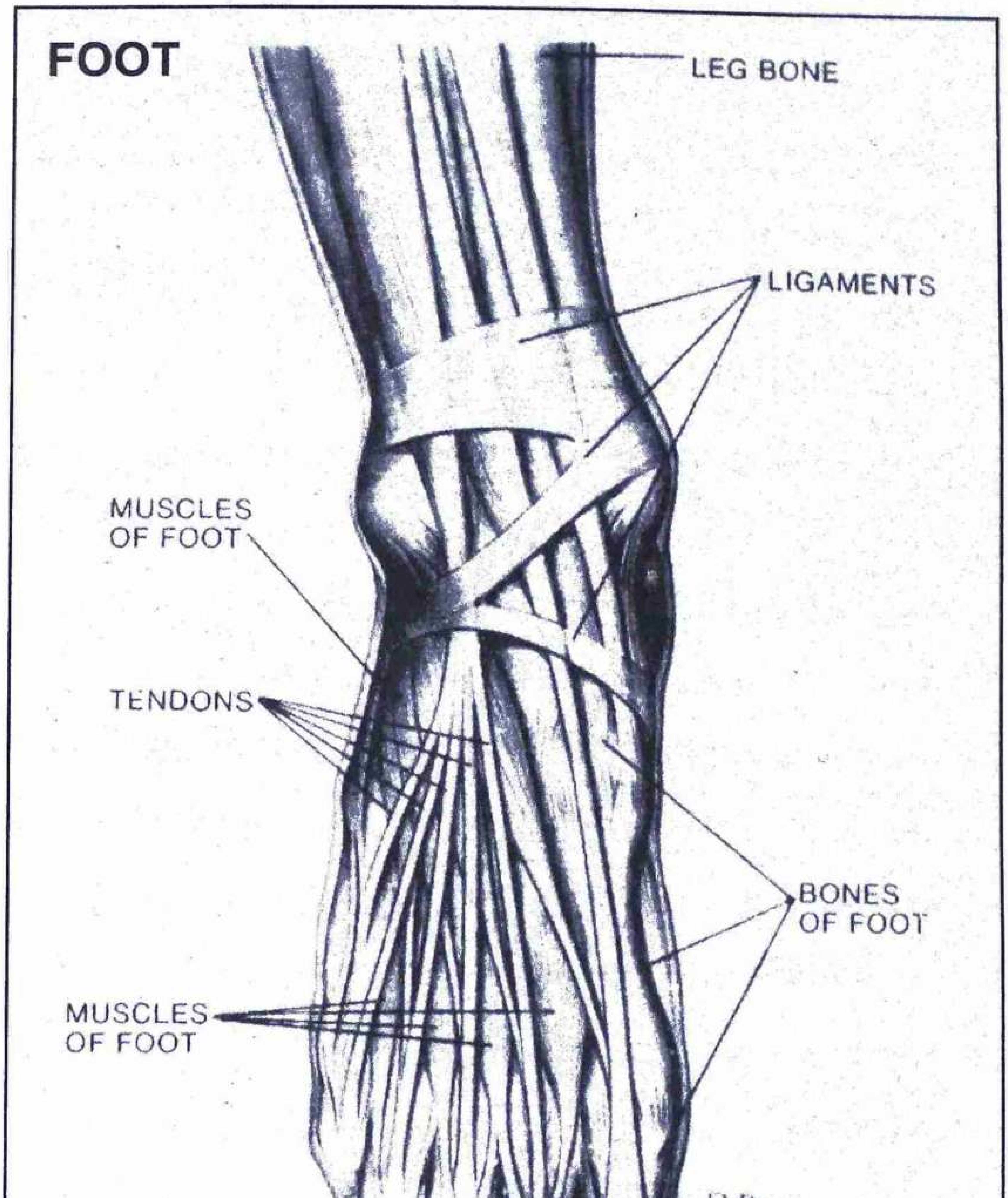
FOOT
LEG BONE
LIGAMENTS
MUSCLES
OF FOOT
TENDONS
BONES
OF FOOT
MUSCLES
OF FOOT

ضروریات سے آگاہ کرتا ہے۔ ماسٹر گلینڈ خون میں ایک ہارمون شامل کر دیتا ہے جو براہ راست آپ کی گردن پر موجود جسم کے توانائی گھر (تھائی رائیڈ گلینڈ) کو موصول ہوتا ہے۔ یہ گلینڈ اس کے جواب میں ایک اور ہارمون خون میں شامل کر دیتا ہے جو سیکنڈوں میں جسم کے ساٹھ ٹریلین خلیوں تک پہنچتا ہے اور ہر خلیہ خود میں موجود ایک ہزار توانائی گھروں کو آن کر دیتا ہے اور ہم پیروں کو مطلوبہ توانائی سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں فراہم کر دی جاتی ہے۔

قدم اٹھانا، چلنا، آگے بڑھنا آپ کے لیے ایک عام سی بات ہے حالانکہ یہ ایک بہت ہی پیچیدہ عمل ہے۔ آپ چونکہ اس کے عادی ہیں اس لیے اس کی اہمیت اور پیچیدگی کا انداز نہیں کر سکتے! یہ پراسرار عمل بھی ہم جسم کے سپر کمپیوٹر یعنی دماغ ہی کی مدد سے سرانجام دیتے ہیں۔ ذہنی طور پر معذور افراد کے پاؤں ہوتے ہیں لیکن وہ جسم کا وزن سہارنے، قدم اٹھانے یا آگے بڑھنے سے قاصر رہتے ہیں۔

چلنے کے عمل کا آغاز ایڑی کی ابتدائی کوشش سے ہوتا ہے۔ ایڑی آگے کو زور لگاتی ہے اور یہ طاقت تلوے کی پانچ مخصوص ہڈیوں سے گزرتی ہوئی آپ کے پنجوں تک پہنچ جاتی ہے۔ خاص طور پر پاؤں کے انگوٹھوں تک۔ اسی توانائی کے ذریعے میں آگے بڑھتا ہوں۔ یہی عمل دوسرے پیر میں بھی سرانجام پاتا ہے۔ اور ہم دونوں ایک دوسرے کے تعاقب میں آگے بڑھنے لگتے ہیں اس طرح کہ ہمارے اوپر موجود ڈیڑھ دو سو پونڈ وزنی، ساڑھے پانچ چھ فٹ لمبا جسم دائیں بائیں یا آگے پیچھے گرنے نہیں پاتا۔

توازن کو قائم کرنا دماغ کے مخصوص حصے کا کام ہے۔ آپ کے کانوں میں موجود مخصوص کوکلیا (Cochlea) جسم کے توازن کی دیکھ بھال کی ذمے دار ہے۔ اس کی تفصیل آپ کانوں کی کہانی میں پڑھ چکے ہیں۔

ہماری ان بے مثال خدمات کے باوجود لوگ ہمارے بارے میں اتنی بھی فکر نہیں کرتے جتنی وہ اپنی گاڑی کے ٹائر کی کرتے ہیں۔ ہمارا خیال رکھنا تو دور کی بات

ہے، آپ لوگ اکثر ہمیں غیر ضروری طور پر اذیت میں مبتلاء کرتے ہیں اور جب ہم میں کوئی تکلیف ہو تو جھنجھلا جاتے ہیں۔

جب آپ چلتے ہیں تو مجھ پر کیا گزرتی ہے اس کا آپ کو شاید ہی اندازہ ہو۔ آپ پکی سڑک یا فٹ پاتھ پر سو قدم فی منٹ کے حساب سے چلتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مجھے ڈیڑھ سو پونڈ کے وزن کے ساتھ ایک منٹ میں پچاس مرتبہ پکے فرش پر مار رہے ہیں۔ جسم کا وزن زیادہ ہو تو مجھ پر دباؤ بھی زیادہ ہوگا۔ یہی حال میرے ساتھی دوسرے پیر کا بھی ہوتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں ایک اوسط عمر رکھنے والا انسان اپنی زندگی میں کم و بیش پینسٹھ ہزار میل پیدل چلتا ہے۔ غریب آدمی کی تو زیادہ تر زندگی پیدل چلنے ہی میں گزرتی ہے۔ اب آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ انسان کی پوری زندگی میں مجھے کتنے کروڑ جھٹکے برداشت کرنا پڑتے ہوں گے۔ وزن اٹھانے والے مزدوروں کے پیروں پر پڑنے والے دباؤ کی کہانی الگ ہے۔

آپ کی بے احتیاطی سے مجھ میں زہریلے کانٹے، کیلیں اور شیشے کے ٹکڑے چبھنے کے واقعات عام ہیں لیکن ان ساری اذیتوں کے باوجود ہم زندگی بھر آپ کا بوجھ نہ صرف اٹھاتے ہیں بلکہ اس بوجھ کے ساتھ آپ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے سے بہت کم انکار کرتے ہیں۔

انسان جب تک جنگلوں میں رہتا تھا، ہم پیر بڑے مزے میں تھے۔ اس وقت انسان ننگے پاؤں گھوما کرتا تھا۔ (بعد میں انسانوں نے ہمیں دوسرے حیوانوں کی کھال میں لپیٹنا شروع کیا) پہلے انسان غیر ہموار زمین پر چلتے تھے اس وقت ہمارے لیے ورزش کے بہترین مواقع موجود تھے۔ پھر جوتے آگئے، راستے سخت پتھریلے ہوتے گئے۔ گھروں میں سیمنٹ کا فرش بنایا جانے لگا۔ اب تو ہم ان تکلیفوں کے عادی ہوگئے ہیں۔ شروع میں بہرحال ہمیں بڑی مشکلات پیش آئیں۔

بہت سے ماں باپ اپنے ایک سال سے بھی چھوٹے بچوں کو خوبصورت

جوتے پہنانے کے شوق میں ان کے پیروں کو سخت تکلیف میں مبتلاء کر دیتے ہیں۔ انہیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس عمر میں بچوں کے پیروں کی ہڈیاں بے حد نرم اور ربڑ کی طرح ہوتی ہیں۔ (پیروں کی تعمیر کا کام بیس سال کی عمر تک مکمل ہوتا ہے۔) ماں باپ اپنے بچوں کو جوتے پہنا کر خوشی محسوس کرتے ہیں مگر سخت جوتے ایسے بچوں کے پیروں میں کئی خرابیاں پیدا کر دیتے ہیں یہی نہیں، تنگ موزے بھی بچوں میں یہی خرابیاں پیدا کر سکتے ہیں۔

کئی نوجوان والدین اپنے چھوٹے بچے کو وقت سے پہلے ہی چلنا سکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ بچے کو دیوار کے سہارے سے کھڑا کر کے بچے کو پہلا قدم اٹھانے کی دعوت دیتے ہیں حالانکہ اس وقت بچے کے پیر جیلی کے بیگ کی طرح ہوتے ہیں اور ابھی ان میں وزن برداشت کرنے کی صلاحیت موجود نہیں ہوتی۔ ایسے والدین کو چاہیے کہ وہ یہ فیصلہ بچے پر چھوڑ دیں کہ اسے کب اپنے پیروں پر چلنا ہے! اس وقت تک بچے کو جوتے اور تنگ موزے پہنانے کی کوشش بالکل نہ کی جائے۔ بلکہ بہتر ہے کہ بچے کے پاؤں پاؤں چلنے کے ایک دو مہینے بعد تک اس کے پیروں کو جوتوں میں قید کرنے سے گریز کیا جائے۔

چھ سال کی عمر کے زمانے میں چالیس فی صد بچوں میں "سپاٹ پیر" یعنی فلیٹ فُٹ کی خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ سپاٹ پیر، ایسے پیروں کو کہا جاتا ہے جن کے تلووں میں گہرائی نہیں ہوتی۔ تلوے تقریباً سپاٹ ہوتے ہیں۔ اسی کی وجہ سے پیروں کے انگوٹھے کی ہیئت بھی تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس کے دو اسباب ہیں۔ ایک تو یہ خرابی وراثت میں ملتی ہے اور دوسرا سبب وقت سے پہلے جوتوں یا خراب جوتوں کا استعمال ہے۔ چھ سال کی عمر تک جوتوں کا ناپ ہر چار یا چھ ہفتے کے بعد بدل جاتا ہے اس لیے ہر چھ ہفتے بعد بچوں کے پیروں کو ناپ کر نئے جوتے پہننا چاہئیں۔ بارہ سال کی عمر تک سال میں چار مرتبہ جوتے تبدیل کرنا ضروری ہیں۔

ایک پرانی کہاوت ہے کہ اگر پیر تکلیف میں ہے تو سارا جسم تکلیف میں ہے۔ ہمیں بعض ایسی تکالیف کا سبب بھی سمجھا جاتا ہے جو جسم کے دوسرے حصوں میں رونما ہوتی ہیں۔ مثلاً کمر کا درد، سر کا درد، ٹانگوں میں کھنچاؤ یا بائیٹا آنا۔ دراصل یہ ساری تکالیف کھڑے ہونے کا انداز بدلنے، یا جوتوں کی وجہ سے چال بدل جانے یا چال ڈھال میں تبدیلی کی وجہ سے رونما ہوتی ہیں۔ خواتین میں پیروں کی تکالیف کا تناسب مردوں کی نسبت چار گنا زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ اونچی ایڑی والے جوتوں کا استعمال ہے۔ اونچی اور پتلی ایڑی کی وجہ سے جسم کا سارا وزن آگے کی طرف پڑتا ہے، جہاں اسے نہیں پڑنا چاہیئے۔ یہ وزن پنڈلی کے پٹھوں کو سکیڑ دیتا ہے اور ریڑھ کی ہڈی کے توازن کو بگاڑ دیتا ہے۔ اسی وجہ سے خواتین میں ٹانگوں اور کمر کے درد کی شکایات زیادہ عام ہیں۔

مردوں کے پیر میں اکثر کارن (Corns) پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جوتے کی وجہ سے ایک خاص جگہ یا مقام پر دباؤ زیادہ پڑتا ہے۔ مجھے اس دباؤ کا مقابلہ کرنے کے لیے اضافی انتظامات کرنا ہوتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں اس خاص جگہ پر ایک حفاظتی بافتہ (Tissue) وجود میں آجاتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اس جگہ پر مردہ خلیوں کا ''ڈھیر'' جمع ہونے لگتا ہے۔ اس کی وجہ سے اس جگہ موجود اعصاب دبتے ہیں اور درد محسوس ہونے لگتا ہے۔ (درد بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ اگر درد محسوس نہ ہو تو جسم میں پیدا ہونے والی خرابی اور ٹوٹ پھوٹ کا انسان کو علم ہی نہ ہو سکے۔) ایک کارن کے علاج اور ٹھیک ہونے میں ایک ہفتے تک بستر پر آرام کرنا پڑتا ہے۔

ہماری ایک بیماری ''ایتھلیٹ فٹ''، یعنی اتھلیٹس کے پیر کہلاتی ہے۔ اس کا سبب پھپھوندی (فنگس) ہوتی ہے۔ پھپھوندی یوں تو نادیدہ طور پر ہم پیروں پر رہتی ہی ہے مگر یہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتی البتہ اگر اس کی مقدار زیادہ ہو جائے اور یہ انگلیوں

کے درمیان مرطوب جلد میں بڑھنے لگے تو مشکلات کا سبب بنتی ہے۔اس کا بہترین علاج پیروں کو خشک رکھنا ہے۔اگر دن میں دو تین مرتبہ پیروں کو اچھی طرح دھو کر خشک کرلیں اور ہر بار ان پر پاؤڈر چھڑک کر کھلی ہوئی چپل استعمال کریں تو مسئلہ کافی حد تک حل ہوسکتا ہے۔

زیادہ عمر کے لوگوں میں کبھی کبھار پاؤں سن ہوجانے یا پیروں میں ٹھنڈک محسوس کرنے کی شکایات پائی جاتی ہیں۔اس کی وجہ پیروں میں خون کی گردش کم ہونا ہے۔خون کی گردش درست ہوجائے تو یہ شکایات ختم ہوجاتی ہیں۔پاؤں کی بہترین ورزش نرم، ناہموار زمین یا گھاس پر ننگے پاؤں چہل قدمی کرنا ہے۔

اگرچہ زندگی کا دو تہائی حصہ آپ کو جوتا پہنے پہنے گزرتا ہے مگر جوتے خریدنے کے گر آپ کو شاید ہی معلوم ہوں۔جوتے دوپہر میں خریدنے چاہئیں اس لیے کہ چلنے پھرنے کی وجہ سے اس وقت پاؤں ممکنہ حد تک سوجے ہوئے ہوتے ہیں۔نیا جوتا پہن کر کھڑے ہوجائیں اور چل کر دیکھیں کہ جوتا آپ کے پنجے کو دبا تو نہیں رہا۔اس کا اوپر کا حصہ پیر مڑنے کی صورت میں پنڈلی اور پیر کے اوپری حصے سے ٹکرا تو نہیں رہا۔

جوتا ہمیشہ ایسا خریدیں جو نرم، ہلکا، ہموار (چھوٹی ایڑی والا) اور پاؤں میں ذرا سا ڈھیلا ہو۔تسمے کس کر نہ باندھیں ورنہ آپ جلد ہی تھک جائیں گے اور آپ کے پیروں میں درد شروع ہوجائے گا۔موزے خریدتے اور پہنتے وقت بھی خیال رکھیں کہ موزے زیادہ تنگ نہ ہوں اور انہیں زیادہ کھینچ کر نہ پہنیں۔ان کی وجہ سے پیروں کی انگلیاں اور انگوٹھے تکلیف میں مبتلاء ہوجاتے ہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے۔''جوتا سفید یا زرد رنگ کا سب سے زیادہ مبارک (اچھا) ہوتا ہے''۔اس کے بعد براؤن رنگ آتا ہے۔گہرے رنگوں کے جوتوں میں توانائی جذب ہوتی ہے۔کالے رنگ کا جوتا نہ پہنیں تو بہتر ہے۔

*

اضافی حسن، اضافی تحفظ

بال

بالوں کے خلیے گول ہوں تو بال سیدھے ہوں گے، یہ خلیے بیضوی ہوں تو بال لہریے دار ہوں گے اور اگر ان کی بناوٹ چپٹی ہو تو ایسی صورت میں آپ کے بال گھنگھریالے ہوں گے۔

بالوں کی کہانی، ایک بال کی زبانی

بہ ظاہر تو ہم بالوں کا کوئی خاص مصرف نظر نہیں آتا اسی لیے ہم بڑھنے لگتے ہیں تو ہمیں بڑی بے دردی سے کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے لیکن جناب آپ ہمیں کتنا ہی کاٹیں، کتنا ہی بے کار سمجھیں لیکن ہم بڑھتے ہی رہتے ہیں اس لیے کہ ہمیں اپنے پیدا کرنے والے نے یہی حکم دیا ہے۔ ہمیں اس حکم کی پابندی کرنا ہوتی ہے۔ ہم آپ کی طرح آزاد نہیں ہیں کہ مالک کا کہا مانیں یا نہ مانیں۔ اسی لیے ہم کٹتے رہتے ہیں لیکن آگے ہی بڑھتے رہتے ہیں لیکن بے سوچے سمجھے نہیں۔ مالک کے حکم کو سمجھ کر اس کی ہدایت کے مطابق۔ اگر ہم خود اپنی مرضی سے بڑھنے لگیں تو انسان کا سارا جسم موٹے موٹے بالوں سے بھر جائے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ انسان ایک طرف تو ہمیں اپنے لیے بوجھ سمجھتا ہے لیکن اگر ہم کسی کے سر غائب ہونے لگیں تو ہمارے غم میں اس کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔ جب ہم انسان کے سر سے گرنا شروع ہوتے ہیں تو وہ گھبرا کر حکیموں، ڈاکٹروں اور ''بالوں کے ماہرین'' کے پیچھے دوڑنے لگتا ہے کہ وہ اسے کسی بھی قیمت پر گنجا ہونے سے بچالیں۔

جہاں تک خواتین کی بات ہے تو خواتین واقعی ہماری قدر و قیمت جانتی ہیں اور ہماری بہت نگہداشت کرتی ہیں۔ بلکہ اکثر ہمارے ساتھ نادان دوستوں والا سلوک بھی کر گزرتی ہیں۔ ہمیں بڑھانے، گھنا کرنے اور ریشم کی طرح نرم کرتے کے چکر میں وہ ضرورت سے زیادہ ہی دوائیں اور طرح طرح کے شمپو استعمال کرنے لگتی ہیں اور نتیجے کے طور پر اکثر اپنے، پیسے، وقت اور بال ضائع کر بیٹھتی ہیں۔ بہر حال یہ تو آپ سب کا اپنا معاملہ ہے۔ میرا مختصر ترین مشورہ یہ ہے کہ آپ ہم بالوں پر توجہ ضرور دیں لیکن انہیں اپنے لیے وبال نہ بنائیں۔

آیئے اب میں آپ کو اپنی کہانی سناتا ہوں۔ میں آپ کے سر کا بال نمبر 50611 ہوں اور میں آپ کو اپنی ہی نہیں اپنے کروڑوں ساتھیوں کی بھی کہانی سناؤں گا۔

ہم بال مختلف شکلوں اور سائز میں آپ کے پورے جسم پر پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کی بھنوؤں اور پلکوں کے بال چھوٹے اور سخت، سر کے بال لمبے اور نرم، اور جسم کی کھال پر ہم باریک روئیں کی شکل میں پھیلے ہوئے ہیں۔ سر میں ہماری تعداد ایک لاکھ کے قریب ہوتی ہے جبکہ داڑھی کے بال کم و بیش تیس ہزار ہوتے ہیں۔ داڑھی کے بال سال میں ساڑھے پانچ انچ اور سر کے بال ایک سال میں پانچ انچ تک بڑھتے ہیں۔

چوپایوں اور درندوں کے جسم پر ہماری تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے اور ہمارے فوائد بھی۔ ان سے حیوان ہی نہیں انسان بھی خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ہم بال ہیں کیا اور کہاں سے آتے ہیں؟ کیا آپ نے کبھی سوچا! آیئے میں آپ کو بتاتا ہوں۔

آپ کے جسم کی کھال تین تہوں سے بنی ہوئی ہے جس میں آپ کے تمام اعضاء پیک ہیں۔ ہم اس کھال کی درمیانی تہہ Corium سے نکلتے ہیں۔ جو Epidermis کے نیچے واقع ہے۔ جسم کی رگیں اور اعصاب جلد کی اسی تہہ میں چھپے

بال۔ خردبین کے نیچے

ٹوٹا ہوا بال

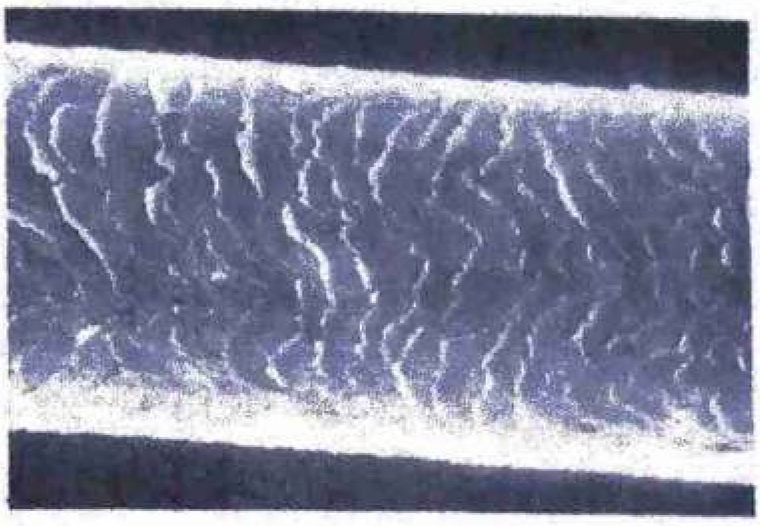

بال کئی ہزار گنا بڑا نظر آرہا ہے

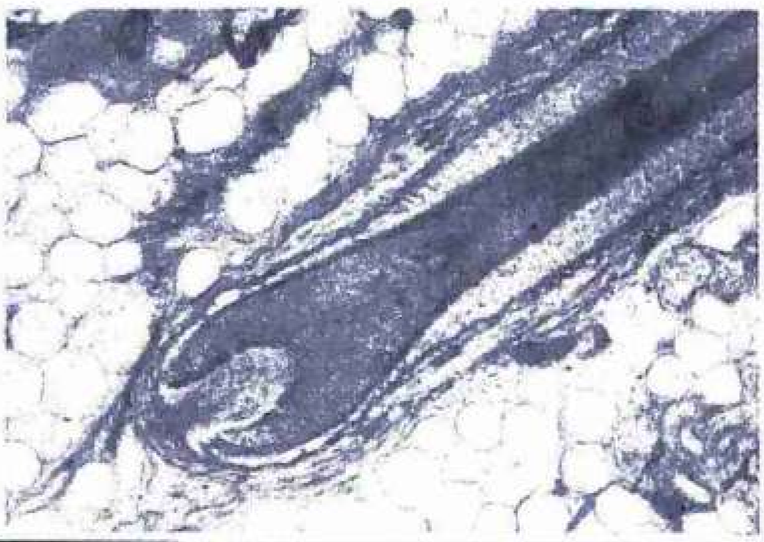

بال کی جڑ

ہوتے ہیں۔ ہم اس تہہ میں موجود فولی کل Follicle سے پیدا ہوتے ہیں۔ ''فولی کل'' کو اگر بالوں کی فیکٹریاں کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا۔

یہ فیکٹریاں سات سال تک چوبیس گھنٹے کام کرتی ہیں۔ سات سال کی عمر میں یہ پراسرار کارخانے خود بہ خود بند ہو جاتے ہیں۔ کچھ عرصے تک یہ کارخانے (فولی کل نامی خلیے) آرام کے ساتھ ساتھ اپنی مرمت کرتے ہیں اور دوبارہ بال پیدا کرنا شروع کردیتے ہیں۔ سات سال کی عمر میں شروع کے زیادہ تر بال گر جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے بال اگنا شروع کر دیتے ہیں۔

فولی کل اس وقت بننا شروع ہوتے ہیں جب بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں صرف دو ماہ کا ہوتا ہے۔ بال پیدا کرنے کے یہ کارخانے اسی زمانے میں کام کرنا شروع کردیتے ہیں۔ اس زمانے میں یہ ریشم جیسا رووال پیدا کرتے ہیں۔ ساتویں مہینے میں یہ رووال خود بہ خود غائب ہو جاتا ہے۔ بلوغت کا آغاز ہوتے ہی سر، داڑھی اور بعض دوسری جگہوں پر موجود فولی کل روئیں کی بجائے نسبتاً سخت، گھنے اور مستقل

رہنے والے بال پیدا کرنے لگتے ہیں۔

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ سر کی جلد میں موجود فولی کل عمر کے کسی بھی حصے میں سخت اور لمبے بالوں کی جگہ نرم اور باریک رو واں پیدا کرنے لگتے ہیں یا مکمل طور پر کام بند کر دیتے ہیں۔ گنجا پن اسی کو کہا جاتا ہے۔ یہ بیماری عام طور پر مردوں میں ہوتی ہے لیکن بعض خواتین بھی اس کا شکار ہو سکتی ہیں۔ بڑھاپے کے آغاز کے ساتھ ہی ہم بالوں کی موٹائی کم ہونے لگتی ہے۔ اس کی وجہ ان ''کارخانوں'' کی کم پیداواری صلاحیت ہوتی ہے۔

لوگ اپنا بال توڑتے ہیں تو انہیں اس کے آخر میں نسبتاً موٹا سا سرا نظر آتا ہے۔ وہ اسے بال کی جڑ سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب اس بال کی جگہ دوبارہ بال نہیں نکلے گا۔ یہ خیال غلط ہے۔ یہ موٹا سرا جڑ نہیں ہوتا۔ بال کی جڑ تو فولی کل میں ہوتی ہے جو اوپری جلد کے نیچے ایک انچ کے آٹھویں حصے کے برابر گہرائی میں ہوتا ہے۔ بال کے موٹے سرے کو بہر حال اوپر آنا تھا۔

ہم بال تقریباً سو فیصد پروٹین (لحمیات) کے بنے ہوئے ہوتے ہیں اسی لیے آپ بالوں کو جلائیں تو گوشت کے جلنے کی سی بو آتی ہے۔ یہ پروٹین ہم خود پیدا کرتے ہیں۔ پروٹین بنانا ایک انتہائی پیچیدہ کیمیائی عمل ہے اور کس قدر حیران کن بات ہے کہ بال برابر چیز، یعنی ہم بالوں کے خلیے اس قدر پیچیدہ کیمیائی عمل کو چوبیس گھنٹے سرانجام دیتے رہتے ہیں!

ہماری ساخت بھی بڑی حیران کن ہے۔ اسے دیکھنے کے لیے آپ کو طاقت ور خردبین کا سہارا لینا پڑے گا۔ ہماری اوپری سطح ایک دوسرے پر رکھے ہوئے خلیوں سے بنی ہے۔ آپ نے کھپریل سے بنی ہوئی سرخ چھتیں دیکھی ہوں گی۔ ہماری بیرونی سطح بالکل اسی طرح کی ہوتی ہے۔ یہ بناوٹ ہمیں تحفظ بھی دیتی ہے اور مضبوط بھی بناتی ہے۔ ہمارے اندر لچک بھی پائی جاتی ہے اور اتنی طاقت بھی کہ ایک بال تین

اونس کے قریب وزن کو اٹھا سکتا ہے۔

ہم بال کئی رنگوں میں پائے جاتے ہیں۔ کالے، براؤن، سنہرے، سرخی مائل، یہ رنگ عام طور پر وراثت میں ملتے ہیں اور نادیدہ ذرّات کی شکل میں ایک پیچیدہ نظام سے گزر کر ہم تک آتے ہیں۔ ہمارے ہر خلیے کے ساتھ چکنائی پیدا کرنے والے خلیے بھی موجود ہوتے ہیں جو ہمیں چکنائی بھی فراہم کرتے ہیں اور ہمیں واٹر پروف بھی بناتے ہیں۔

بالوں کے خلیے جب پیدا ہوتے ہیں تو اس وقت وہ ''زندہ'' ہوتے ہیں۔ پھر یہ خلیے ایک نالی کے اندر سے اوپر اٹھنا شروع ہوتے ہیں۔ اسی دوران ہر بال سخت ہونے کے عمل سے گزرتا ہے۔ اس عمل کو کریٹی نائی زیشن (Keratinization) کہا جاتا ہے۔ کریٹین (Keratin) ایک خاص قسم کی سخت پروٹین کا نام ہے۔ یہ مخصوص پروٹین گائے کے سینگوں، بطخ کے پروں اور بکری کے کھروں میں بھی پائی جاتی ہے۔

بال کا جتنا حصہ سخت ہوتا جاتا ہے وہ مردہ ہوتا رہتا ہے۔ اللہ نے اس حصے کو مردہ اس لیے بنایا تا کہ اسے کاٹنے میں انسان کو تکلیف نہ ہو۔ اگر انہیں کاٹنے میں ذرا سی بھی تکلیف ہوتی تو انسان کبھی بھی انہیں نہ کٹواتا اور چند ماہ کے اندر وہ انسان ہوتے ہوئے بھی حیوان نظر آنے لگتا۔

جسم کے مختلف حصوں کے بال الگ الگ رفتار سے بڑھتے ہیں۔ پلکوں اور بھنوؤں کے بال ایک خاص سائز کے بعد زندگی بھر نہیں بڑھتے۔ سر، داڑھی بغلوں اور بعض دوسری جگھوں کے بال مستقل بڑھتے رہتے ہیں۔ بھنوؤں کے بالوں کو اگر نوچ لیا جائے تو ایسی صورت میں یہ غیر ضروری طور پر بڑھنے لگتے ہیں۔ سر کے بال ایک مہینے میں تقریباً آدھ انچ بڑھتے ہیں۔ داڑھی کے بال سر کے بالوں کی نسبت زیادہ تیزی سے بڑھتے ہیں۔

خواتین میں فولی کل کی تعداد مردوں کے برابر ہی ہوتی ہے لیکن ان کے یہ

''کارخانے'' زیادہ تر باریک، نظر نہ آنے والا رُوواں پیدا کرتے ہیں۔ خواتین کو اللہ کا شکرادا کرنا چاہیئے۔ اگر ان کے بالوں کے خلیے بھی سخت بال پیدا کرتے تو خواتین کے چہرے پر داڑھی کیسی لگتی!

ہمارے خلیے کئی طرح کے بال پیدا کرتے ہیں۔ کسی کے بال بالکل سیدھے ہوتے ہیں، کسی کے لہردار اور کسی کے گھنگھریالے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے خلیے بنیادی طور پر تین اقسام کے ہوتے ہیں۔ گول، چپٹے اور بیضوی۔ اگر یہ خلیے گول ہوں تو آپ کے بال سیدھے ہوں گے۔ بیضوی شکل کے ہوں تو آپ کے بال لہردار ہوں گے، ان کی بناوٹ چپٹی ہوگی تو ایسی صورت میں آپ کے بال گھنگھریالے کہلائیں گے۔

یہ تین بنیادی اقسام ہیں۔ پھر ان کے درمیان بے شمار اقسام ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ خلیے جس قدر زیادہ چپٹے ہوں گے بال اسی قدر زیادہ گھنگھریالے ہوں گے یا جتنے زیادہ گول ہوں گے بال اسی قدر زیادہ سیدھے ہوں گے۔

عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ ہم بال سفید ہونے لگتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں رنگ فراہم کرنے والے غدود اپنی پیداوار کم کردیتے ہیں۔ اسی لیے شروع میں ہمارا رنگ کالے سے سرمئی ہوجاتا ہے اور پھر بتدریج سفید ہونے لگتا ہے۔

ایک دلچسپ بات آپ کو بتاؤں۔ آپ جو اجزاء بھی غذا میں استعمال کرتے ہیں وہ بالوں تک بھی پہنچتے ہیں، خاص طور پر مختلف دھاتیں، حقیقت تو یہ ہے کہ بہت سے ماہرین امراض، بالوں کے تجزیئے کی مدد سے بہت سی بیماریوں کا پتا لگانے پر غور کررہے ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ بالوں کے تجزیئے سے بھی اسی طرح بیماریوں کی تشخیص ہوسکتی ہے جس طرح خون اور پیشاب کے تجزیوں سے ہوتی ہے۔ بالوں کے ایکسرے اور الیکٹران خردبین کے ذریعے بالوں کو دیکھ کر یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ مریض کی بیماری

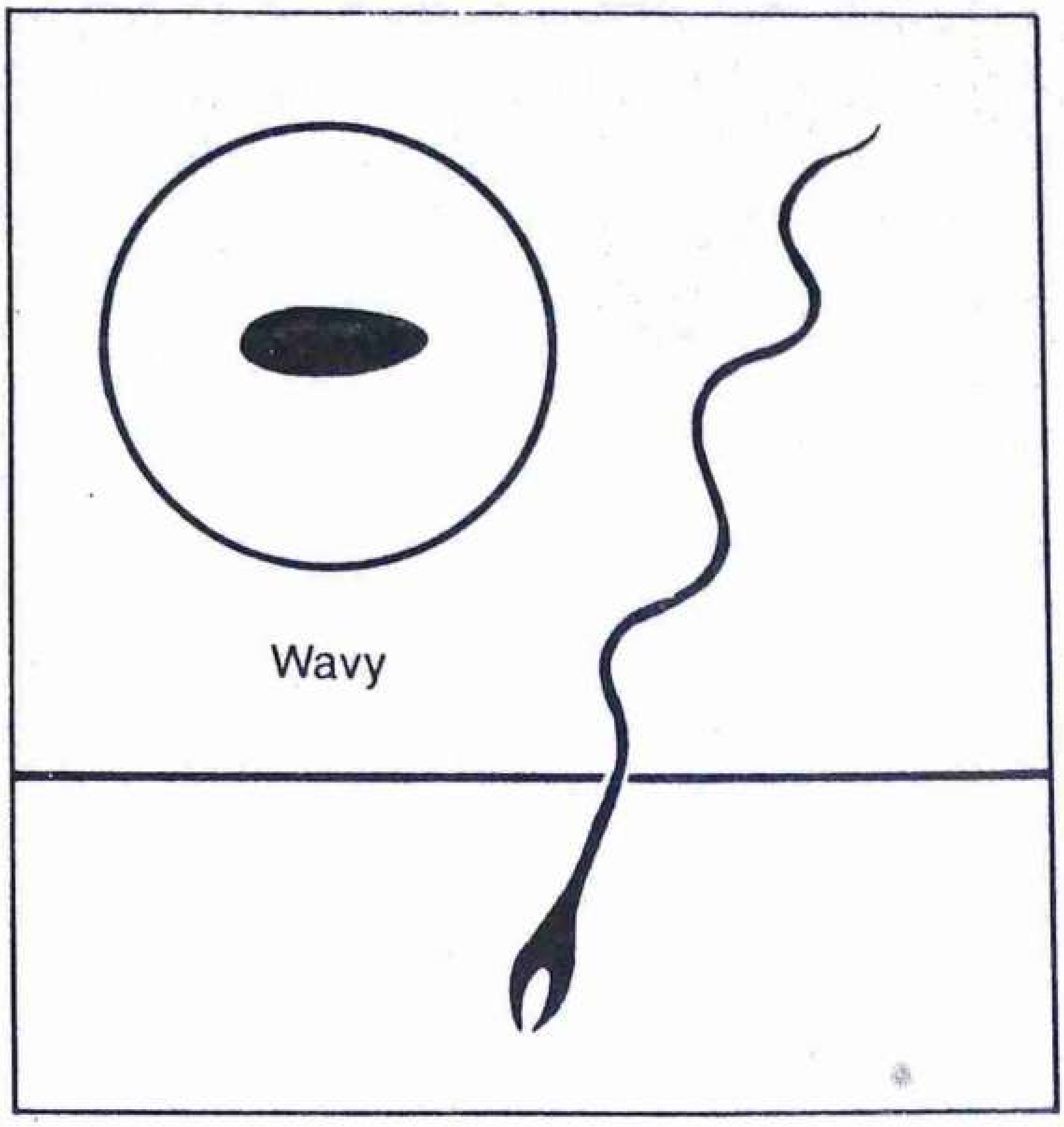

لہریے دار بال

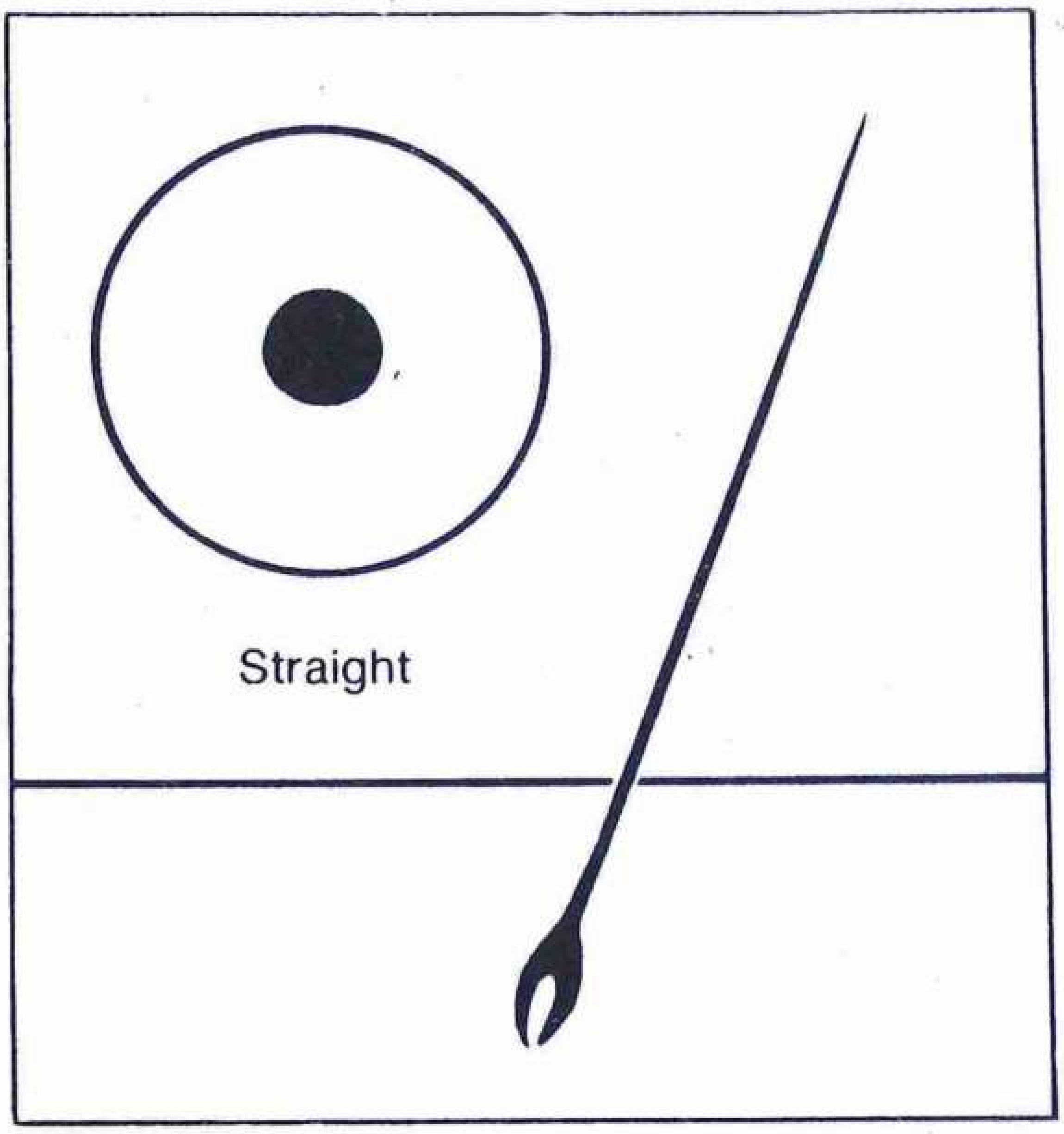

سیدھے بال

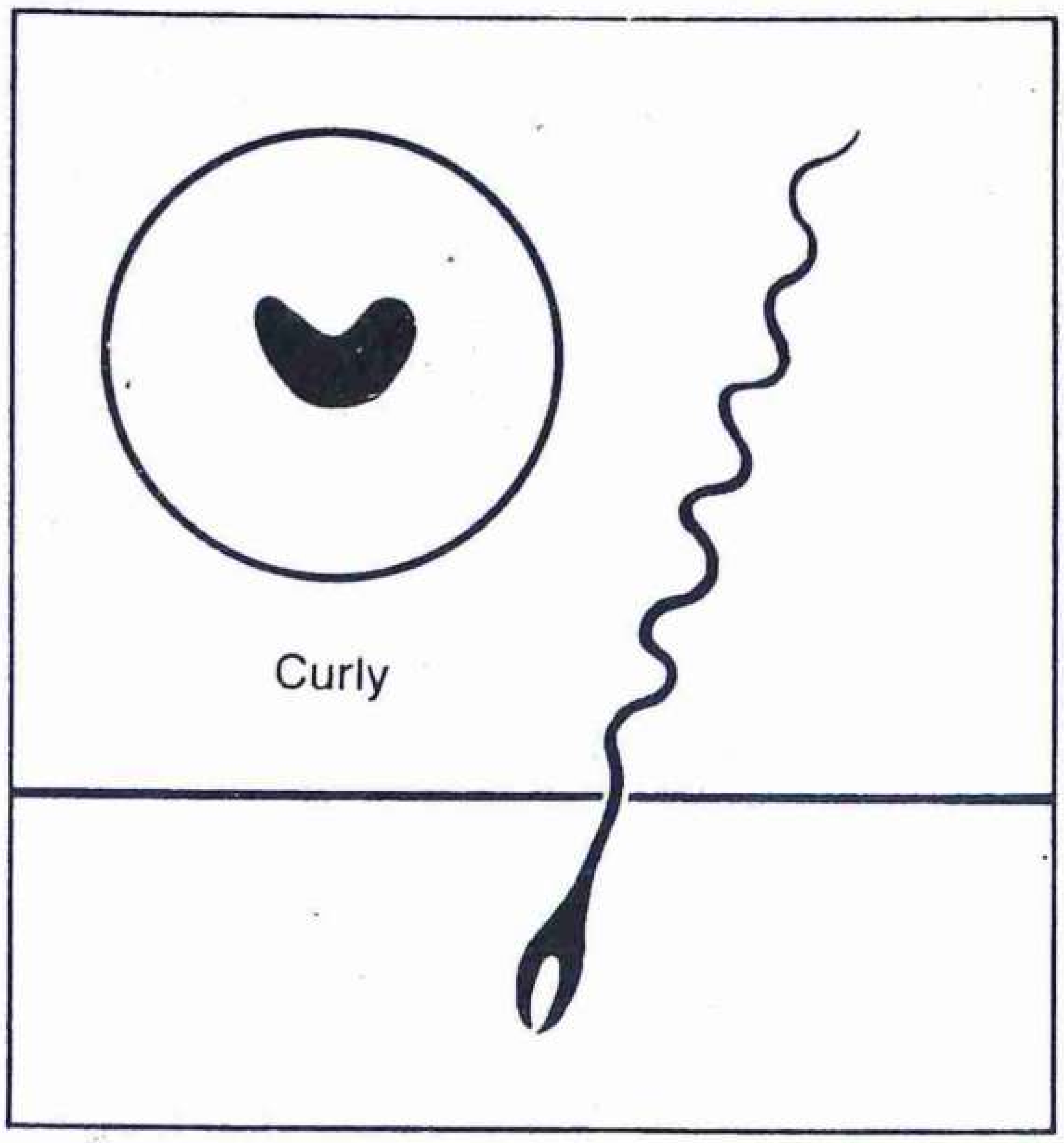

بالوں کی شکل کیسی ہوگی! اس بات کا تعین بالوں کے خلیے کرتے ہیں۔ یہ گھنگریالے بالوں کا خلیہ ہے

موروثی ہے یا اس کا سبب کوئی اور ہے!

ہماری صحت کا راز جسم کی صحت میں پوشیدہ ہے۔ تیز بخار، سرخ بخار اور نمونیا کی صورت میں ہمارے خلیے (فولی کل) عارضی طور پر بالوں کی پیداوار روک دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اکثر شدید صدمے یا مستقل رہنے والی شدید ذہنی پریشانیوں کے سبب بھی بالوں کی پیداوار رک جاتی ہے اور عارضی طور پر گنج پیدا ہو جاتا ہے۔

ہمارے بارے میں بہت سے واہمے بھی عام ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ انسان کے بال مرنے کے بعد بھی بڑھتے رہتے ہیں۔ یہ ایک احمقانہ بات ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے مرنے کے بعد جسم کی کھال پہلے سکڑتی ہے پھر ڈھیلی پڑ جاتی ہے اسی وجہ سے وہ بال جو ابھی جلد کے اندر بن رہے تھے وہ اوپر اُٹھ آتے ہیں اور دیکھنے والوں کو لگتا ہے کہ مردے کے بال بڑھ رہے ہیں۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ گنج پن دوران خون

کے کم ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ بات بھی غلط ہے۔ گنج کا زیادہ تر سبب موروثی ہوتا ہے اگر باپ کے سر پر بال نہیں ہوں گے تو بیٹے میں گنج پیدا ہونے کے مواقع پچاس فیصد ہوں گے۔ اگر یہ بیماری ماں اور باپ دونوں کو ہو گی تو اولاد میں گنج پیدا ہونے کے امکانات زیادہ ہو جائیں گے۔

بالوں کی صحت یا بیماری میں بعض غدود بھی خاص کردار ادا کرتے ہیں۔ ان غدود ہی کے پیدا کیے ہوئے ہارمونز بلوغت کے بعد بالوں کو گھنا اور سخت بناتے ہیں۔ یہی ہارمون خواتین کے بالوں کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ خواتین جب ماں بننے والی ہوتی ہیں تو یہ غدود زیادہ ہارمون پیدا کرنے لگتے ہیں۔ اسی لیے ان دنوں میں ان کے بال خوب بڑھتے ہیں لیکن نئے مہمان کی آمد کے چند ماہ بعد ان کے بال تیزی سے گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر بہت جلد جب ان کے جسم میں ہارمونز کی مقدار معمول پر آ جاتی ہے تو بال معمول کے مطابق بڑھنے لگتے ہیں۔

عام طور پر خواتین کے ایڈرینل گلینڈ بہت معمولی مقدار میں وہ ہارمون بھی پیدا کرتے ہیں جو ہارمون مردوں کے ٹیس ٹی کلز پیدا کرتے ہیں لیکن اگر خواتین کے ان غدود کے قریب خدانہ خواستہ کوئی رسولی (Tumor) پیدا ہو جائے تو یہ غدود مردانہ ہارمونز زیادہ پیدا کرنے لگتے ہیں۔ اس کے نتائج خواتین کے لیے بہت تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ ایسی خواتین کے چہرے پر داڑھی مونچھیں اگنے لگتی ہیں۔

تھائی رائیڈ گلینڈ سے آنے والے ہارمون بھی ہمیں متاثر کرتے ہیں۔ اگر ان ہارمونز کی مقدار معمول سے زیادہ ہو تو بال بے تحاشا بڑھنے لگتے ہیں۔ ان ہارمونز میں کمی ہو تو بال بے رونق اور کمزور ہو جاتے ہیں۔

بعض پھنسیاں اکثر بال بنانے کے کارخانوں (فولی کلز) کو تباہ کر دیتی ہی۔ پھپھوندی کی بیماریاں بھی ہمیں نقصان پہنچاتی ہیں۔ بہت سی دوائیں بھی ہمارے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں۔ مثلاً کینسر کے علاج میں استعمال ہونے والے دواؤں سے اکثر

بال گرنے لگتے ہیں۔اس طرح وٹامن ''اے'' کا زیادہ استعمال بھی یہی نتائج پیدا کرتا ہے۔سر کے بال چھوٹے چھوٹے حصوں میں سر سے غائب ہونے لگتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ ایسا کیوں ہوتا ہے شاید اس کا سبب بھی موروثی ہو!

یہ بیماری بہرحال عارضی نوعیت کی ہوتی ہے۔ بال دوبارہ نکل آتے ہیں لیکن اس دوران بالوں کے ماہرین اور طرح طرح کی دوائیں بنانے والوں کی چاندی ہوجاتی ہے۔لوگ گنجے ہونے کے خوف سے ان ماہرین کے پاس جاتے ہیں اور طرح طرح کے نسخے آزماتے ہیں۔حالانکہ اگر وہ کچھ بھی نہ کریں تو بھی کچھ عرصے بعد ان کے بال دوبارہ نکل آتے ہیں۔

مزے کی بات یہ ہے کہ ''ماہرین'' کو اس حقیقت کا علم ہوتا ہے لیکن جب مریض کے سر پر دوبارہ بال نکلنا شروع ہوتے ہیں تو ماہرین اسے اپنے تجزیے، مہارت اور ''صدری نسخوں'' کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔صرف یہی نہیں خود مریض بھی ایسا ہی سمجھتا ہے وہ ماہرین کا شکریہ اور دوسروں سے ماہرین کی تعریف کرتے ہوئے نہیں تھکتا۔

کتنی عجیب بات ہے کہ جس مالک نے شروع میں اسے صحت مند بال عطا کیے تھے اور بیماری کے بعد دوبارہ اس کے بالوں کو صحت عطا کرتا ہے' اس مالک سے اپنے بالوں کا نہ کوئی شکریہ ادا کرتا ہے نہ کبھی اس کی تعریف کرتا ہے!

بالوں کی نگہداشت اتنی مشکل اور پیچیدہ نہیں جیسا کہ شیمپو بیچنے والی کمپنیاں ٹی وی کے اشتہارات میں دکھاتی ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس زمانے میں یہ شیمپو نہیں ہوتے تھے اس زمانے میں گنجے بھی کم نظر آتے تھے۔

بالوں کی نگہداشت کے اصول بہت سادہ ہیں۔ کھلے بالوں میں مٹی، بیکٹریا، دھوئیں اور گرد کے باریک اجزاء زیادہ جمع ہوتے ہیں۔اس کا حل یہ ہے کہ بالوں کو ہفتے میں ایک یا دو مرتبہ اپنے آزمودہ شیمپو سے دھولیا جائے۔خواتین اپنے بالوں کو حجاب یا چادر کے ذریعے بھی گرد وغبار، بیکٹریا سے محفوظ رکھ سکتی ہیں۔ایسے میں کم شیمپو

استعمال ہوگا اور سر کی جلد طرح طرح کے کیمیائی اجزاء سے کم متاثر ہوگی۔ زیادہ دھوپ بھی بالوں کو خشک اور کمزور کر دیتی ہے۔ اس سے بچنے کا بھی بہترین طریقہ بالوں کو دھوپ سے چھپانا یعنی حجاب کا استعمال ہے۔

اچھی غذا، صحت مند سوچ، پاکیزہ ماحول، فکرات سے بچنا، حسد، غصے، نفرت اور انتقام جیسے شیطانی جذبات سے دور رہنا اور ہر مشکل میں اپنے مسئلے کے لیے اپنے پیدا کرنے والے سے دعا کے ذریعے رابطہ کر کے دماغ کا بوجھ کم کرنا، آپ کے جسم ہی نہیں روح کو بھی صحت مند اور توانا رکھتا ہے۔ جسم صحت مند ہوگا تو ہم بال بھی صحت مند رہیں گے۔ جسم بیمار اور دماغ تفکرات میں گھرا رہے گا تو ہم بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہیں گے۔

سر کے بالوں کے بارے میں حدیث ہے۔ ''بال سر پر اس لیے ہیں کہ ان کی جڑوں سے تیل وغیرہ دماغ تک پہنچتا رہے اور بہت سے دماغی بخارات باہر نکلتے رہیں اور دماغ زیادہ گرمی اور زیادہ سردی سے محفوظ رہے۔''

سائنسی معلومات کے مطابق ابھی اس بات کا ثبوت نہیں ملا کہ سر کے بالوں کے ذریعے تیل دماغ تک پہنچتا ہے۔ دماغ سے نکلنے والے بخارات (گیسوں) کے بارے میں بھی سائنسی طور پر ابھی کوئی شواہد موجود نہیں ہیں۔ بہر حال یہ کوئی حتمی بات نہیں۔ انسان کا علم اور سائنس ابھی ارتقائی منزلوں میں ہے۔ نئے تجربات اور مشاہدات کے بعد سائنس آج بھی اپنے پرانے نتائج اور نظریات کو تبدیل کرتی رہتی ہے۔ ایک زمانے میں دماغ کے اندر موجود پیچوٹری گلینڈ (Pituitary Gland) کو ایک بے مصرف غدود سمجھا جاتا تھا لیکن الیکٹران خردبین کی ایجاد کے بعد جب سائنس دانوں کو اس غدود سے خارج ہونے والے بارہ ہارمون دکھائی دیئے تو اس غدود کو جسم کے ''ماسٹر گلینڈ'' کا نام دے دیا گیا۔

*

سرِ ورق کی تصویر

سرِ ورق پر جو تصویر آپ نے ملاحظہ فرمائی یہ ہمارے جسم کے خلیوں میں موجود اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانی اور حیران کن معجزے ڈی۔این۔اے کا ڈیزائن ہے۔ بچے کی تخلیق کا عمل اور پھر جسم کو تا حیات رواں دواں رکھنے کے لئے ڈی۔این۔اے کے دو ایک دوسرے پر لپٹے ہوئے دھاگوں پر وہ ہدایات موجود ہوتی ہیں جنھیں سائنسی زبان میں جینز (Genes) یا کوڈز (Codes) کہا جاتا ہے۔ تخلیق سے پہلے یہ ہدایات موجود نہ ہوں تو انسان ہی نہیں کسی بھی ذی حیات کی تخلیق ممکن نہیں۔

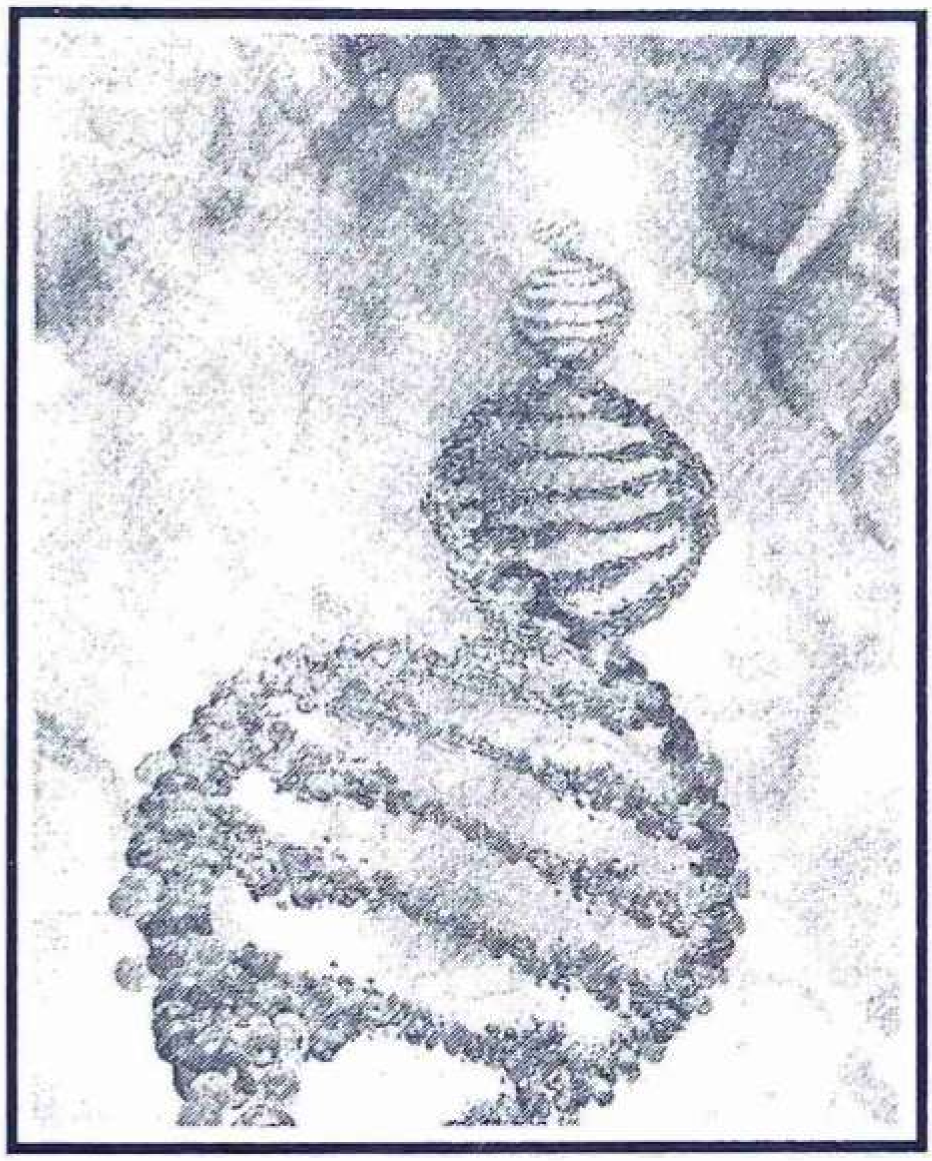

D.N.A.

چینل فائیو پبلشنگ ہاؤس کی آیندہ پیش کش
محمد علی سید کی معرکتہ الآراء تحقیق

ثقلین اور سائنس

اردو اور انگریزی زبان میں جلد شائع ہو رہی ہے

موضوعات:

☆اللہ کے قانون پر عمل درآمد کرانے والے ۱۲ ہارمون ☆ڈی۔این۔اے، تخلیق سے پہلے ہدایات ☆سات آسمان ☆پتھروں کی آندھی ☆فضا کا وزن ☆ستارے اور فاصلے ☆مٹی کا انسان ☆سورج کی موت ☆گھٹتے بڑھتے سائے ☆مچھر کی مثال ☆زندگی کا مزہ ☆آواز کہاں سے آئی ☆مردہ جانور کہاں چلے جاتے ہیں ☆روشن ترین سیارہ ☆حرکت میں زندگی ☆پانی سے توانائی ☆سرد سیارہ ☆محفوظ چھت ☆تاریک ستارے ☆نورانی ستون ☆حیات بعد از موت ☆پتھر کہاں سے آئے ☆ستاروں کی روشنی ☆کوئی رہتا ہے آسمان میں کیا ☆کوزے میں سمندر ☆فرعون کی لاش ☆نظر نہ آنے والی چیزیں ☆چار دنوں میں ☆چھ دنوں میں ☆پہاڑ کس طرح بنے ☆زمین کب پھیلی ☆چمگادڑ ☆ٹڈی ☆چپکنے والی چیز......اور ان جیسے دوسرے بہت سے سائنسی موضوعات پر

قرآن اور علمائے قرآن نے اس وقت گفتگو فرمائی جب کہ
خود سائنس ابھی ایام جاہلیت سے گزر رہی تھی!

اس کتاب کا انگلش ترجمہ آپ ہماری ویب سائٹ
http://webmail.channel05.org پر بھی دیکھ سکتے ہیں۔
رابطہ: E.mail: editorchannel05.org